هو الفرد المجیب ولی النعمة

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ

المجیب



خانقاہ پیر مجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

سالانہ پانچ روپے ۵ | دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ | فی پرچہ آٹھ آنے ۸

The AL MUJEEB

نظام نامہ و قواعد

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

تصنیف تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

(۱) بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلاء، صوفیاء، شعراء اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور اکابر پھلواری شریف کے سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت۔ اہل ذوق اور ارباب ہمت حضرات کی اس میں شرکت اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے

قواعد

لائف ممبر قسم اول:- جو صاحب ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے ایسے علم دوست حضرات کو دار الاشاعت کی تمام مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

لائف ممبر قسم دوم:- جو صاحب پچاس روپیہ عنایت فرمائیں گے ان حضرات کو اخبار وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

لائف ممبر قسم سوم:- جو صاحب پچیس روپیہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں اخبار وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہوں وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

(۲) ہر اسلامی ماہ کی ۱۰ تاریخ کو ایک مذہبی و علمی ماہنامہ "المجیب" کی اشاعت جس کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ اور عام قیمت آٹھ آنے (۸) پاکستان و غیر ممالک سے سالانہ قیمت سات روپیے

مقام اشاعت:- دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی جائے منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہیئے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے۔ جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے خط لکھنے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے ایسی صورت میں کام کرنے والوں کو دقتیں پیش آتی ہیں اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔ بار بار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر کوپن پر صاف طور پر لکھیں اور کام کرنے والوں کو مشکلات سے بچائیں

محمد عبد الدیان قادری مجیبی۔ مہتمم دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ایل نمبر ۲۳۲۸۹
هُوَ الفَرْدُ المُجِيبُ فِي النِّعْمَة
رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۴۷

قیمت سالانہ
۵ روپے
فی پرچہ
آٹھ آنے

ماہنامہ المجیب
پھلواری شریف (پٹنہ)

پاکستان
و
غیر ممالک سے
سات روپے

جلد نمبر ۷ | ماہ جمادی الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۶ء | شمارہ نمبر ۹

• مدیر مسئول:
سید احمد حسین سہسرامی

• ادارۂ تحریر:
سید یوسف رضوی
ظفر حسنین
اسمٰعیل حسنین نقوی

• پرنٹر و پبلشر:
سید لطف احمد قادری

• طابع:
یعقوب لیتھو پریس، رمنا روڈ، پٹنہ ۴

• مقام اشاعت:
دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف
پٹنہ

لمعات

کشمیر کے اسکولوں میں پڑھائی جانے والی ایک درسی کتاب "ہماری کہانیاں" نے گذشتہ دنوں پارلیمنٹ میں ایک ہلچل مچادی۔ مخالف ممبروں نے حکومت پر الزام لگایا کہ اس کی سرپرستی میں چلنے والے ادارہ کے ذریعہ منتخب کی گئی اس کتاب میں ایسی باتیں ہیں، جو سراسر ملکی مفاد کے خلاف ہیں۔

کتاب میں لکھا گیا ہے کہ کشمیر ایک آزاد ریاست ہے، یہ کتاب اٹھارہ انیس سال قبل لکھی گئی تھی اور برابر نئے اڈیشن کے ساتھ، حکومت کے ادارہ محکمہ تعلیمات کے ذریعہ منظور ہوکر یہ نصاب میں داخل رہی۔ ——— یکایک کسی مخالف ممبر کی نظر اس پر پڑ گئی اور اتنے ہنگامے اٹھ کھڑے ہوئے سوال و جواب کے دوران وزیر اعظم کو مداخلت کرنی پڑی ——— اور ان کی اس یقین دہانی کے بعد کہ اس سلسلہ میں پورے طور سے تحقیقات کی جائے گی ——— ممبروں کا جوش و ولولہ کچھ کم ہوا۔

حکومت کشمیر خود بھی اس پر نادم ہے اور اگرچہ وہاں کے وزیر اعلیٰ اس مسئلہ پر مرکز کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے، پھر بھی یقین ہے کہ جلد ہی ایسی کتابیں نصاب سے علیحدہ کردی جائیں گی ——— جن میں ہماری قومی پالیسی کے خلاف کوئی بات لکھی گئی ہے۔

سخت تعجب ہے کہ اتنے دنوں تک ایسی کتابیں نصاب میں کیوں کر چلتی رہیں، جبکہ ہر ہندوستانی کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی گئی ہے کہ کشمیر ہندوستان کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔

دراصل درسی کتابوں کی طرف سے حکومت اتنی غافل رہی ہے کہ کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی گئی کہ ریاستوں میں نصابی کتابیں کیسی پڑھائی جارہی ہیں ——— ظاہر ہے کہ یہی درسی کتابیں ہیں، جو اس ملک کے لئے مستقبل میں رہنما پیدا کریں گی لیکن حکومت کی اس غفلت کو کیا کہا جائے کہ چھوٹے بچوں کو ——— جو مستقبل کے گاندھی، آزاد اور جواہر بننے والے تھے، زہر سے لبریز یہ کتابیں پڑھا کر زبردستی گرد گوالکر اور دلیش پانڈے بننے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

کشمیر کا مسئلہ، چونکہ ایک پھوڑے کی حیثیت رکھتا ہے، جس پر ذرا سی ٹھیس پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں کی درسی کتابوں پر کسی کی نظر پڑ بھی گئی، ورنہ ملک کے دوسرے حصوں میں پڑھائی جانے والی کتابوں کی خرابیاں سیکڑوں

بار منظر عام پر آچکی ہیں۔ لیکن آج تک حکومت نے ان کتابوں کی بہتری کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔
کشمیر کے بچوں کو یہ پڑھانا کہ وہ آزاد کشمیر کے باشندے ہیں، ملک کے لئے اتنا مہلک نہیں ہے۔ جتنا ان درسی کتابوں کو پڑھانا جن میں جابجا یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان اس ملک کے دشمن اور غاصب رہے ہیں مسلم سلاطین کو حملہ آور، جابر، مندر کو نقصان پہنچانے والا اور ہندؤں کو زبردستی مسلمان بنانے والا بتایا گیا ہے۔ کتنی ہی مسلم جماعتوں نے ایسی کتابوں کی بڑی بڑی فہرست اور ان کے اقتباسات حکومت کے سامنے پیش کئے ہیں اور بار بار وزارت تعلیم اور حکومت کے دوسرے اداروں کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ان کتابوں کے ذریعہ آنے والی نسل کے درمیان نفرت وحقارت کی ایک مستقل دیوار کھڑی کی جارہی ہے۔ ہندؤوں کو اس ملک کا اصلی وارث اور مسلمانوں کو ان کے رحم وکرم پر جینے والی ایک کم رتبہ قوم کی حیثیت سے بتایا جا رہا ہے ——— اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسی ساری کتابیں حکومت کی منظور شدہ ہوتی ہیں ——— وہ حکومت جسے سیکولر ہونے پر بڑا ناز ہے۔

بالکل ظاہر ہے کہ کبھی بھی یہاں سے کروڑوں کی تعداد والے اس گروہ کو ملیامیٹ نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں اسی آب وہوا میں رہنا ہے اور یہیں کے کھیتوں کھلیانوں سے انہیں غذا حاصل کرنی ہے ——— اور ہمیشہ ہی دوسرے فرقہ کے ساتھ روز و شب گذارنی ہے تو پھر یہ کہاں تک مناسب ہے کہ ان دو عظیم فرقوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی نفرت کا پودا بویا جائے اور اس کی نشو ونما کیجائے۔

یہ مسئلہ تو پورے ملک کا مسئلہ ہے کسی ایک خطہ کا نہیں۔ اس کی طرف سے غفلت کیا معنی رکھتی ہے؟ حکومت اس طرف توجہ کیوں نہیں کرتی۔ ہمارے وزیر تعلیم جن کی نظر بہت "گہری" ہے اور جو خود کو سب سے بڑا ملک دوست سمجھتے ہیں، وہ کیا اس صورت حال سے بے خبر ہیں؟ ——— اور اگر بے خبر ہیں تو کیوں ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ درسی کتابوں کی چھان بین کے لئے ایک مستقل ادارہ کا قیام ہوتا جس کے ممبران صاف ذہن ودماغ کے لوگ ہوتے ——— جنہیں یہ ملک اور یہاں کے عوام عزیز ہوتے۔ ہر داخلی وخارجی معاملات میں دخل اندازی کرنے والے وزیر تعلیم اپنے ہی محکمہ میں پھیلتے ہوئے اس ناسور کو کیوں نہیں دیکھ رہے ہیں؟

شاید یہ پہلا موقع ہے کہ درسی کتابوں پر پارلیمنٹ میں لے دے ہوئی ہے۔ ورنہ یہی ممبران پارلیمنٹ اور یہی وزراء مسلمانوں کی لاکھ چیخ وپکار پر بھی ایسے خاموش رہے ہیں جیسے آوازیں ان کے کانوں تک پہنچی ہی نہ ہوں ———

یہاں عام طور سے یہ بات دیکھی جارہی ہے کہ چند عناصر کی خراب ذہنیت کی وجہ کر کوئی مسئلہ بگڑتا ہے ——— اور حکومت کے کارندوں کی نااہلی اسے شہ دیتی ہے اور جب یہی ذہنیت ملکی مفاد کے خلاف ہونے لگتی ہے اور خود حکومت کے اندر اس سے طوفان پیدا ہوتا ہے، تو حکومت چونکتی ہے۔ (باقی صفحہ ۴۸ پر)

استبراک

از

موئے مبارک علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ الطیبات

(از جناب مولانا محمد شفیع اللہ صاحب سہسرامی، مجیبی اجمیر شریف)

(۲)

حدیث مذکور سے واضح ہوا کہ اگر کسی جگہ موئے مبارک ہے اور اس کی زیارت ہوا کرتی ہے اور اس کی شہرت عام ہو، جن بزرگوں کے اہتمام میں زیارت ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک ہے، تو اگر فی الواقع وہ آپ کے موئے مبارک نہ بھی ہوں، جن کا ہمیں قطعی علم نہیں ہے، پھر بھی جو فیوض و برکات اصلی موئے مبارک کی زیارت میں حاصل ہونے والے ہوں گے، وہی فیوض و برکات حسن عقیدت کے باعث اس کے ظن غالب کے مطابق اس موئے مبارک کی زیارت میں بھی حاصل ہوں گی جس کی عام شہرت ہو اور جس کے متعلق معتمد اور ثقہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ موئے مبارک ہے۔

یہ ایک مخصوص فضل ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس امت پر فائز کیا گیا ہے۔ اس کی فقہی مثال مسئلہ تیمم ہے۔ جیسے مسافر کو کسی کے کہنے سے یا آثار و قرائن سے یہ ظن غالب ہو جائے کہ آس پاس کہیں پانی نہیں ہے تو حسب قاعدہ فقہیہ وہ تیمم کر کے نماز پڑھے گا۔ اس کی نماز مقبول اور صحیح ہوگی۔ اگرچہ یہ ظن غالب حقیقت کے خلاف ہو اور پاس ہی کہیں پانی موجود ہو۔ مگر اس کا تیمم اور نماز سب درست اور باعث اجر و ثواب ہوگی، وغیرہ

معلوم ہوا کہ شہرت عامہ کے مقابلہ میں ایسے واہی تباہی شبہات کی وجہ سے موئے مبارک کی زیارت کی برکتوں سے محروم رہنا، مقتضائے عقل و دانش نہیں۔ شیطان آدمی کا دشمن ہے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی فضیلت اور برکت کسی آدمزاد کو حاصل ہو۔ اسی لئے وہ ایسے شبہات پیش کرتا رہتا ہے جنہیں عام عقلیں بھی بظاہر تسلیم کر لیا کرتی ہیں۔ مگر آدمی کا ایمان و عقیدہ اگر مستحکم ہو تو نفس و شیطان دونوں کو جواب دے کر آدمی سعادت دارین حاصل کر سکتا ہے۔

جب بہمل بروایت صحیحہ معلوم ہو گیا ہے کہ آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لاکھوں موئے مبارک کو خود ہی تقسیم فرمانے کا اہتمام فرمایا اور وہ تمام عالم اسلام میں پھیل چکے ہیں اور فلاں فلاں جگہ زمانۂ دراز سے ان کی زیارت کا اہتمام

کیا جاتا ہے اور اہل عقیدت ایمانی ذوق وشوق کے ساتھ زیارت کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ تو اب یہ خیال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ اصلی بھی ہیں یا نہیں، آخر یہ خیال کیوں قائم نہیں ہوتا کہ وہ اصلی موئے مبارک ہیں۔ لاکھوں موئے مبارک میں سے شاید زمانہ کے دستبرد سے بچ بچا کر یہ محفوظ رہ گئے ہوں۔ اس لئے اس کی زیارت سے مستفیض ہوئیں۔ چاہے حقیقت کچھ بھی ہو۔ اصلی ہوں گے، تو اجر وثواب، خیر وبرکت سے بہرہ مند ہوں گے، ورنہ نقصان ہی کیا ہوگا۔

البتہ اگر احادیث وآثار سے صرف سو پچاس بالوں کی ہی تقسیم کا ثبوت ہوتا، تو پھر یہ کہنے کی گنجائش بھی تھی کہ یہ ہزاروں موئے مبارک کہاں سے آگئے، جن کی زیارتوں کی دھوم ہو رہی ہے۔ لہٰذا ایسے خیر اہل شعار کی تعظیم وزیارت کیوں کی جائے۔ اگرچہ اصل ہونے کا احتمال تو اسی قلت تعداد کی صورت میں بھی موجود ہے، جو موجب زیارت ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے، تو یہ بھی ممکن ہے کہ اب جو موئے مبارک کی تعداد رہ گئی ہے اور ہندوستان جیسے عظیم ملک میں جہاں صدہا سالوں سے اسلامی شعار کی آمد کا سلسلہ جاری ہے صرف متعدد جگہ ہی موئے مبارک کا وجود مسعود ہے۔ یہاں تو ہر قصبہ میں نہیں، تو ہر ضلع میں موئے مبارک ہونا چاہئے تھا اور ہر جگہ اس کی زیارت ہونی چاہئے تھی، کیونکہ صرف صلح حدیبیہ کے موقع پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی جتنی کثیر تعداد میں موئے مبارک صحابہ کرام میں منقسم ہوئے تھے۔ اس کا اقتضا تو یہ تھا کہ روئے زمین کے ہر حصہ میں کثرت سے موئے مبارک پائے جاتے۔

بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ جو لوگ موئے مبارک کی زیارت سے محروم رہتے ہیں اور نت نئی بہانہ بازیاں کرتے رہتے ہیں، شکوک وشبہات میں خود بھی مبتلا رہتے ہیں اور دوسروں کی عقیدت مندیوں کو بھی مجروح کرتے رہتے ہیں وہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشار تعلیم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لئے موئے مبارک کی زیارت سے باز رکھنے والوں کو ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنے واہی تباہی شبہات کے ذریعہ عام مسلمانوں کو اس نعمت غظمیٰ سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔

تاریخ واقدی وغیرہ میں مرقوم ہے کہ جب ملک شام میں حضرت خالدرضؓ جبلہ ابن ایہم کی قوم کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔ ایک روز تھوڑی فوج کے ساتھ برسر آزما ہوئے اور رومیوں کے بڑے افسر کو مار ڈالا، اس وقت جبلہ نے ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ یکبارگی حملہ کر دیا۔ صحابۂ کرام اس اچانک حملہ سے سراسیمہ ہوگئے اور ایک نازک حالت میں مبتلا ہوگئے۔ اس وقت حضرت رافعؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا آج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قضا آگئی ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا سچ کہتے ہو۔ اس کا اندیشہ مجھے بھی ہے کہ میں اپنی وہ ٹوپی گھر بھول آیا ہوں، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک سلے ہوئے ہیں۔ ادھر تو یہ حالت تھی۔ اُدھر مرکز میں آدھی رات کو ہی ابو عبیدہؓ کو جو فوج کے افسر اعلیٰ تھے اُنہیں

خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہ فرمائی کہ اسی وقت تم یہاں سوئے پڑے ہو، اٹھو اور فوراً خالدؓ بن ولید کی مدد کو پہنچو۔ کفار نے انہیں گھیر لیا ہے۔ اگر تم اسی وقت جاؤگے تو وقت پر پہنچ جاؤگے۔

حضرت ابو عبیدہؓ خواب سے بیدار ہوتے ہی لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا اور روانہ ہوگئے۔ راستہ میں دیکھا کہ فوج کے آگے آگے نہایت سرعت سے ایک سوار گھوڑا دوڑاتے چلا جارہا ہے، خیال کیا کہ کوئی فرشتہ تو نہیں ہے جو مدد کے لئے آگے آگے جارہا ہے۔ مگر احتیاطاً چند بادرفتار سواروں کو حکم دیا کہ اس سوار کا حال دریافت کریں کہ وہ کون ہے؟ جب یہ قریب پہنچے، تو بلند آواز سے پکار کر کہا کہ لئے جوانمرد سوار ذرا توقف کر، یہ سنتے ہی وہ ٹھہر گیا۔ دیکھا تو حضرت خالدؓ کی زوجۂ مکرمہ ہیں۔ دریافت کیا کہ تم کہاں جارہی ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے امیر! جب رات کو میں نے سنا کہ آپ نے نہایت بیتابی سے لوگوں سے فرمایا کہ خالدؓ کو دشمنوں نے گھیر لیا ہے، تو میں نے خیال کیا کہ وہ تو کبھی ناکامیاب نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔ اس کی برکتوں سے وہ ہر ایک مہم کو سر کرتے رہے ہیں۔ آج یہ کیا ہوگیا ہے۔ اسی اضطراب میں گھر کے اندر میں ادھر اُدھر نگاہ ڈالنے لگی، تو اچانک میری نگاہ ان کی اس ٹوپی پر گئی جس میں موئے مبارک سلے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر میرا اندیشہ بہت بڑھ گیا۔ اس لئے میں انتہائی تیزی میں وہ ٹوپی لے کر روانہ ہوئی، تاکہ انہیں پہنچا دوں اور وہ اس کی برکتوں سے ظفریاب ہوں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اچھا جاؤ جہاں تک جلد ممکن ہو پہنچا دو، خدا تمہاری اعانت و حفاظت فرمائے۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بادرفتاری کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

حضرت رافع رضؓ جو کہ خالدؓ کے ساتھ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہماری جب یہ حالت ہوگئی کہ ہم اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے تھے کہ یکبارگی لاالہ الا اللہ اور اللہ اکبر کی آواز سنائی دی۔ خالدؓ حیرت زدہ تھے کہ یہ آواز کدھر سے آرہی ہے۔ اچانک روم کے سواروں پر نظر پڑی کہ بدحواس ہو کر بھاگے چلے آرہے ہیں اور ایک اسپ سوار ان کا پیچھا کئے ہوئے ہے۔ حضرت خالدؓ گھوڑا دوڑا کر اس سوار کے قریب پہنچے اور پوچھا کہ اے جوانمرد سوار تو کون ہے۔ سوار نے جواب دیا کہ میں تمہاری بیوی اُم تمیم ہوں۔ میں تمہاری وہ مبارک ٹوپی لائی ہوں۔ جس کی برکتوں سے تم دشمنوں پر فتحیاب ہوتے ہو، تمہاری ساری مصیبتوں کی یہی وجہ تھی اس مقدس کلاہ کو فراموش کر آئے تھے۔

جب ام تمیمؓ نے وہ مبارک ٹوپی حضرت خالدؓ کے حوالہ کی تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس سے کوندنے والی بجلی کی طرح نور نمایاں ہوا۔ راوی نے قسم کھا کر بیان کیا کہ خالدؓ نے جب وہ ٹوپی پہن کر کفار پر حملہ کیا، تو لشکر کفار کے قدم اکھڑ گئے اور لشکر اسلام کی فتح ہوگئی، یہ تھی موئے مبارک کی برکت، جس پر تاریخ شاہد ہے۔

صحابہ کرام، موئے مبارک میں جو برکت سمجھتے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا چیز ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ مشکل سے مشکل کاموں میں آسانیوں کا پیدا ہوجانا اور رہولناکیوں کے وقت غیبی امداد کا ہونا، فلاح و بہبودی، ظفرو

و کامرانی سے بہرہ مند ہونا اس برکت عظمیٰ کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

علامہ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ نے فرمایا ہے کہ میری تمام فتوحات کا دار و مدار ان ہی مبارک بالوں پر تھا، غرضکہ یہ وہ تبرکات ہیں، جو بڑی جانفشانیوں سے صحابہؓ نے حاصل فرمائے اور ان کی پوری پوری حفاظت کی۔ صحابہ کرام ایسے حضرات نہ تھے کہ فضول کام میں وہ اتنا اہتمام کرتے کہ دینی ضروریات سے بھی زیادہ ہو، کیونکہ ان تبرکات کے حاصل کرنے میں وہ اس قدر جد و جہد کرتے تھے کہ جنگ و جدال تک پہنچنے کی نوبت آجاتی تھی۔ جیسا کہ لفظ حدیث کادوا یقتتلون سے ظاہر ہے بخلاف اس کے کسی دوسرے کام میں یہاں تک نوبت نہیں پہنچتی تھی۔

صحابہ کرام کی یہ والہانہ جد و جہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تھے اور خاموش رہتے تھے۔ کبھی بھی موئے مبارک یا آب وضو وغیرہ سے استبراک کو آپ نے منع نہیں فرمایا، نہ زجر و تنبیہ فرمائی، نہ اظہار ناراضگی فرمایا۔ اس سے واضح ہوا کہ اس اہتمام و اشتیاق کو آپ پسند فرماتے تھے۔ اور آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ تبرکات صحابہ کے لئے دین و دنیا کی صلاح و فلاح اور خیر و برکت کا ذریعہ بنیں اور سلسلہ بسلسلہ آئندہ بھی امت کے روحانی قویٰ کی شگفتگی کا وسیلہ ثابت ہوتے رہے۔ ایسی حالات میں سیفتگان تبرکات کو رد کرنا گویا ان تمام دینی فوائد و منافع سے امت کو محروم کر دینے کے مرادف ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو مناع للخیر کہا گیا ہے، جو توہمات و شبہات کی وادیوں میں سرگرداں رہتے ہیں اور مسلمانوں کو نیکیوں اور بھلائیوں کی راہ پر گامزن ہونے سے باز رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اہل انصاف غور فرمائیں کہ اسلاف ذوی الاحترام کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ کس مصیبت سے انہوں نے ان تبرکات کی نسلاً بعد نسلاً حفاظت کر کے ہم تک پہنچایا ہے۔ مگر افسوس کہ ہم اس کی کما حقہٗ قدر کرنے میں ہی لیت و لعل سے کام لیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ایسا ہی ہے ناقدری ہے جیسا کہ ائمہ محدثین نے ایک ایک حدیث کے حاصل کرنے میں کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں، سفر و حضر کی زحمتوں کو برداشت کر کے احادیث شریفہ جمع کیا اور نہایت صحت اور احتیاط کے ساتھ ہم تک پہنچایا، اب وہ بغیر محنت شاقہ کے ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ لیکن ہم اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ نہ ہم ان کی خدمات دینیہ کے قدرداں ہیں، نہ شکر گذار ہیں، سچ ہے باپ دادا کی کمائی ہوئی دولت کی آدمی کو وہ قدر نہیں ہوا کرتی ہے، جو اپنی کمائی کی ہوتی ہے۔

"تاریخ واقدی میں مرقوم ہے کہ جنگ یرموک میں ایک مرتبہ حضرت خالدؓ اپنی شجاعت و بہادری کا رزمیہ بیان کرتے ہوئے دشمن کے لشکر کی طرف بڑھے، ادھر سے ایک پہلوان نکلا، جس کا نام نسطور تھا، دونوں کا دیر تک مقابلہ ہوتا رہا، اس اثنا میں اچانک حضرت خالدؓ کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور حضرت خالدؓ گھوڑے کے سر پر آگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی ٹوپی زمین پر گر گئی۔ نسطور بے شعور موقع پاکر آپ کی پیٹھ پر آگیا۔ اس حالت میں آپ نے پکار کر اپنے رفقاء سے کہا کہ میری ٹوپی مجھے دو، خدا تم پر رحم فرمائے، یہ آواز سنتے ہی ایک بہادر سپاہی، جو آپ کی قوم بنی مخزوم میں سے تھا، وہ نہایت تیزی سے دوڑ کر آیا اور بڑی حکمت عملی سے وہ ٹوپی حاصل کر کے آپ کے حوالہ کر دی۔ آپ نے اسے زیب سر فرمایا اور احتیاطاً باندھ بھی لیا، تاکہ پھر نہ گرنے پائے

[illegible] پر حملہ کر دیا، مقابلہ سخت ہوا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے اس کا جلد ہی کام تمام کر دیا۔

حضرت خالدؓ کے رفقاء کرام نے اس واقعہ کے بعد پوچھا کہ آپ نے یہ کیسی حرکت کی کہ دشمن قوی پشت پر آپہنچا اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی تھی کہ عین اس نازک حالت کے وقت آپ اپنی ٹوپی کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ جو شاید دو چار ٹکے سے زائد کی نہ ہوگی۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے، وہ ٹوپی کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ بلکہ اس میں محبوب اعظم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک سلے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں سے زیادہ اعلیٰ و ارفع اقدس و اطہر اور غیر فانی دولت ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کی تلاش کرانے میں جان کی بھی پرواہ نہ کی۔

غور فرمایا جائے کہ اس ٹوپی کا خیال معرکۂ کارزار میں اس وقت بھی آپ پر غالب رہا، جبکہ دشمن کے پورے قبضہ میں آچکے ہیں۔ آخر یہ خیال کس غرض سے ہوگا۔ لوگوں کو تعجب بھی ہوا کہ آخر اس ٹوپی کی کیا قیمت ہوگی۔ جس کا ایسے خطرناک موقع پر بھی خیال آیا اور جان جوکھوں میں ڈال کر اس کے حاصل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ چنانچہ آپ نے پہلے ہی اس تعجب کو رفع فرمادیا کہ مادی لحاظ سے تو وہ کوئی چیز نہ تھی۔ لیکن اس میں وہ نعمتِ کبریٰ پوشیدہ تھی، جو دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ارفع و اعلیٰ تھی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اس نازک حالت میں آپ کی توجہ موئے مبارک کی طرف تھی۔ جس کا متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ میری تمام فتوحات و کامرانیوں کا "وسیلۂ عظمیٰ" ہے۔ حضرت خالدؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ جن کی فضیلتیں احادیث صحیحہ میں مروی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "سیف اللہ" کا عظیم ترین خطاب مرحمت فرمایا۔ ان کی یہ حالت ہے کہ ایسے نازک وقت میں بھی جبکہ جانبری کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی، خیال ہے تو موئے مبارک کا کیونکہ ان کے دل میں یہ عقیدت جاگزیں ہو چکی تھی کہ ان مقدس بالوں کی برکتوں سے میری تمام مشکلات حل ہوئیں اور آئندہ بھی وہ مفتح الابواب ثابت ہوں گی اس لئے اس نعمت عظمیٰ کو اپنے پاس رکھنا ضروری ہے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی عظیم قربانیاں دینی پڑیں۔

جلیل القدر صحابہؓ کے عمل سے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ موئے مبارک نہایت واجب التعظیم ہیں، تو ان کے مقابلہ میں منکرین کا یہ کہنا کہ موئے مبارک کی تعظیم و احترام بدعت ہے ہرگز ہرگز قابل اعتنا نہیں ہو سکتا۔ پھر اس پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس کو بت پرستی سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسے حرماں نصیبوں کو سوچنا چاہیئے کہ اس تشبیہہ میں تو موئے مبارک کی سخت توہین ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ چیز کی توہین بھی باعث عذاب و نکبت ہے، کیونکہ اس اذیت سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت لازم و مقصود ہوتی ہے، جو ابدی شقاوت و بدبختی کا موجب ہے قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ یعنی اللہ و رسول کو اذیت دینے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ (باقی آئندہ)

دین اور خیر خواہی

(از مولوی حافظ ادریس احمد امانی۔ دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف)

دین لغوی حیثیت سے چند معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے مذہب، طاعت، احسان وغیرہ اصطلاح میں دین مذہب اسلام کو کہتے ہیں جس کی بنیاد کلمۂ طیبہ کا یقین و اقرار روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج ان ہی پانچ چیزوں پر ہے اور انہیں امور پر اس کا وجود قائم ہے۔

دین کی تعلیم — اللہ تعالیٰ کی بندگی و پرستش کرنا اور باطل و گمراہی سے روگردانی کر کے حق جوئی اور اس کی اتباع کرنا یہی دین کی اصلیت اور غرض ہے۔ علاوہ اس کے آپس کی پھوٹ پھاٹ کو دور کرنا اور جمعیت اور امن وسلامتی کا قائم کرنا بھی دین کا ایک اہم مقصد ہے کیونکہ جمعیت اور امن وسلامتی سے دین کے مقصد اصلی کا قیام صحیح طور پر ہو سکتا ہے اور اس کے تحفظ و بقا کا ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جہاں اسلام عبادات الٰہی، حق جوئی، ضلالت و گمراہی سے روگردانی وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے اور اس کا نفاذ کرتا ہے وہاں میل جول اور امن و سالمیت کا سبق بھی دیتا ہے اور یہ اسلام کا طریقۂ تعلیم آج ہی سے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے اپنے اغراض و مقاصد کو قائم کرنے میں میل و محبت اور اتحاد و سلامتی کو بھی اہم مقصد سمجھتے ہوئے اس کی بھی تعلیم دیتا رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ	مقرر کیا تمہارے لئے اس دین سے جس کی وصیت کیا نوح کو اور وحی کیا ہم نے آپ کی طرف جس کی وصیت کیا ہم نے ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ قائم کرو دین کو اور جدا جدا نہ ہو۔

آیت مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ وہی دین ہے جس کی تعلیم و اشاعت یعنی پھیلانے اور قائم کرنے کا حکم حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ کو دیا گیا تھا اور قرآن مجید انبیاء سابقین کے کتابوں کا خلاصہ ہے اور مقصود سبھوں کا یہی تھا کہ دین الٰہی (یعنی طاعت و فرماں برداری اللہ تعالیٰ) کی اور گمراہی سے بچنے اور حق کی تلاش اور صلح و آشتی کا سبق دیا جائے۔

اب اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں میل جول پیدا کرنا بھی دین کا ایک اہم مقصد ہے۔ اور بغیر اس کے دین کا اصل مقصد نہیں حاصل ہو سکتا ہے۔

لیکن جمعیت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک ایک دوسرے کی خیر خواہی اور صلاح جوئی میں نہیں لگ جائے اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور نگہداشت نہیں کرے۔ گویا کہ حق کی تلاش کرنا اور بندوں کی خیر خواہی کرنا ہی دین ہے۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کی روایت مسلم نے اپنے صحیح میں کی ہے۔

عن تمیم الداری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدین نصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتہم (رواہ مسلم)

حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین خیر خواہی ہے (تمیم داری کہتے ہیں کہ) ہم لوگوں نے عرض کیا کس کے لئے، فرمایا اللہ کے لئے اور اس کی کتاب، اس کے پیغمبر اور مسلمانوں کے امام اور عام مسلمانوں کے لئے۔

حدیث مذکور میں دین کو نصیحت (یعنی "خیر خواہی") کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ چونکہ نصیحت کا لفظ اپنی جامعیت کے لحاظ سے چند امور کو شامل ہوتا ہے اس لئے اس کے انواع کو بھی بیان فرما دیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے پیغمبر اور مسلمانوں کے امام اور مسلمانوں کے آپس کے حقوق کا پورا کرنا ہی مقصد دین ہے اور ہر ایک کے حقوق الگ الگ ہیں۔

اللہ کا حق اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اس کو واحد ذات میں اور منفرد صفات کمال میں جاننا کہ وہ بے مثل ہے، نہ اس کا کوئی شبیہ ہے اور نہ شریک کار اس کے صفات کمال سے کسی صفت میں شک و شبہ نہ کرنا بلکہ جمیع صفات کمالیہ کا جامع اور سزاوار جاننا۔ اور ہر قسم کے نقصانوں اور عیبوں سے اس کی ذات کو منزہ اور پاک و صاف ہونے کا یقین کرنا۔ اس کے تمام حکموں کی تابعداری اور نافرمانیوں سے پرہیز کرنا خوشی ناخوشی دونوں حالت میں اور اس کی بندگی و پرستش میں شریک نہ ٹھہرانا۔ اور نہ ریا سے کرنا بلکہ خلوص کے ساتھ محض اسی کی بندگی کرنا اس کے ماننے والوں سے محبت اور سرکش و نافرمان سے گریز اور عداوت کرنا اور اس کے انعامات کا اعتراف کرنا اور اس پر شکر کرنا۔ یہ تمام اللہ کے حقوق بندوں پر ہیں جس کا پورا کرنا لازمی و ضروری ہے اور ان حقوق الٰہیہ کی خیر خواہی بھی حقیقتاً خود بندہ کی خیر خواہی ہے اور اسی کے مراتب علیا کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات ان چیزوں سے غنی اور بے نیاز ہے۔ بلکہ بندے کی کامیابی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون یعنی وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

کتاب اللہ کا حق اور اس کی خیر خواہی قرآن شریف کو منزل من اللہ یعنی کلام الٰہی ہونے کا یقین

کرنا اور کلام الناس سے تشبیہ نہ دینا (یعنی آدمی کا کلام یا آدمی کے جیسا کلام نہ ٹھہرانا) بلکہ خلق کو ایسے کلام پیش کرنے سے قاصر وعاجز محض جاننا اور اس کی تلاوت کما حقہ کرنا الفاظ کو صحیح طور پر اچھی آواز سے ہو دینا ادا کرنا۔ جو احکام اس میں وارد ہیں اس پر عمل کرنا کرانا وجبراً آیات متشابہ میں نزاع اور خیالی تاویلات سے احتراز کرنا اور توقف کرکے اس کے معنی مرادی پر یقین کامل رکھنا دوسروں کو اس کتاب کی تعلیم دینا وغیرہ تمام حق کتاب ہیں انہیں حقوق کا پورا کرنا کتاب کیلئے نصیحت وخیر خواہی ہے جنکی ادائیگی تمام بندگان خدا پر لازم ہے کوئی استثنا نہیں ہے کسی کے لئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق

رسالت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یقینی (یعنی آپ کو اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر) جاننا، ما جاء بہ (جو کچھ آپ اللہ کی جانب سے لائے اس) کو حق اور منجانب اللہ ہونے کا یقین کرنا۔ آپ کے احکام کی بدل وجان اور مال ومتاع اتباع کرنا اور آپ کی نافرمانی سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ آپ کی تعظیم وتوقیر ظاہر وباطن ہر طرح سے کرنا۔ جان ومال، اہل وعیال سب آپ پر قربان کرنے کو باعث فخر جاننا۔ آپ کے جاں نثاروں سے محبت اور سرکشوں، دشمنوں سے عداوت دائمی رکھنا، آپ کی مدد کو ہر طرح تیار رہنا۔ اشاعت دین میں بہر نوع جہاد وجہاد کرنا۔ آپ کی سنتوں کو زندہ اور ثابت رکھنا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی ہے۔ ان حقوق کو پورا کرنا امت پر لازمی ہے اور یہی نجات اخروی کا ذریعہ ہے اس کے خلاف پر خود قرآن کریم نے بہت سی جگہوں میں وعید فرمایا ہے۔

امام المسلمین کا حق

حق کے اندر ان کی معاونت کرنا اور اتباع بھی حق ہی پر کرنا کیونکہ معصیت الہی میں مخلوق کی بھلائی اور خیر خواہی درست نہیں ہے۔ ان کو کتاب وسنت سے غافل ہو کر عمل کرتے دیکھ کر نرمی اور ملاطفت سے ان کی غفلت کو دور کرنا اور انہیں ہوشیار ومتنبہ کرنا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی ان کی طرف کرکے بیت المال کو تقویت پہنچانا تاکہ امیر آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی فلاح وبہبودگی میں دشواری نہ اٹھا سکے اور اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھرنے سے محفوظ رہے۔ ان کی تعظیم وتکریم کرنا۔ یہ حقوق خلفائے اسلام وان کے نائبین واصحاب ولایت سبھوں کو شامل ہوگا۔ اور ذات پات اور خاندانی جاہ وجلال کا لحاظ کئے بغیر ہر شخص اس کا مستحق ہوگا جو اس منصب پر فائز ہوگا۔ اس لئے کہ اسلام محض خاندانی امتیاز اور شرف ذاتی کا ہمیشہ کے لئے خاتم ہے۔ اسلام میں اسی کو شرف اور بزرگی ہے جو اس کے احکام کا پابند ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم تو یہ شرف التقوا ور پرہیزگاری جس کا شیوہ ہوگا فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیکم السمع والطاعۃ ولو کان عبد احبشیا کے تحت اس کی اتباع حق پر واجب ہوگی۔ اگرچہ وہ حبشی غلام اور بدصورت سے بدصورت ہی کیوں نہ ہو۔

عام مسلمانوں کا حق

:- عوام کی اصلاح ودرستگی کرنا۔ قرآن وحدیث وفقہ وتفسیر کی تعلیم دینا اور نادانستہ چیزوں کا ان کو علم دینا ان کے نفع وضرر کو ملحوظ رکھنا۔ نفع دہ اسباب مہیا کرکے ان کو نفع بہم پہنچانے کی کوشش کرنا اور

اسباب نقصان دہ کو ان سے دفع کرنا اور ضلالت و گمراہی خسارہ اور نقصان سے انہیں محفوظ رکھنا بلکہ ہمہ دم ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا اور آپس کے انتشار کو دور کرتے رہنا اور میل جول اور امن و سلامتی کو قائم رکھنا یہ تمام حقوق عوام رعایائے مسلمین کے ہر شخص کی رعایت امام و پیشوا پر ضروری ہیں ۔

اسی طرح عوام کو خود بھی آپس میں ایک دوسرے کا مصلحت اندیش اور خیر خواہ ہونا ضروری ہے جبکہ مطابق کتاب و سنت اس کو پورا کیا جاسکے۔ کیونکہ عوام خود بھی آپس میں ایک دوسرے کا راعی ہے اور اس کے ماتحت میں چند رعایا ہیں جیسا کہ ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا

کلکم راع و مسئول عن رعیته — تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اپنی رعیت سے سوال کیا جائے گا ۔ (بخاری شریف)

پس امیر ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جس کے ماتحت کچھ لوگ ہیں (جیسے رئیس شہر، شہر کا راعی ہے اور اہل شہر اسکی رعیت۔ مرد اپنے بیوی بچوں کا راعی ہے اسی طرح عورت اپنے شوہر کے گھر کی دیکھ بھال کرنے والی ہے) یا اور کوئی چیز ہو جس کا وہ نگران بنایا گیا ہے اس کی نگرانی بہر صورت اس پر لازم ہے اگر اس نے اس کی نگرانی اور خیر خواہی میں کوتاہی کی تو سخت مواخذہ اس سے ہوگا چنانچہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

من یسترعیه اللہ رعیة یموت یوم یموت وھو غاش لرعیته الا حرم اللہ علیه الجنة — جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی و نگران بنائے اور وہ اس حال میں مر جائے کہ اپنی رعیت کیلئے خائن ہو تو جس وقت مرے گا وہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا ۔

خلاصہ یہ ہے کہ نگران اگر اس رعیت ماتحت کی خیر خواہی اور اصلاح نہ کرے تو وہ مستحق عذاب ہوگا۔ کیونکہ دین کا اصل مقصد خیر خواہی یعنی حقوق متعلقہ کا پورا کرنا ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ایک ساتھ جمع ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق مقدم ہوں گے اور بندوں کے حق مؤخر رہا اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق دونوں موافق ہوں گے۔ اور اگر دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو اللہ کے حقوق کے مقابلے میں بندوں کے جو حق مخالف ہیں وہ متروک ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے بندوں کی خیر خواہی نہیں کی جاسکتی اسی طرح امر دینی و دنیاوی دونوں جمع ہوں تو امر دینی مقدم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو توفیق عمل اپنے حبیب کے صدقہ میں عطا فرمائے آمین وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا محمد وآله واصحابه وبارك وسلم اجمعین ۔

اقبال کی نظم "ذوق و شوق" تاثرات کے آئینہ میں

(جناب علی حیدر صاحب لکھنیا ۔ مونگیر)

"ذوق وشوق" اقبال کی ان لازوال نظموں میں ہے جس کو علامہ نے فرزندان اسلام کے سامنے ارمغان سفر فلسطین کے طور پر پیش کیا ہے جیسے کبھی سعدی نے بوستاں کو جوان کی سیاحانہ کارگزاریوں کی مظہر تھی ۔ وطن پہنچنے پر دوستوں کو تحفہ کے طور پر دی تھی ؎

دریغ آمدم زاں ہمہ بوستاں
تہی دست رفتن سوئے دوستاں

اس نظم میں اقبال نے کائنات کی عالمگیری اور واحد صداقت خدا اور اس کی معرفت کی اہمیت وعظمت بتلائی ہے ساتھ اس بات پر زور صرف کیا ہے کہ عشق الٰہی تغیر کائنات کا ایک ہی ذریعہ ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا کی قیادت وسیادت بھی بغیر عشق کے ناممکن ہے ۔ عشق انسان کے اندر ایسا جادو جگا دیتا ہے جس کے طفیل اس سے ایسے ایسے کارنامے ظاہر ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر عقل انسانی ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتی ہے ۔ عشق کی چنگاریوں سے جب تک ملت کے قلوب گرم رہے انہوں نے ہر امکانی ترقیات کی حدود دوں کو پیچھے چھوڑ دیا ۔ عشق نے حقیر ذروں کو آفتاب کا ہمسر بنا دیا معمولی سے معمولی انسان شوکت وحشمت کے معراج کمال پر پہنچے سنجر اور سلیم کا شاہانہ دبدبہ ہو یا جنید کی درویشانہ بے نیازی ہو ۔ یہ سب عشق کی کرشمہ سازیاں ہیں ۔ ابراہیم خلیل اللہ کا سبق آموز کارنامۂ حیات اور امام شہید کا بے نظیر صبر واستقلال یا بدر وحنین کی خون آشام جنگوں میں مسلمانوں کا بے خوفی سے داد شجاعت دینا محبت الٰہی کا ہی رہین منت ہے ۔

اقبال یہاں بھی اپنے مذاق کے مطابق عقل وعشق کا موازنہ کرتا ہے اس کی نگاہ میں عقل کو حجاب اور جستجو کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے عقل پوری طرح جستجو اور تلاش میں سرگرداں رہتی ہے لیکن حسن ازل کا پتہ نہیں پا سکتی علم بھی فقیر کی اس جھولی کی مانند ہے جس میں دوسروں کو دینے کے لئے کچھ نہ ہو یا کھجور کے سوکھے ہوئے درخت کی طرح جہاں راہگیر کے لئے راحت واطمینان کا کوئی سامان نہیں ۔ البتہ دل جب عشق کا دامن تھام لیتے ہیں تو انہیں گوہر مقصود ہاتھ آجاتا ہے ۔ عشق سراسر حضور اضطراب ہے ۔ عشق کے بغیر قیام و قعود اور رکوع وسجود سب دھوکا ہیں ۔ عشق سے خالی لوگ صرف اپنی فکر اور تصورات کے گرد گھومتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے

عرفان سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی زندگیاں بے کیف ہوتی ہیں جو کبھی مثالی نہیں بن پاتیں۔ شاعر کے نزدیک عشق کا اعلیٰ مقام ہجر و فراق ہے جو ہمیشہ عاشق کو تڑپاتا رہتا ہے اور اس کے سوز و تڑپ میں کبھی کمی نہیں آنے دیتا۔ وصال میں تو آرزو مرجاتی ہے۔

یہ نظم کئی حیثیتوں سے بہت اہم ہے :-

اول یہ کہ اقبال اس نظم میں بالکل بے نقاب ہوکر سامنے آگیا ہے اور اس نے اپنے دل کے سارے پھپھولے پھوڑ ڈالے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنے حسین ماضی کی اس نے اتنی بہتر تصویر کشی کی ہے کہ اسے حال بنادیا ہے۔ ماضی محسوسات کی مٹھیوں میں آگیا ہے۔ فلسطین کے مناظر کا نقشہ کھینچنے کے بعد جب وہ اس شعر پر پہنچا ہے کہ ؎

آگ بجھی ہوئی اِدھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا جانے اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

تو مسلمانوں کا شاندار ماضی آنکھوں میں کھچ کے رہ جاتا ہے اور ان کے سارے نشانات قدم جا بجا دکھائی دینے لگتے ہیں۔ نظم انتہا درجہ کی تاثراتی ہے۔ شاعر کا ماضی سے تعلق بہت گہرا ہے ــــ فطری مناظر کی عکاسی نے حسین ماضی کے حسن کو دوبالا کردیا ہے ؎

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں

دوم یہ کہ یہ نظم اقبال کی شخصیت کو اس حیثیت سے بھی دلآویز بنا کر پیش کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے ہمیشہ مضطرب اور پریشان رہا۔ اس کو یہ فکر ہمیشہ گھلاتی رہی کہ اسلامیوں نے اپنا نصب العین بھلا دیا ہے اور اسی لئے وہ ہر صورت ذلیل و خوار ہوکر رہ گئے ہیں۔ کاش وہ اپنے صحیح موقف پر پہنچ جائیں اور ہر دو جہاں میں سرخروئی حاصل کرلیں۔ اس شعر میں اس نے اپنے کرب کا اظہار کیا ہے ؎

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اقبال جس اعلیٰ مقام پر فائز تھا مسلمان اس سے فروتر تھے اس کا اور اہل اسلام کا فکری تقابل نہ تھا۔

سوم یہ کہ اس کو پورا عالم ماسوا کا پرستار نظر آتا ہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم سب کے سب غیر خدا کے پجاری ہیں۔ اس کے دل میں ایک ہوک اٹھتی ہے اور یہ تمنا کروٹ لیتی ہے کہ کاش کوئی غزنوی اٹھتا اور اہل دنیا کی خواہشات کے بتوں کو توڑ ڈالتا اور ان کو اوہام و روایات کے اصنام سے چھٹکارا دلادیتا۔ آج بھی دجلہ و فرات کی وادی کسی حسین کی منتظر ہے۔ کیونکہ وادی میں طاغوت نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں جب اسے ایسی ہوتی ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے ؎

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں — گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

چہارم یہ کہ یہ نظم ایک ایسا آئینہ ہے جس میں مسلمانوں کے اس طبقے کے پورے خد و خال نظر آتے ہیں جس نے امامت و رہبری اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے وہ خود راہیاب نہیں تو اوروں کی کیا راہنمائی فرمائیں گے۔ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

جلوتیان مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق
خلوتیان میکدہ کم طلب و تہی کدو

واضح رہے کہ یہ قائدین کرام چاہے وہ درسگاہوں کے مدرسین ہوں یا پیران خانقاہ ہوں لذتِ اشتیاق سے ناآشنا ہیں جو ان کی موت کی علامت ہے۔

پنجم یہ کہ اقبال کو اپنی شاعری اور ابلاغ کے کارآمد ہونے کا یقین ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری شاعری اصل میں پیغام ہدایت ہے اور کھوئی ہوئی حقیقت کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔ اپنی شاعری کو وہ مسلمانوں کے لئے داروئے حیات سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر اقبال کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے کلام کو دیکھو اور اس سے راستہ حاصل کرو۔

میں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
بادِ صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس — میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو
خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

ششم یہ کہ اقبال عاشق صادق تھا۔ خالق گیتی سے ایسے نسبت کامل حاصل تھی۔ اور یہ دولت ایسے اخلاص نیت کے صدقے حاصل ہوئی۔ اس کی زندگی ہمیشہ ریا و نمائش سے پاک رہی۔ یہ بات اس کے کلام سے ہر جگہ عیاں ہے۔ لیکن اس نظم سے بدرجۂ اولیٰ مترشح ہے۔ اس کی نگاہ میں ابن آدم کا اصل گوہر مقصود خدا ہے۔ قرآن خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔ پوری زندگی رائیگاں گزری۔ تجلیات ربانی کا پرتو جس پر بھی پڑا وہی بامراد ہوا خواہ وہ عقل و استدلال کا بندہ ہو یا مشاہدات کا طالب سالک راہ۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

ہفتم یہ کہ اس کارگاہ حیات میں بھٹکنے کے ہزار راستے ہیں۔ دام تزویر قدم قدم پر بچھے ہوئے ہیں۔ ہر شخص بزعم خود اپنی روش کو راہ حق سمجھتا ہے بعض کہتے ہیں کہ کسی بھی راستے پر چل کر تم خدا تک پہنچ سکتے ہو۔ سارے مذاہب حق ہیں اور خدا تک

پہونچنے کے ذرائع ہیں۔ انہوں نے وحدت ادیان کا فلسفہ گڑھ رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

ندیا ایک گھاٹ بہتیرے   کہت کبیرا من کے پھیرے

لیکن اقبال کہتا ہے کہ ایک ہی راستہ حق ہے باقی راستے باطل ہیں۔ بلبل شیراز کبھی چہکا تھا ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

اور اقبال کہتا ہے

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا   عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب

یہ بھی محبت الٰہی ہے کہ ہم مضبوطی کے ساتھ فرستادۂ رب کے فرمان پر عمل پیرا ہو جائیں اور اس کی کامل اتباع کریں۔ ارشاد ربانی ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی اے محمد تم اہل ایمان کے گوش گذار کر دو کہ اگر تم اللہ جل شانہ سے محبت رکھتے ہو تو میری کامل پیروی کرو اللہ تم کو محبوب بنا لے گا۔ عقل کا نام بنا ہوا بولہب ہے پیروکار ہیں جن کے لئے بدنصیبی و خسران کے سوا کچھ نہیں پڑتا۔ اقبال نے ایک جگہ اور کہا ہے۔

مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

ہشتم یہ کہ عشق کا منتہائے کمال یہ ہے کہ محبوب کے فراق میں جلا جائے اور جلتا رہا جائے۔ جدائی سے عشق کی آگ اور تیز ہوتی ہے جو عاشق کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ عاشق کو ہجر میں عیش دوام کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ یہ دنیا عاشق صادق کے لئے ہجر کی گھڑی ہے۔ دیدار خداوندی اسے مقرب کے بعد حاصل ہوگا۔ اتنا بیش قیمت وقت ایسے بیکار باتوں میں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ کوشش اس بات کی ہو کہ فراق اس کی گرمی آرزو کو اور بڑھائے۔ گویا اقبال کے یہاں فراق عشق کی انتہائی کیفیت کا نام ہے جو زندگی کی دلیل اور اس کی اثبات ہے کہ ؎

گرمی آرزو فراق شورش ہاؤ ہو فراق   موج کی جستجو فراق قطرہ کی آبرو فراق

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں التجا کی تھی اللھم انی اسئلک حبک احب الی من نفسی واھلی ومن الماء البارد۔ اے اللہ میں تجھ سے اس بات کا سوالی ہوں کہ تو میرے دل میں اپنی محبت اتنی ... میں اپنی جان سے زیادہ تجھ سے محبت رکھوں اور اپنی اولاد سے زیادہ تجھے عزیز رکھوں اور عین پیاس کی حالت میں پانی کا جتنا اشتیاق ہوتا ہے اس سے زیادہ تیری طلب کا شوق میرے اندر پیدا ہو جائے اور یہی میرا طبعی ذوق بن کر رہ جائے۔ اقبال کی نظم "ذوق و شوق" اس دعا کی شعری تفسیر ہے۔

شہنشاہوں کی اُردو شاعری

(از جناب ش۔ م۔ عارف ماہر آروی)

(۲)

غازی الدین حیدر اُردو شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ مگر ان کا کلام جو زیادہ تر منقبت اور مرثیہ کی صورت میں ہے۔ مؤلف تاریخ ادب اردو (رام بابو سکسینہ) نے اسپرنگر کے حوالے سے لکھا ہے کہ "ان کے اشعار اس درجہ خراب ہیں، کہ واقعیً بادشاہ کا کلام معلوم ہوتے ہیں۔" مصنف بہارِ سخن (عبدالشکور شیدا) نے ان کی بیگم کا نام گنا بیگم بتایا ہے، جو شوخ تخلص فرماتی تھیں۔ یہ علی نقی خاں کی دختر تھیں اور سودا، میر محمد سوز اور میر قمرالدین منت (متوفی ۱۲۰۶ھ) سے سلسلۂ تلمذ تھا۔ لکھنؤ میں بقول ڈاکٹر ابواللیث صدیقی انہیں نے باقاعدہ امام العصر کی چھٹی کی رسم شروع کی۔ شوخ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ نیم بسمل نہ چھوڑ جانا تھا — زخم ایک اور بھی لگانا تھا

؎ ابر چھایا ہے مینہ برستا ہے — جلد آجا کہ جی ترستا ہے

؎ لے اڑی طرز فغاں بلبلِ نالاں ہم سے — گُل نے سیکھی ہے روش چاکِ گریباں ہم سے

نواب غازی الدین حیدر کے بعد ان کے لڑکے نواب نصیرالدین حیدر شاہ بادشاہ ہوئے اور ۱۸۲۷ء (۱۲۴۳ھ) سے ۱۸۳۷ء (۱۲۵۲ھ) تک تخت سلطنت پر متمکن رہے۔ معرکۂ انیس و دبیر کا آغاز انہیں کے عہد میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ فخرالدین حسین سخن آروی کی "سروشِ سخن" مطبوعہ ۱۲۷۶ھ کے جواب میں نواب نصیرالدین حیدر کے حکم سے مرزا رجب علی بیگ سرور (۱۷۸۶-۱۸۶۷ء) جلاوطن ہوئے اور کانپور چلے گئے، جہاں انہوں نے "فسانۂ عجائب" لکھا۔ نواب نصیرالدین حیدر مثل اپنے پدر بزرگوار کے آٹھ معصومینؑ کی شان میں اکثر اشعار کہا کرتے تھے اور بادشاہ تخلص فرماتے تھے۔ ان کی ایک غزل ملاحظہ ہو:۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے — کہ ساقی لئے ساغرِ مشکبو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری — جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
بتاؤں کیا میں اپنا حالِ پریشاں — عیاں زلف کے بار سے منہ بمو ہے
جو تیشہ فرہاد پہ ناخن کو — مگر آبِ شیریں سے لازم وضو ہے
شفق بن کے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر — یہ کس کشتۂ بے گنہ کا لہو ہے
گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا — نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

رہے سایۂ پنجتن بادشہ پر
خداوندِ عالم نگہبان تو ہے

نواب نصیر الدین حیدر کے بعد ان کے حقیقی چچا محمد علی شاہ نے ۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۲ء تک حکمراں رہے۔ پھر ان کے بیٹے امجد علی شاہ نے ۱۸۴۲ء سے ۱۸۴۷ء تک حکومت کی اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ سلطانِ عالم نواب واجد علی شاہ بیس سال کی عمر میں ۱۸۴۷ء - ۱۲۶۳ھ میں سربرآئے سلطنت ہوئے۔ واجد علی شاہ کو فنِ تعمیر سے بڑا شوق تھا۔ تختِ نشیں ہوتے ہی تعمیرِ قیصر باغ کرانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ دو کروڑ روپیہ اس عمارت میں صرف ہوا۔ فنی حیثیت سے موسیقی اور شاعری سے انہیں والہانہ عشق تھا۔ موسیقی پر ایک مثنوی دلہن لکھی۔ ۱۸۵۶ء کو انہیں انگریزوں نے بمصلحتِ ملکی معزول کر کے کلکتہ کے فورٹ ولیم میں نظربند کر دیا۔ جہاں تقریباً ڈیڑھ دو سال نظربند رہ کر مارچ ۱۸۵۹ء میں مٹیا برج کلکتہ میں بارہ لاکھ سالانہ وظیفہ دے کر منتقل کر دیا۔ واجد علی شاہ اردو اور ٹھیٹھ ہندی کے شاعر بھی تھے۔ اردو میں اختر اور ہندی میں جان عالم تخلص کرتے تھے۔ اردو میں ... اسیر تلمیذ مصحفی (متوفی ۱۸۸۱ء) اور نواب فتح الدولہ محمد رضا برق شاگرد ناسخ (متوفی ۱۸۵۷ء - ۱۲۷۳ھ کلکتہ) سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ واجد علی شاہ کی ٹھمریاں آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ "حزنِ اختری" مثنوی ... کے بعد لکھنؤ سے کلکتہ تک کے سفر پر لکھی اور "مثنوی وداعِ لکھنؤ" فورٹ ولیم میں اپنی نظربندی پر تحریر کی۔ کلکتہ ہی میں ... میں اس دارِ فانی سے رحلت کی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:-

؎ برائے سیر مجھ سا رند میخانہ میں گر آئے — میں ساقی گرے ساغر لنڈھے شیشہ ...

؎ در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں — خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

؎ سُن رکھو اسے دل کا لگانا نہیں اچھا — دنیا یہ بُری ہے یہ زمانہ نہیں اچھا

ؔ ہنگامہ ہے جان دیتے ہیں ہم　　　تم بھی تو برائے سیر آؤ

ؔ وسعتِ خار سے بڑھ کر ہے کہیں حبِ وطن　　　تنگیٔ گور سے بدتر ہے فضائے غربت

ؔ چمن سے پھینک دیا مرا آشیاں کیا خوب　　　نہال مجھ کو کیا آ کے باغباں کیا خوب

اب ایک غزل ملاحظہ ہو: ؔ

ابر دکا کوئی مجھ پہ اب دار نہ ٹھہرے گا　　　وہ ترک بھی عاری ہے زنہار نہ ٹھہرے گا
بڈھی یہ دل مجنوں گیسوے پریشاں ہے　　　یاروں میں جو الجھے گا زنہار نہ ٹھہرے گا
مجھ کو بھی دکھا دینا آج اپنا رخِ رنگیں　　　فردائے قیامت پر دیدار نہ ٹھہرے گا
آنکھوں میں دم آلگا ہے اک دم میں رواں ہوگا　　　اس نرگسِ شہلا کا بیمار نہ ٹھہرے گا
ٹوٹے یوسفیوں کا اب اختر یہی سانے میں دو ہے　　　دوکان اٹھا ڈالو بازار نہ ٹھہرے گا

ایک اور غزل چھوٹی بحر میں ملاحظہ ہو:

ؔ محبت کا بندہ بنا لیجئے گا　　　مرا دل ہے نامِ خدا لیجئے گا
دل و جاں کلیجہ بدن سر ہے حاضر　　　بتا دیجئے ہم سے کیا لیجئے گا
مری ٹکٹکی دیکھ کر یار بولا　　　نگاہوں میں کیا مجھ کو کھا لیجئے گا
مجھے کیجئے قتل ہے سرخروئی　　　ارے خوں سے مہندی لگا لیجئے گا
بڑھے بزم اغیار میں قدر عاشق　　　جو اٹھوں تو مجھ کو بٹھا لیجئے گا
خفا ہو جیئے اپنے اختر پہ صاحب　　　یہ دل دیجئے اور کیا لیجئے گا

اور اب ایک ایسی غزل ملاحظہ کیجئے۔ جس کے تمام اشعار مطلع ہی مطلع ہیں:

ؔ چاک چاک اپنا گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا　　　وحشت دل کا جو ساماں نہ ہوا تھا سو ہوا
یا خدا دیر میں ساماں نہ ہوا تھا سو ہوا　　　کافر عشق مسلماں نہ ہوا تھا سو ہوا
رخِ انور سے میں حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا　　　کبھی ایسے زلف پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا
ظلم و جور لے شب ہجراں نہ ہوا تھا سو ہوا　　　خانۂ گور میں مہماں نہ ہوا تھا سو ہوا
چشم انصاف سے طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا　　　دل اختر چمنستاں نہ ہوا تھا سو ہوا

نواب واجد علی شاہ خود تو باکمال شاعر تھے ہی ان کی اکثر بیگمات بھی اچھی خاصی شاعرہ تھیں۔ یہاں

چند بیگمات کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔

بیگم نواب بادشاہ محل کا تخلص عالم تھا۔ ان کا سلسلۂ تلمذ مظفر علی اسیر تلمیذ جناب شاگرد آتش سے تھا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو: ؎

مجھ سے آزردہ مرا یار ہے آج | صبر کیسا کیسے قرار ہے آج
کل تو ملنس ہنس کے کرتے تھے کلام | باتیں کرنے میں مجھ سے عار ہے آج
ساقیا، کس کا جام عشق پیا | چشم بد دور کیا خمار ہے آج
نہیں ثابت کہ کیا ہوا دل کو | مثل سیماب بیقرار ہے آج
جلد آ، اے عزیز مصر جمال | تیرا عالم کو انتظار ہے آج

عالم کی ایک مثنوی بھی ہے جس کی ایک جلد مہاراجہ کالج آرہ کے شعبۂ اردو کے پروفیسر امام کے پاس اب تک موجود ہے جس کا تفصیلی جائزہ ناہم اپنے مضمون "مثنوی اور اردو ادب" میں لے چکے ہیں۔

نواب محبوب محل بھی شاعرہ تھیں اور یہ بھی مظفر علی اسیر سے اصلاح سخن لیا کرتی تھیں۔ ان کا ایک شعر "بیاض سخن" میں یوں درج ہوا ہے: ؎

جو آنا ہو تجھے مدنظر تو آ ظالم | نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں دم

کچھ بیگمات کے منظوم خطوط بھی اس راز کا انکشاف کرتے ہیں کہ ان کو شاعری سے اچھا خاصا لگاؤ تھا اور وہ شاعرہ تھیں۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ احمد مرزا صابر (متوفی ۱۳۱۱ھ) جو میر انیس کے داماد تھے ان منظوم خطوط کے جوابات قلم بند کیا کرتے تھے جو بادشاہ اپنی محبوب بیوی کے پاس بھیجتے تھے۔ ذیل میں نواب رشیدا بیگم کا ایک منظوم خط کے چند اشعار جو "مخزن اسرار سلطانی" (قلمی صفحہ ۱۴۷ - ۱۴۶) آصفیہ حیدرآباد دکن سے ماخوذ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔ ؎

؎ بہار آئی کہاں تو ساقیا ہے | تصور ہر گھڑی مجھکو ترا ہے
زمرد ہو گئی ساری زمیں ہے | ہر ایک سو باغ میں سبزہ کھلا ہے
وہ پانی نہر میں ہے صاف جاری | کہ جس پر دل مرا لہرا رہا ہے
ملاروں کی کہیں آتی ہے آواز | کسی جا شاخ میں جھولا پڑا ہے
وہ جوبن اب ہمارا ہے کہ ہر دم | پری بھی، حور بھی، ہوتی فدا ہے
مسی ہونٹوں پہ اور آنکھوں میں سرمہ | رچی ہاتھوں میں، پاؤں میں حنا ہے
طلائی ہے پڑا موباف سر میں | چُنی ماتھے پہ افشاں خوشنما ہے

گلابی پائجامہ، سرخ کُرتی ڈوپٹہ کاج کا دھانی رنگا ہے
ملا ہے عطر مجموعہ کا ایسا کہ سارا مثلِ عنبر گھر بسا ہے
ولیکن سب تمہارے جانِ عالم مرا اندر سے دل گھبرا رہا ہے
یہ سادن سب یونہی جاتا ہے خالی جو ایسے میں تم آؤ تو مزا ہے
میں شیدا جان و دل سے ہوں تمہاری
تمہیں میری نہیں پروا ذرا ہے

اب حور بیگم کے خط کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ یہ بھی "مخزن اسرار سلطانی" (قلمی صفحہ ۷) سے ہی ماخوذ ہیں

سہ
لے جان جاں بصورتِ جاں اختیار کیا تم آؤ یا نہ آؤ ہمیں اختیار کیا
بے اپنے گل کے سیر گلستاں خراب ہے کیفیتیں دکھائے گی فصلِ بہار کیا
برہم ہوئے ہیں گیسوئے برہم کی یاد سے اب پوچھتے ہو تم سبب انتشار کیا
گیسو کی آرزو، کبھی عارض کا اشتیاق دیکھیں دکھائے گردشِ لیل و نہار کیا
ممکن نہیں، جو کوچۂ جاناں میں رہ سکے میرے غبار سے ہے صبا کو غبار کیا
لو آؤ ایک دم مرے پہلو میں سو رہو گر اپنا جانتے ہو تم لے جان عار کیا

....

لاکھوں حسیں ہیں صورتِ جاناں کے شیفتہ ہم کس قطار میں ہیں ہمارا شمار کیا
کب ہے یقیں کہ زینت آغوش ہو حصول
اے حور ان کے دل پہ ہمیں اختیار کیا

صاحبزادوں میں نواب ولیعہد بہادر مرزا حامد علی کوکب اور نواب برجیس تخلص کرتے تھے۔ مرزا حامد علی کوکب ولیعہد کے خسر میر سادات حسین خاں عرف آغا جو بھی شاعر تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد اودھ کے مصیبت زدہ قافلے کے ساتھ یہ بھی کلکتہ چلے گئے اور مٹیا برج میں ولیعہد کے ہمراہ تھے۔ اتفاق سے ولیعہد کا عین جوانی میں انتقال ہوگیا جس سے ان کو سخت صدمہ ہوا، جو کلام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو ایک غزل کے چند اشعار جسے رام بابو سکسینہ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ سہ

جہاں میں حسن پرستوں کی جان لینے کو نکھر نکھر کے نکلتے ہیں خوب رو کیا کیا
ٹپک ٹپک کے کہیں گل بنا کہیں لالہ چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا
زباں جو ان کی سرِ نشہ میں بہکتی ہے مزے مزے کی وہ کرتے ہیں گفتگو کیا کیا

بیگمات کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔

بیگم نواب بادشاہ محل کا تخلص عالم تھا۔ ان کا سلسلۂ تلمذ مظفر علی اسیر تلمیذ جناب شاگرد آتش سے تھا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

مجھ سے آزردہ مرا یار ہے آج — صبر کیسا کسے قرار ہے آج
کل تو ہنس ہنس کے کرتے تھے کلام — باتیں کرنے میں مجھ سے عار ہے آج
ساقیا، کس کا جام عشق پیا — چشم بد دور کیا خمار ہے آج
نہیں ثابت کہ کیا ہوا دل کو — مثل سیماب بیقرار ہے آج
جلد آ، اے عزیز مصر جمال — تیرا عالم کو انتظار ہے آج

عالم کی ایک مثنوی بھی ہے جس کی ایک جلد مہاراجہ کالج آرہ کے شعبۂ اردو کے پروفیسر امام کے پاس اب تک موجود ہے جس کا تفصیلی جائزہ ہم اپنے مضمون "مثنوی اور اردو ادب" میں لے چکے ہیں۔

نواب محبوب محل بھی شاعرہ تھیں اور یہ بھی مظفر علی اسیر سے اصلاح سخن لیا کرتی تھیں۔ ان کا ایک شعر "بیاض سخن" میں یوں درج ہوا ہے:

جو آنا ہو تجھے مدلقا تو آ ظالم — نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں روح

کچھ بیگمات کے منظوم خطوط بھی اس راز کا انکشاف کرتے ہیں کہ ان کو شاعری سے اچھا خاصا لگاؤ تھا اور وہ شاعرہ تھیں۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ احمد مرزا صابر (متوفی ۱۳۱۱ھ) جو میر انیس کے داماد تھے ان منظوم خطوط کے جوابات قلم بند کیا کرتے تھے جو بادشاہ اپنی محبوب بیوی کے پاس بھیجتے تھے۔ ذیل میں نواب شیدا بیگم کے ایک منظوم خط کے چند اشعار جو "مخزن اسرار سلطانی (قلمی صفحہ ۱۴۷-۱۴۶) آصفیہ حیدر آباد دکن سے ماخوذ ہیں - ملاحظہ ہوں۔

بہار آئی کہاں تو ساقیا ہے — تصور ہر گھڑی مجھکو ترا ہے
زمرد ہو گئی ساری زمیں ہے — ہر ایک سو باغ میں سبزہ کھلا ہے
وہ پانی نہر میں ہے صاف جاری — کہ جس پر دل مرا لہرا رہا ہے
ملاروں کی کہیں آتی ہے آواز — کسی جا شاخ میں جھولا پڑا ہے
وہ جوبن اب ہمارا ہے کہ ہر دم — پری بھی، حور بھی، ہوتی فدا ہے
مسی ہونٹوں پہ اور آنکھوں میں سرمہ — رچی ہاتھوں میں، پاؤں میں حنا ہے
طلائی ہے پڑا موباف سر میں — چھنی ماتھے پہ افشاں خوشنما ہے

گلابی پائجامہ، سرخ کُرتی ۔۔۔ ڈوپٹہ کاج کا دھانی رنگا ہے
لگا ہے عطر مجموعہ کا ایسا ۔۔۔ کہ سارا مثل عنبر گھر بسا ہے
ولیکن بے تمہارے جانِ عالم ۔۔۔ مرا اندر سے دل گھبرا رہا ہے
یہ ساون سب یونہی جاتا ہے خالی ۔۔۔ جو ایسے میں تم آؤ تو مزا ہے
میں شیدا جان و دل سے ہوں تمہاری
تمہیں میری نہیں پروا ذرا ہے

اب حورؔ بیگم کے خط کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ یہ بھی "مخزن اسرار سلطانی" (قلمی صفحہ ۷) سے ہی ماخوذ ہیں

اے جان جاں بصورتِ جاں اعتبار کیا ۔۔۔ تم آؤ یا نہ آؤ ہمیں اختیار کیا
بے اپنے گل کے سیر گلستاں خراب ہے ۔۔۔ کیفیتیں دکھائے گی فصل بہار کیا
برہم ہوئے ہیں گیسوئے برہم کی یاد سے ۔۔۔ اب پوچھتے ہو تم سبب انتشار کیا
گیسو کی آرزو، کبھی عارض کا اشتیاق ۔۔۔ دیکھیں دکھائے گردشِ لیل و نہار کیا
ممکن نہیں، جو کوچۂ جاناں میں رہ سکے ۔۔۔ میرے غبار سے ہے صبا کو غبار کیا
لو آؤ ایک دم مرے پہلو میں سو رہو ۔۔۔ گر اپنا جانتے ہو تم اے جان عار کیا

... ...

لاکھوں حسیں ہیں صورتِ جاناں کے شیفتہ ۔۔۔ ہم کس قطار میں ہیں، ہمارا شمار کیا
کب ہے یقیں کہ زینت آغوش ہو حصول
اے حورؔ ان کے دل پہ ہمیں اختیار کیا

صاحبزادوں میں نواب ولیعہد بہادر مرزا حامد علی کوکبؔ اور نواب برجیسؔ تخلص کرتے تھے۔ مرزا حامد علی کوکب ولیعہد کے خسر میر سادات حسین خاں عرف آغا جو بھی شاعر تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد اودھ کے مصیبت زدہ قافلے کے ساتھ یہ بھی کلکتہ چلے گئے اور مٹیا برج میں ولیعہد کے ہمراہ تھے۔ اتفاق سے ولیعہد کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا۔ جس سے ان کو سخت صدمہ ہوا، جو کلام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو ایک غزل کے چند اشعار جسے رام بابو سکسینہ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

جہاں میں حسن پرستوں کی جان لینے کو ۔۔۔ نکھر نکھر کے نکلتے ہیں خوب رو کیا کیا
ٹپک ٹپک کے کہیں گل بنا، کہیں لالہ ۔۔۔ چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا
زباں جو ان کی ترِ نشہ میں بہکتی ہے ۔۔۔ مزے مزے کی وہ کرتے ہیں گفتگو کیا کیا

دو تین منفرد اشعار ملاحظہ ہوں :-

پھڑک کے جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا قفس سے اور نکلنے کی راہ کیا کرتا

شاخ گل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

رنا کے دعوتی جو بیٹھا ہوں مانگ پر اس کی اسی لکیر کا مجھکو فقیر ہونا تھا

شعر و شاعری کے اس چرچا کی خبر و زیر زادیوں کی بھی لگ چکی تھی ۔ چنانچہ نواب معتمد الدولہ وزیر اودھ کی ظریف الطبع دختر سلطان بیگم بھی شعر کہتی تھیں اور سلطان تخلص کرتی تھیں ۔ ایک شعر نمونۃً ملاحظہ ہو :

تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کہہ کے ہائے دل

انگریزوں نے لکھنؤ کی اس ادبی زمزمہ سنجی کو ایسا ویران کیا کہ غدر کے بعد فرخ آباد، بنارس، سندیلہ، الور، پٹیالہ، منگرول، شاہجہاں پور، ٹونک، رام پور، عظیم آباد، حیدرآباد، مانڈوہ اور مرشد آباد وغیرہ میں لے پناہ لیتے ہی بنی ۔

فرخ آباد کے نواب مہربان خاں رند، شاگرد سودا اور سوز شعر و شاعری کے بڑے دلدادہ تھے ۔ اسی طرح بنارس میں غدر کے بعد مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ بھی شاعری کے بڑے مداح تھے ۔ سندیلہ کے رئیس امجد علی خاں بھی شاعری کے کچھ کم شائق نہ تھے ۔ مہاراجہ الور اور پٹیالہ نے بھی خوب خوب ادب نوازی کا ثبوت بہم کیا ۔ رئیس منگرول نواب حسین میاں صاحب اور رؤسائے شاہجہاں پور میں اکثر شاعری کے دلدادہ گذرے ہیں ۔ شاہ جہاں بیگم صاحبہ والی بھوپال شیریں تخلص فرماتی تھیں ۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے :

فرقت میں تری ساتھ دیا اپنا اسی نے کام آیا بہت یہ دلِ ناکام ہمارا

نواب شاہجہاں بیگم نے اپنا عقد ثانی نواب صدیق حسین خاں صاحب سے کر لیا تھا، جو مفتی آزردہ کے شاگرد تھے اور اردو میں توفیق تخلص فرماتے تھے ۔ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے والد نواب جہانگیر محمد خاں بھی خوب شعر کہتے تھے اور دولت تخلص کرتے تھے ۔ نواب شاہجہاں بیگم کی بیٹی نواب سلطان جہاں بیگم اہلیہ نواب حمید اللہ خاں بہادر بھی متعدد کتابوں کی مصنفہ ہیں ۔

والی ٹونک نواب محمد علی خاں ۱۸۶۶ء میں معزول ہوئے اور ان کی جگہ پر ان کے بیٹے نواب محمد ابراہیم علی خاں خلیل مسند آرا ہوئے خلیل پہلے تو بسمل خیر آبادی، تلمیذ امیر مینائی کو اپنا کلام دکھاتے رہے ۔ پھر مضطر خیر آبادی کے شاگرد ہوئے ۔ جناب خلیل کے صاحبزادے بھی شاعر ہوئے ۔

عظیم آباد:- مہاراجہ شتاب رائے جو اس زمانے میں بنگال کے حاکم اعلیٰ تھے۔ خود بھی شاعر تھے۔ ان کے بیٹے مہاراجہ کلیان سنگھ بقول رام بابو سکسینہ راجہ تخلص کرتے تھے اور میر ضیاء الدین ضیا معاصر سودا کے بقول مصنف "گل رعنا" شاگرد تھے۔ مگر مہاراجہ کلیان سنگھ کے متعلق ڈاکٹر ممتاز احمد اپنی تصنیف "مثنویات راسخ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا تخلص عاشق تھا اور یہ سکسینہ کا سہو ہے۔ یہ بہت پُرگو شاعر تھے۔ ان کی ایک مثنوی نومبر ۱۸۶۸ء کی تحریر شدہ کا پتہ بھی لگایا ہے، جو ۸۰ برس کی عمر میں تحریر ہوئی جبکہ عاشق نابینا ہو چکا تھا۔ اس مثنوی کے اشعار کی مجموعی تعداد ۷۰ سو بتائی ہے۔

رامپور:- یوسف علی خاں خلف نواب محمد سعید خاں والیٔ رام پور، ناظمؔ تخلص فرماتے تھے۔ مصنف "گل رعنا" فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حکیم مومن خاں سے مشق سخن کی اور ان کے بعد غالب کے شاگرد ہوئے پھر منشی مظفر علی اسیر کو کلام دکھانے لگے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ انگریزی کی مدد کے صلہ میں خطابات اور جاگیر سے نوازے گئے ۱۸۶۵ء ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی۔ صاحب دیوان ہیں۔ ایک غزل "گل رعنا" سے نقل کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

سه
میں نے کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط ۔۔۔ کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط
تاثیر آہ و زاریٔ شبہائے تار جھوٹ ۔۔۔ آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط
یاں سینہ سے نمائشِ داغِ دروں غلط ۔۔۔ یاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط
بوس و کنار کیجئے یہ سب فریب ہیں ۔۔۔ اظہارِ پاکبازیٔ ذوقِ نظر غلط
لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں ۔۔۔ احمق بنیں ہم اوس کو نہ سمجھیں اگر غلط
مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی ۔۔۔ جانِ عزیز پیشکشِ نامہ بر غلط
وہ پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا ۔۔۔ مرنے کی اپنی روز اُڑائی خبر غلط
یہ کچھ سنا جواب میں ناظم ستم کیا ۔۔۔ کیوں یہ کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط

جناب ناظم صاحب کے شاگرد بھی گذرے ہیں۔ ان کے ایک شاگرد سید نظام شاہ نظام رام پوری (متوفی ۱۲۸۹ھ) کا تذکرہ "بیاض سخن" میں ملتا ہے اسی میں ان کا یہ شعر بھی درج ہے۔

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ ۔۔۔ دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ

انداز اپنے دیکھتے ہیں آئینے میں وہ ۔۔۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

(باقی آئندہ)

افادات

لمعات بدریہ

از حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور علم قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ

(۶)

گذارش مجیب یہ ہے کہ اس بحث میں مجوزین کا استناد "صلوٰۃ اللہ علی المومنین" کے متعلق فقط ھو الذی یصلی علیکم سے کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایک دوسری آیت شریفہ بھی جو سورہ بقرہ میں ہے۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ	ان پر ان کے پروردگار کی مہربانی بخشائش اور رحمت ہے۔

اسی طرح انہوں نے صلوٰۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) المومنین سے استناد میں احادیث تو بہت پیش کی ہے لیکن کلام اللہ عز وجل سے فقط صل علیھم سے تمسک کیا ہے میں اس کے متعلق بھی ایک آیۃ کریمہ لکھ دیتا ہوں جو سورہ توبہ میں ہے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ	اور بعض دیہاتی عرب (بدو) وہ ہیں کہ خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں (اس سے) خدا کا قرب اور پیغمبر کی دعائیں لیتے ہیں۔ ہاں ان کے لئے وہ سبب قربت ہے۔

ان تینوں آیتوں سے استدلال کا جواب ایک تو وہی ہے جو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خدائے کریم کے فعل پر بندوں کا قیاس صحیح نہیں اور صلوٰۃ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص حق ہے تو اگر آپ کی طرف سے کسی پر صلوٰۃ ہو تو وہ ایثار ہے آپ کی طرف سے۔ ہم لوگوں میں سے ایک دوسرے پر صلوٰۃ بھیجنا سزاوار اور جائز ہے یہ اس صورت میں ہے کہ صلوٰۃ کے معنی ایسے مقام میں وہی لئے جائیں گے جو آیت کریمہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما میں ہے یعنی اللھم صل علی محمد جو معنی ہے وہی اللھم صل علی فلاں کا بھی کہا جائے۔

دوسرا جواب:۔ یہ ہے کہ صلوٰۃ اللہ کے معنی پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تو رحمت ہے

اور برکت اور صلوات عزوجل کی طرف سے فرشتوں پر پیغمبروں کی عظمت کا اظہار اور ان کی ثنا، اور مومنین پر صلوۃ کے معنی رحمت اور برکت اور مغفرت ہے جیسا کہ اہل لغت اور مفسرین اور محدثین کے اقوال سے اوپر لکھا جاچکا ہے۔

میں نے جن دو آیتوں کو یہاں پر لکھا ہے اس کی تفسیر میں بھی مفسروں کا قول لکھ دیتا ہوں۔ تفسیر ابن جریر میں ہے

اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمہ (الآیۃ) — علیھم صلوات کے لئے صلوات ہے۔

لھم صلوات یعنی مغفرۃ وصلوات اللہ علی عبادہ غفرانہ لعبادہ کالذی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اللھم صل علی ال ابی اوفی یعنی اغفر لھم وقد بینا وما اصلھا فی غیر ھذا الموضع	یعنی مغفرت ہے اور بندوں پر صلوۃ خدا کی بخشش ہے بندوں پر جیسا کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا اللھم صل علی ال ابی اوفی خداوندا انہیں بخش دے اور صلوۃ کی اصل اور اس کے معنی دوسری جگہ میں نے بیان کردیا ہے۔

اسی مقام پر بقول ابن جریر رحمہ اللہ بھی یہی ثابت ہوا کہ اللھم صل علی آل ابی اوفی کا معنی اللھم اغفر لھم۔

اللھم صلی علی محمد کا معنی تفسیر ابن کثیر میں ہے

اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمہ ای ثناء من اللہ علیھم	اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمہ یعنی خدا کی طرف سے ان پر ثنا ہے

تفسیر فتح البیان میں ہے۔

اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ الصلوۃ ھنا المغفرۃ قالہ ابن عباس او الثناء الحسن قالہ الزجاج	اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمہ صلوۃ کے معنی یہاں مغفرت ہیں۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ یا نیک توصیف بقول الزجاج۔

تفسیر درمنثور میں ہے

صلوات اللہ یعنی مغفرۃ من ربھم ورحمۃ لھم وامنۃ من العذاب	صلوات خدا یعنی بخشش ان کی طرف سے رحمہ یعنی مہربانی ان کے لئے اور عذاب سے امن۔

اور صلوات الرسول کی نسبت تفسیر ابن جریر میں ہے۔

وصلوات الرسول یعنی بذلک ویبتغی بنفقتہ ما ینفق مع طلب قربتہ من اللہ دعاء الرسول واستغفارہ لہ	اور صلوات الرسول سے وہ ارادہ کرتا ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اس میں خدا کی قربت کے ساتھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور استغفار اپنے لئے چاہتا ہے۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

واخرج ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویه وعن ابن عباس وصلوة الرسول یعنی استغفار النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث کی تخریج کی صلوۃ الرسول یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لئے استغفار فرمانا ہے۔

اس کے بعد قتادہ کا قول لکھتے ہیں:—

صلوات الرسول قال دعاء الرسول

صلوات الرسول کے معنی قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا ر چاہتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:—

یبغون بذلك دعاء الرسول

اس نفقہ کی بدولت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد باقی عبارت جلاء الافہام کی یہ ہے:—

العاشر ما احتج به القاضی ابویعلی ورواه باسناد حدیث مالك بن یخامر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلا انه قال اللهم صل علی ابی بکر فانه یحب الله ورسوله اللهم صل علی عمر فانه یحب الله ورسوله اللهم صل علی عثمان فانه یحب الله ورسوله اللهم صل علی عبیدة فانه یحب الله ورسوله اللهم صل علی عمرو بن عاص فانه یحب الله ورسوله۔

دسویں دلیل یہ ہے کہ جس سے حجت پکڑی ہے قاضی ابویعلی نے اور باسناد اس کی روایت حدیث کی ہے مالک ابن یخامر سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ درود بھیجے ابوبکر پر کیونکہ وہ دوست رکھتا ہے اللہ اور رسول کو۔ اللہ درود بھیجے عمر پر کیونکہ وہ دوست رکھتا ہے خدا اور رسول کو۔ اللہ درود بھیجے عثمان پر کیونکہ وہ دوست رکھتا ہے خدا اور رسول کو۔ اللہ درود بھیجے عبیدہ پر کیونکہ وہ دوست رکھتا ہے خدا اور رسول کو۔ اللہ درود بھیجے عمرو بن عاص پر کیونکہ وہ دوست رکھتا ہے خدا اور رسول کو۔

جوابه من وجوه

جواب اس کا کئی طرح پر ہے

الحادی عشر ما رواه یحیی بن یحیی فی موطاه عن مالك عن عبد الله بن دینار قال رأیت

گیارہویں دلیل وہ ہے جس کو روایت کیا یحیی بن یحیی نے اپنی موطا میں مالک سے انہوں نے مالک بن دینار سے کہا انہوں نے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یقف علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما هذا لفظ یحیی بن یحیی۔

جوابه ان ابن عبد البر قال انکر العلماء علی یحیی بن یحیی ومن تابعه فی الروایة عن مالک عن عبد اللہ ابن دینار رأیت ابن عمر یقف علی قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم فیصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وعلی ابی بکر وعمر وقالوا انما الروایة لمالک وغیرہ عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر انه کان یقف علی قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم فیصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ویدعو لابی بکر وعمر کذلک رواہ ابن القاسم والقعنبی وابن بکیر وغیرهم عن مالک ففرقوا بما وصفت لک بین یدعو لابی بکر وعمر وبین یصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم من لفظ الصلوة قلت وکذلک فی موطاء ابن وهب لفظ الصلوة مخصص بالنبی صلی اللہ علیه وسلم والدعاء لصاحبیه ایضاً ان ابن عباس قد خالفه کما تقدم۔

کہ دیکھا میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہ کھڑے ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے قریب پھر پڑھتے درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ابوبکر وعمر پر رضی اللہ عنہما۔ یہ لفظ یحیی بن یحیی کا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ابن البر نے کہا کہ یحیی بن یحیی پر علماء نے نکیر کی ہے اور ان لوگوں پر بھی جو ان کے تابع ہیں اس روایت میں جو مالک سے ہے کہ انہوں نے روایت کی عبداللہ بن دینار سے کہ میں عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر کھڑے ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر بھی اور لوگوں نے کہا کہ یہ روایت اس طرح پر ہے امام مالک سے اور دوسروں سے بھی اور سب روایت کرتے ہیں عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر سے کہ یہ کھڑے ہوتے تھے روضۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور درود پڑھتے تھے آپ پر اور دعا کرتے تھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لئے اسی طرح اس کی روایت کی ہے ابن القاسم اور قعنبی اور ابن بکیر وغیرہ نے امام مالک سے پس سبھوں نے فرق کیا ہے اسی طرح جیسا میں نے تم سے بیان درمیان لفظین یدعو لابی بکر وعمر اور ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ صلوۃ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور لفظ دعا کو ان کے دونوں صاحبوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور بھی اس کی مخالفت کی ہے ابن عباس نے جیسا پہلے بیان کیا ہے۔

الثانی عشر ان قد صح ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نص علی ازواجه فی الصلوة وقد تقدم

بارھویں دلیل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات پر صریح طرح سے درود فرمایا

قالوا وهذا على اصولكم الزم فانكم لم تدخلوهن في آله الذين تحرم عليهم الصدقة فاذا جازت الصلوة عليهن جازت على غيرهن من الصحابة رضي الله عنهم

... ...

... ...

... ...

... ...

(یہ درود اس کتاب جلاء الافہام میں) پہلے گزر چکا ہے۔ مجوزین کہتے ہیں کہ یہ دلیل تمہارے اصول پر لازم تر ہے کیونکہ تم انہیں ان آل میں داخل نہیں کرتے جن پر صدقہ حرام ہے (اور لفظ آل محمد جو درود میں ہے اس سے وہی آل مقصود لیتے ہیں جن پر صدقہ حرام ہے) تو جب ازواج (کو ان آل سے خارج جاننے کے ساتھ جن پر صدقہ حرام ہے ان) پر تمہارے نزدیک جائز ہے تو ان کے سوا دوسروں یعنی اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے جائز ہوگا۔

جوابه انما صلى عليهن لاضافتهن اليه ودخولهن في آله واهل بيته فهذه خاصة له واهل بيته وازواجه تبع له فيها صلى الله عليه وسلم واما قولكم انه الزم على اصولنا فانا لا نقول بتحريم الصدقة عليهن فجوابه ان هذا وان سلم دل انهن لسن من الآل الذين تحرم عليهم الصدقة لعدم القرابة التي يثبت بها التحريم لكنهن من اهل بيته الذين يستحقون الصلوة عليهم ولا منافاة بين الامرين۔

جواب اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج پر درود فرمایا ہے۔ ازواج مطہرات کی اضافت آپ کی طرف ہونے اور آپ کی آل اور اہل بیت میں ان کے داخل ہونے کے سبب سے تو یہ درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے اور اہل بیت اور ازواج آپ کی درود بھیجنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبع میں ہیں لیکن ہمارے اصول پر اس کا لازم تر ہونا جو اس بنا پر کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر حرمت صدقہ کے ہم لوگ قائل نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے ــــ گو تسلیم کر لیا جائے (کہ ان پر درود بھیجنے کی وجہ عدم حرمت صدقہ ہے) تو اس سے اس قدر ثابت ہوگا کہ ازواج مطہرات ان آل میں سے نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے بسبب قرابت (جزئیت) نبوت کے لیکن (درود ماثورہ کے رو سے) وہ لوگ ان اہل بیت میں سے یقینی ہیں جو درود کے مستحق ہیں تو دونوں باتوں میں منافات نہیں رہا۔

الثالث عشر انكم قلتم بجواز الصلوة على غير النبي صلى الله عليه وسلم تبعا له فقلتم يجوز ان يقال اللهم صلى على محمد وعلى آل

تیرہویں دلیل یہ کہ تم نے کہا ہے کہ درود کا جائز حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر آپ کی تبع میں کہا ہے جائز ہے کہ کہا جاوے۔

محمد وعلی اصحابه وازواجه وذریته واتباعه
قال الهم ذکریا النووی واتفقوا علی جواز جعل غیر
الانبیاء تبعا لهم فی صلوة ثم ذکرهن ه
الکیفیة وقال الاحادیث الصحیحة فی ذلک
وقد امرنابه فی التشهد ولم یزال السلف
علیه خارج الصلوة ایضا قلت ومنه الاثر
المعروف عن بعض السلف اللهم صل علی
ملائکتک المقربین وانبیائک والمرسلین
واهل طاعتک اجمعین من اهل السموات
والارضین

... ...
... ...
... ...
... ...
... ...
... ...

جوابه من وجهین

احدهما ان هذا الاتفاق غیر معلوم الصحة والذین منعوا الصلوة علی غیر الانبیاء منعوها مفردة وتابعة وهذا التفصیل وان کان معروفا عن بعضهم فلیس کلهم یقوله

الثانی لا یلزم من جواز الصلوة علی اتباعه تبعا للصلوة علیه جواز افراد المعین بالصلوة علیه استقلالا وقوله

اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد وعلی اصحابه وازواجه وذریته واتباعه	خدایا درود بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آل محمد پر اور یاروں پر ان کے اور ازواج و فرزندان و پیروی کرنے والوں پر۔

ابوزکریا نووی نے کہا لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ انبیاء کے تبع میں ان کے غیر پر درود کے جواز میں اس کے بعد مذکورہ کیفیت صلوۃ کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں احادیث صحیحہ وارد ہیں اور ہم بعد نماز میں اس کے پڑھنے پر مامور ہیں اور خارج نماز بھی سلف کا اس پر عمل رہا ہے (مصنف کتاب کہتے ہیں) میں نے کہا ان ماثورات میں سے معروف اثر بعض سلف سے منقول ہے

اللهم صل علی ملائکتک المقربین وانبیائک والمرسلین واهل طاعتک اجمعین من اهل السموت والارضین	الٰہی درود بھیج اپنے مقربین فرشتوں پر اور اپنے انبیاء و المرسلین اور اپنے کل طاعت کرنے والے پر آسمان اور زمین والوں میں سے۔

اس کا جواب دو طرح پر ہے۔

ایک تو یہ کہ اتفاق کی صحت غیر معلوم ہے اور جنہوں نے غیر انبیاء پر درود پڑھنے کو منع کیا تو تنہا اور پیغمبروں کی تبع دونوں صورتوں میں منع کیا ہے اور یہ تفصیل اگرچہ ان میں سے بعض کے قول سے معروف ہے تو بھی سبھی تبعاً جواز کے قائل تو ہیں نہیں۔ (اس طرح اتفاق دعوی غلط ہو گیا۔

دوسرے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی تبع جائز ہونے سے افراد معین یا غیر معین پر درود کا جائز ہونا

للاحادیث الصحیحة الصلوة علی غیر النبی صلی الله علیه وسلم وآله وازواجه وذریته لیس فیها ذکر اصحابه ولا اتباعه فی الصلوة وقوله امرنا بها فی التشهد فالماموریه فی التشهد الصلوة علی آله وازواجه لا غیرهما۔

لازم نہیں آتا اور نووی کا کہنا کہ اس میں احادیث صحیحہ ہیں تو احادیث صحیحہ میں حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل و ازواج اور فرزندان کے غیر پر درود نہیں ہے بیشک درود میں آپ کے اصحاب اور اتباع کا ذکر نہیں اور ان کا کہنا کہ تشہد میں ہم اس کے مامور ہیں۔ تو مامور بہ تشہد درود آپ کے آل اور ازواج پر ہے نہ ان دونوں کے سوا کسی پر۔

الرابع عشر ما رواه ابو یعلی الموصلی عن ابی زنجویة ثنا ابو المغیرة ثنا ابو بکر بن ابی مریم ثنا ضمرة بن حبیب بن صهیب عن ابی درداء عن زید بن ثابت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم دعاه وامره ان یتعاهد به اهله کل یوم قال قل حین تصبح لبیك اللهم لبیك لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك ومنك والیك ما قلت من قول او نذرت من نذر او حلفت من حلف فمشیتك بین یدیه ما شئت منه کان وما لم تشأ لم یکن ولا حول ولا قوة الا بك انت علی کل شئی قدیر اللهم ما صلیت من صلوة فعلی من صلیت وما لعنت من لعن فعلی من لعنت انت ولی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

چودھویں دلیل وہ ہے جو روایت کی ابو یعلی نے ابو زنجویہ سے انہوں نے حدیث سنی ضمیرہ بن حبیب بن صہیب سے انہوں نے ابی درداء سے انہوں نے زید بن ثابت سے طلب فرمایا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حکم فرمایا کہ کہو اپنے کل گھر والوں کو کہ اس کو روزانہ بطور عہد معمول رکھیں اور تعلیم فرمایا کہ کہو صبح کے وقت لبیك اللهم لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك آخر دعاء الحقنی بالصالحین تک

جوابه

[illegible]

فیه ابو بکر بن ابی مریم ضعفه احمد وابن معین وابو حاتم والنسائی والسعدی وقال ابن حبان کان من خیار اهل الشام ولکنه کان ردی الحفیظ یحدث بالشئ فیهم وکثر

جواب اس کا یہ ہے کہ

کہ ابو بکر بن ابی مریم کی احمد اور ابن معین اور ابو حاتم اور نسائی اور سعدی نے تضعیف کی ہے اور حبان نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ اہل شام کے بہترین لوگوں میں ہیں لیکن ان کا حافظہ نہایت ردی

افادات

مکاتیب حضرت سید العرفا مخدوم شاہ مجا قلندر لاہر پوری قدس اللہ سرہٗ

مکتوب چہارم

(۴)

اصل

صاحب فتوحات میگوید کہ ابو اسحٰق بن طریف قدس سرہٗ کہ از بزرگ ترین مشائخ است می گفت کسانیکہ مرا می شناسند ہمہ اولیاء اللہ اند گفتند چون چنیں است یا ابا اسحٰق گفت زیرا کہ ایشان از دو حال بیرون نیستند کہ در حق من خیر و نکوئی می گویند یا غیر آن اگر چنانچہ در حق من خیر می گویند مرا صفت نمی کنند مگر بانچہ صفت وے شدہ است و اگر چنانچہ در محل آن صفت نبودی و موصوف بہ آن نگشتی مرا بان صفت ذکر دی پس این شخص نزدیک من از اولیاء اللہ است و اگر چنانچہ در حق من بد می گویند وے صاحب فراست و کشف است خدائے تعالیٰ ویرا بر حال من اطلاع دادہ است۔ پس ہر کس ہم از اولیاء اللہ است اے برادر اگر کسے ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ بگوید و ثواب آن را بمیت بخشد اگر میت اہل عذاب باشد نجات یابد و اگر اہل نجات باشد درجات یابد شیخ ابو الربیع یا نقی رحمۃ اللہ علیہ کہ از کبار وقت خود بود کہ من ہفتاد ہزار بار ذکر لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ

فتوحات کے مصنف نے لکھا ہے کہ ابو اسحٰق بن طریف قدس سرہ نے جو کہ بہت بڑے بزرگ شیخ تھے کہا کہ جو لوگ مجھے پہچانتے ہیں وہ اولیاء اللہ ہیں۔ لوگوں نے کہا اے ابا اسحاق ایسا کیوں ہے۔ فرمایا کہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو میرے حق میں اچھائی چاہتے ہیں یا اس کے خلاف اگر اچھا کہتے ہیں یعنی نیک ظاہر کرتے ہیں وہ میری صفت نہیں بیان کرتے۔ بلکہ اصل میں یہ انہیں کی صفت ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس صفت سے موصوف نہ ہوتے تو میری ایسی صفت نہ کرتے پس ایسے لوگوں میں اولیاء اللہ کتا ہوں اور وہ میرے نزدیک اولیاء اللہ ہیں اور جو لوگ مجھے بد کہتے ہیں وہ اہل فراست وکشف ہیں خدا وند عالم نے میرے حال کی خبر ان کو دی ہے پس وہ بھی اولیاء اللہ ہیں۔ اے برادر! اگر کوئی ستر ہزار بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخشے اگر میت پر عذاب ہوگا تو نجات پا جائے گی اور اگر میت اہل نجات سے ہوگی تو درجات پائے گی۔

شیخ ابو الربیع یا نقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بزرگ تھے انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے ستر ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیا لیکن کسی کے نام کے ساتھ متعین نہیں کیا تھا۔ ایک دن جماعت کے ساتھ کھانا کھانے کے دسترخوان پر حاضر

گفته بودیم لیکن بنام کس معین نکرده بودیم روزے
بر مائده طعام حاضر شدیم با جماعت درایشان
کودکے صاحب کشف بود آں وقت آں کودک دست
بطعام برد تا بخورد ناگاه بگریست گفتند چرا
گریستی گفت اینک دوزخ مشاہدہ می کنم
و مادر خود را درو بعذاب می بینم شیخ ابوالربیع
گفت در باطن با خود گفتم هذا وذا تو می دانی که
ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ گفتم آں بجہت آزادگی
مادر ایں کودک از دوزخ معین کردم گفت
چوں من ایں نیت در باطن خود تمام کردم آں
کودک بخندید و بشاشت نمود گفت مادر خود
را می بینم که از آتش دوزخ خلاصی یافت
الحمد للہ پس بطعام خوردن مشغول شد شیخ ابوالربیع
می گوید که مرا صحت خبر نبوی علیہ السلام درباب
ثواب کلمہ بکشف کودک معلوم شد و صحت
کشف آں کودک بخبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
جان من چوں براجگیر بروی وخواہی کہ چند روز
بگذرانی البتہ در روزے یکدو بار بزیارت
برہان العارفین سلطان العاشقین مخدوم العالم
بندگی شیخ اخی جمشید قدس سرہ خود را برسانی
و در روضہ منورہ ایشاں مشغول شوی کہ در زیارت
اولیاء فوائد بسیار است ایں درویش را
قطب العالم شیخ عبدالقدوس قدس سرہ جاروب
کشی آستانۂ عالیہ شیخ الاسلام شیخ عبدالرحمان
جان باز لاہرپوری نور اللہ مرقدہ فرمودہ بودند

ہوا۔ اس جماعت میں ایک لڑکا صاحب کشف تھا۔ کھانے کیلئے
جس وقت اس لڑکے نے ہاتھ بڑھایا۔ ناگاہ رونے لگا۔ لوگوں نے
پوچھا کہ کیوں روتا ہے کہا کہ اس وقت میں دوزخ دیکھتا ہوں
اور اس میں اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ شیخ ابوالربیع نے
فرمایا کہ میں نے دل میں کہا کہ خداوندا تو جانتا ہے کہ ستر ہزار مرتبہ
کلمہ لا الہ الا اللہ میں نے پڑھا ہے اس کو اس لڑکے کی ماں کی آزادی
کے لئے مقرر کرتا ہوں جیسے ہی میں نے اپنے دل میں یہ نیت تمام
کی وہ لڑکا ہنسا اور بنہایت بشاشت ہوا اور کہا کہ اپنی ماں کو اب
دوزخ کی آگ سے آزاد دیکھتا ہوں۔ الحمد للہ پس کھانا کھانے
میں مشغول ہوا۔ شیخ ابوالربیع نے فرمایا کہ مجھے حدیث نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم کی صحت کلمہ کے ثواب کے بارے میں لڑکے کے کشف
سے معلوم ہوئی اور اس لڑکے کے کشف کی صحت حدیث
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ میرے پیارے! جب راجگیر جانا
اور وہاں چند روز ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو ایام قیام میں ایک
دو بار برہان العارفین سلطان العاشقین مخدوم العالم بندگی
شیخ احمد جمشید قدس سرہ کی زیارت کے واسطے ضرور پہنچنا
اور ان کے روضہ منورہ میں مشغول ہونا۔ کیونکہ اولیاء اللہ کی زیارت
میں بہت فائدے ہیں۔ ان درویش صاحب کو قطب العالم
شیخ عبدالقدوس قدس سرہ نے آستانہ عالی شیخ عبدالرحمن جانباز
قلندر نور اللہ مرقدہ لاہرپوری کی جاروب کشی کے لئے فرمایا تھا
اور یہ کہا تھا کہ مجلس ان کے آستانے کے قریب ہے۔
دن میں دو مرتبہ ان کی زیارت کو جایا کرے۔ شیخ قدس سرہ
کے حکم کے موافق اس سے قبل میں اکثر اوقات زیارت کیلئے
جاتا تھا اور اس میں مراقبہ کرتا تھا اور ذوق حاصل کرتا تھا
ایک درویش نے شیخ رکن الدین [illegible]

دیگر گفت فرستادند کہ مجنبی نزدیک آستانہ ایشان باشد کہ در روز دو مرتبہ بزیارت ایشان رسد و بحسب الحکم شیخ قدس اللہ سرہٗ قبل ازیں اکثر اوقات بزیارت می رفتیم و بعدازاں مراقبہ می کردیم و ذوق می یافتیم درد لیلے از خدمت شیخ رکن الدین علاء الدولہ نور اللہ مرقدہٗ پرسیدکہ چوں ایں بدن را درخاک ادراک نیست و بدن بلیست یا روح از وے مفارق شدہ ودرعالم ارواح حجاب نیست چہ احتیاج است بسرخاک رفتن فائدہ چیست در ہر مقامیکہ توجہ کند روح بزرگی ہمچناں باشد کہ بسرخاک رفتہ ۔ شیخ فرمود فائدہ بسیار است یکے آنکہ چوں بزیارت کسی میرود چندانکہ می رود توجہ او زیادہ می شود چوں بر سرخاک می رسد و بحس مشاہدہ می کند خاک او را حس او نیز مشغول او شود و بکلی توجہ می شود فائدہ بسیار باشد۔ دیگر آنکہ ہرچند کہ ارواح را حجاب نیست و ہمہ جہان او را یکے است اما در بدنیکہ ہفتاد سال محبت با وے داشتہ باشد و بدن محشور او کہ بعد از حشر ابداً الآباد خواہد بود آنجا باشد کہ باں موضع نظر و تعلق او بیشتر بود کہ موضع دیگر۔ پس حکایت کرد کہ یک نوبت در خلوت جنید قدس اللہ سرہ بودم و از خلوت وے ذوق تمام می رسید بسبب جنید کہ در آں خلوت بود بیروں آمدو بر سرخاک وے رفتم آنجا ذوق نیافتم ایں معنی را بخدمت شیخ قدس سرہ گفتم فرمود کہ آں ذوق بسبب جنید

پوچھا کہ جب اس بدن کو خاک میں ادراک نہیں ہے اور بدن ایک ہے روح اس سے جدا ہو گئی اور عالم ارواح میں حجاب نہیں ہے تو خاک پر یعنی قبر پر جانے سے ۔ شیخ نے فرمایا کہ بہت فائدہ ہے ۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جب کوئی کسی کی زیارت کو جاتا ہے تو جس قدر سفر کرتا ہے اسی قدر اس بزرگ کی روح متوجہ زیادہ ہوتی ہے اور جب مزار پر پہنچتا ہے اور اپنے حس سے مزار کو دیکھتا ہے تو اس کا حس بھی اسی کا مشغول ہوتا ہے اور وہ گویا بالکل ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے اور اس حال میں بہت فائدہ ہوتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ ہرچند روحوں کو حجاب نہیں ہے اور کل دنیا اس کے نزدیک یکساں ہے لیکن وہ جسم جو حشر کے بعد ہمیشہ قائم رہے گا اور جس بدن نے سالہا سال روح سے محبت رکھی ہے اس قبر میں ہے ۔ اس لئے اس جگہ یعنی قبر سے روح کا تعلق اور اس کی نظر زیادہ ہوگی ۔ نہ کہ دوسری جگہوں پر ۔ پس اس کے ثبوت میں حکایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت جنید قدس سرہ کی خلوت میں تھا اور ان کی اس خلوت میں بہت ذوق پہنچ رہا تھا صرف اس لئے کہ اس وقت حضرت جنید قدس سرہ بھی خلوت میں موجود تھے ۔ باہر آیا اور ان کی قبر پر گیا وہاں وہ ذوق نہ پایا اس بات کو شیخ کی خدمت میں میں نے بیان کیا ۔ فرمایا کہ وہ ذوق جنید کے باعث پایا تھا یا نہیں میں نے کہا کہ ہاں ۔ فرمایا کہ ان جگہوں میں جو کہ اپنی عمر میں چند لمحہ حاصل ہوئی ان میں رہا تو ایک وقت اور ایک ذوق حاصل ہوا اور اس مدت میں جو چند سال کی اس کے ساتھ محبت میں گزری اولی یہ تھا کہ ذوق زیادہ حاصل ہوتا تھا لیکن شاید ان کی قبر پر بسبب مشغولی حس کی توجہ میں کمی واقع ہوتی ہو گی آخر اس خرقہ میں کہ جس کو اہل دل پہنے ہوتے ہیں ان کا ذوق دیکھا جا سکتا ہے بدن نزدیک زیادہ

یافتی یا نہ گفتم بلے گفت کہ در مواضع کہ در عمر خود بسیاست کہ چند نوبت آنجا بودہ باشد وقتے وقتے حاصل بودہ باشد در مدتے کہ چند سال وا بیجا با او صحبت او داشتہ بود او می باشد کہ ذوق بیشتر حاصل شود اما شاید کہ بسبب مشغولے حس بر سر خاک در توجہ تقصیرے افتادہ باشد آخر در عمر قدر کہ اہل دل پوشیدہ باشد ذوق آں مشاہدہ می تواں کرد و بدیں نزدیک قراست و فوائد زیارت بسیار است کسے ایں جا توجہ کند بروحانیت مصطفٰے علیہ السلام فائدہ یابد اما اگر بمدینہ رود روحانیت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم از رفتن او و لیخ راہ او باخبر باشد چو آں جا رسد بحس ببیند روضۂ پاک آنحضرت را و بیکلی متوجہ شود فائدہ آں را با فائدۂ ایں چہ نسبت واہل مشاہدہ را ایں معنے تحقیق باشد اے برادر منتہی را ہیچ چیز زیاں ندارد چہ ملک و چہ زن و چہ فرزند۔ چنانچہ بزرگے می فرماید ~

چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نے نقرہ و فرزند و زن

مبتدی را طعام لذیذ و آب سرد زیاں دارد تا بملک و مال و فرزند چہ رسد می آرند کہ مرد مبتدی را در سفر ہمراہ شیخ اتفاق شد ہر دو بجائے رسیدند کہ وادیے بس تاریک و سیاہ پیدا شد مرید چوں زر نہاں داشت از شیخ پرسید بکدامی راہ رویم۔ شیخ فرمود زر را بیفگن و از ہر راہ کہ دانی برو۔ خوش گفت آنکہ گفت ~

حب دنیا ذوق ایمانت برد

ہے اور زیارت کے فوائد بہت ہیں جو کوئی اس جگہ ذرا غور و توجہ کرے تو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فائدہ حاصل پائے۔ اگر کوئی مدینہ منورہ جاتا ہے تو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس کے اس سفر اور اس کی تکالیف سے باخبر ہوتی ہے جب آدمی [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کو حس کے ساتھ دیکھتا ہے اور اس کی طرف پوری طور پر متوجہ ہوتا ہے تو اس توجہ اور اپنی گھر پر رہ کر توجہ میں بڑا فرق ہے اس کے فائدہ کو اس کے فائدہ سے کیا نسبت۔ اہل مشاہدہ کو یہی بات تحقیق ہوتی ہے۔ اے بھائی منتہی کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی۔ کیا جائداد کیا عورت اور کیا لڑکے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ~

چیست دنیا از خدا غافل شدن ؛ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

جبکہ مبتدی کو آب سرد اور لذیذ کھانا نقصان پہنچاتا ہے تو پھر جائداد اور عورت و لڑکے کا کیا ذکر۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص مرید اپنے شیخ کے ہمراہ سفر میں گیا دونوں ایسی جگہ جنگل میں پہنچے کہ جہاں نہایت تاریکی اور اندھیرا تھا۔ مرید کے پاس کچھ روپیہ پوشیدہ طور پر تھا۔ شیخ سے پوچھا کہ کس طرف چلوں۔ شیخ نے فرمایا کہ روپیہ کو پھینک دے پھر جس راستہ پر جی چاہے چل جس نے یہ کہا ہے خوب کہا ہے ~

حب دنیا ذوق ایمانت برد
آرزوئے آں ز تو جانت برد
چیست دنیا آشیان حرص و آز
مالہا از فرعونی ہا از تو در باد

[illegible]

آرزوے آں تو حاجت بود
چیست دنیا آشیان حرص و آز
لہٰذا از فرعون و از نمرود باز
تا نگردانی ز ملک و مال روے
یک نفس نماید ت ایں حال روی
روی یک ساعت بگردان از ہمہ
تا شوی فارغ چو مردان از ہمہ

جان من از صاحب دیدہ ہرچہ بینی انکار نیکار ہرچہ خلاف در نظر نماید بعضے ایشان از خلق می گریزند و بعضے می آویزند و بعضے شب و روز در گفتگو می باشند و بعضے خاموش و بعضے در شب خواب می کنند و بعضے ہمہ شب بیداری باشند و بعضے از خلق چیزے می گیرند و بعضے دریوزہ می کنند و بعضے نمی کنند و بعضے بر علوم نشستہ اند و بعضے بر توکل غرض آنکہ ہرچہ از صاحب دلاں آید راست و درست است و ہرکہ از ایشان تماشا بصورت بلباس خود را نمودار می کنند ہرچہ کنند بر وی بال است تا کسے را بینائی کمال نباشد کہ عارف را از ناقص جدا کند آنکس را می رسد ہرچہ داند بکند کہ او دیدہ کار خواہد کرد نقل است کہ شیخ الاسلام شیخ عبدالرحمٰن جانباز لاہرپوری قدس سرہ در آستانہ عالی خود با مریدان نشستہ بود کہ درویشے عریان رسید در خانقاہ نماد شیخ قدس سرہ فی الفور فرمود کہ ویرا بیروں بکنید مریدان بیروں کردند اما بانکار تمام کہ ایں درویش مسکین غریب و نامراد می نماید و شیخ از خانقاہ بیروں می کند آں درویش از آنجا رفت و در خانقاہ شخصے دیگر فرود آمد ضیافت کرد چوں آں شخص در خدمت شیخ قدس سرہ اخلاص

آرزو تیری ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ یہ دنیا کیا ہے صرف خواہش اور لالچ کا ایک آشیانہ ہے۔ دیکھو فرعون اور نمرود جو خدائی کا دعویٰ رکھتے تھے ان سے بھی یہ دنیا چھوٹ ہی گئی ؎

تا نہ گردانی ز ملک و مال روئے
یک نفس نماید ت ایں حال روئے
روئے یک ساعت بگردان از ہمہ
تا شوی فارغ چوں مردان از ہمہ

یعنی جب تک ملک و مال سے تو منہ نہ پھیرے گا تب تک ایک لمحہ کے لئے بھی یہ حال تجھ پر رونما نہ ہوگا۔ ایک تھوڑی ہی دیر کے لئے تمام چیزوں سے منہ پھیر لے تاکہ مردان خدا کی طرح تمام باتوں سے فارغ ہو۔ میرے پیارے جو کچھ تو اہل بصیرت سے دیکھے اس میں انکار و شک ہرگز نہ لا اگرچہ تجھ کو سراسر خلاف دکھائی دے اہل بصیرت میں بعض ایسے ہیں جو خلق سے بھاگتے رہیں اور بعض ایسے ہیں جو اہل دنیا سے ملتے رہتے ہیں اور بعض ان میں سے رات دن گفتگو میں مشغول رہتے ہیں اور بعض بالکل خاموش رہتے ہیں اور بعض ان میں سے تمام رات سوتے ہیں اور بعض تمام رات جاگتے ہیں۔ بعض ان میں ایسے ہیں کہ دنیا والے جو کچھ ان کو دیتے ہیں وہ لے لیتے ہیں۔ بعض بھیک مانگتے دکھائی دیتے ہیں اور بعض مانگنے سے بھاگتے ہیں۔ بعض ان میں سے مال و زر رکھتے ہیں اور بعض تارک دنیا ہیں یعنی توکل اختیار کئے ہوئے ہیں الغرض صاحبدلوں سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ سب صحیح و درست ہے لیکن جو اس گروہ میں سے نہیں ہیں لیکن اپنی صورت اس گروہ والوں جیسی بناتے ہیں اور اسی گروہ والوں کا سا لباس

نگہداشت بسبب شکایت درویش را خوش ساخت وبتواضع ومدارات پیش آمد درویش شب را بعزت گذرانید چوں صبح برآمد درویش با صد جوش وخروش وحیلۂ دیگر فریاد برآورد کہ اے مسلماناں گواہ باشید کہ ایں صاحب خانقاہ اشرفی اماد زدیدہ است ومرا نہ بندہ مارا خراب کرد وتاراج ساختہ است ونزدیک بود کہ ایں قصہ پیش حاکم برد کہ صاحب خانقاہ عزیزی را بخدمت شیخ فرستاد کہ ماجرا را بعرض رساند پیش از رسیدن آں شخص شیخ قدس سرہ بمریدان فرمودند درویش عریاں کہ بوقت شام اینجا آمدہ بود وے را بیروں کردیم در خانقاہ فلاں شخص است آں را بتہمت دزدی گرفتار ساختہ نزدیک بود کہ بحاکم برد بروید وصلح کنید مریدان رفتند وآں شخص را از راہ گردانیدہ ہمراہ بردند کہ شیخ مارا در پی مہم ایں فرستادہ است اے برادر لازم است کہ اولیاء اولیاء را بشناسند چہ اگر نشناسند چہ باک کہ خضر علیہ السلام نقیب اولیاء است ہمہ را نمی تواند شناخت بلکہ خضر علیہ السلام نقیب از اولیائے عاشقان است نہ معشوقان ومعشوق را بجز حق سبحانہ دیگر کس نداند ونشناسد اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری در باب ایشاں است قطب العالم شیخ عبدالقدوس نوراللہ مرقدہ از ایشاں بودند ابراہیم خواص قدس سرہ فرمودہ کہ در بغداد بودم برکنارہ دجلہ وضو می ساختم کسے را دیدم کہ از جانب دجلہ بسوی آسمی آید روئے بر زمین نہادم وگفتم بعزت وجلال تو کہ روئے بر ندارم تا ایں مرد را ندانم ابراہیم بن عیسے را دیدم کہ بیامد مرا بجنبانید وگفت

پہنتے ہیں۔ ان کے لئے یہ سب افعال دبال جان ہوتے ہیں۔ جب تک کسی کو عارف وناقص کے پہچاننے کی تمیز نہ ہو اس کو ان کی خدمت سے منہ نہ موڑنا چاہئے ممکن ہے کہ ان میں کوئی عارف اور صاحب دل ہی ہو۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

اور جس کی کوئی بصیرت ہو یعنی بینائی دل رکھتا ہو عارف اور ناقص کو پہچان سکتا ہو۔ اس کو اختیار ہے جو چاہے کرے کیونکہ وہ جو کچھ کرے گا دیکھ کر کرے گا۔ شیخ عبدالرحمن جانباز قلندر لاہر پوری قدس سرہ اپنے آستانۂ عالیہ میں مریدوں کے ساتھ بیٹھے تھے اتنے میں ایک ننگا فقیر آیا اور خانقاہ کی طرف رخ کیا۔ شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ اس کو ابھی نکال دو۔ مریدوں نے اسے فوراً نکال دیا لیکن ناگواری کے ساتھ۔ کیونکہ یہ فقیر مسکین، غریب نامراد، معلوم ہوتا تھا مریدوں کے نزدیک یہ نکال دینے کا حکم بیجا تھا۔ وہ فقیر وہاں سے تو چلا گیا مگر دوسرے شخص کی خانقاہ میں جا کر شکایت کی چونکہ اس خانقاہ کا صاحب شیخ قدس سرہ سے خلوص نہیں رکھتا تھا اس لئے اس نے اس فقیر کی بہت خاطر مدارات کی اور اس کو خوش کیا۔ اس فقیر نے تمام رات آرام سے کاٹی جب صبح ہوئی تو اس نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ ایک نئی طرح فریاد کی کہ اے مسلمانوں! گواہ رہو کہ اس خانقاہ کے مالک نے میری اشرفیاں چرائی ہیں اور مجھ کو تباہ کر دیا ہے۔ قریب تھا کہ یہ جھگڑا حاکم کے پاس جائے کہ خانقاہ کے مالک نے اپنے عزیز کو شیخ قدس سرہ کی خدمت

بود کہ خواہی کہ کسے از اولیاے حق را بشناسی این را بگوئی ھو الاول ھو الاخر ھو الظاھر ھو الباطن وھو بکل شیئ علیم حمد مر خدائے را کہ این ضعیف و نحیف را با حال اکثر اولیاے خویش اطلاع داد و حقیقت ایشان کشف گردانید و بشرف مقام ایشان رسانید اللہ تعالیٰ ان برادر و جمیع طالبان را بر جادۂ شریعت استقامت کرامت کناد بحرمت النبی وآلہ الامجاد بالنون والصاد

میں بھیجا کہ یہ ماجرا ان سے بیان کرے اس شخص کے پہنچنے کے قبل شیخ قدس سرہ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ وہ ننگا فقیر جو شام کے وقت آیا تھا جس کو ہم نے نکلوا دیا تھا۔ فلاں شخص کی خانقاہ میں ہے اور صاحبِ خانقاہ کو چوری کی تہمت لگا کر قریب ہے کہ حاکم کے پاس لے جائے۔ لہذا تم لوگ جاؤ اور میل کر دو مرید گئے اور اس فقیر اور مالک خانقاہ کو راستہ سے واپس لائے اور کہے کہ ہمارے شیخ نے باہمی مصالحت کرا دینے کے لئے ہم کو یہاں بھیجا ہے۔ اے برادر! بہت ممکن ہے کہ ولی ولی کو نہ پہچانے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ خضر علیہ السلام جو ولیوں کے نقیب ہیں سب کو نہیں پہچانتے کیونکہ وہ ان ولیوں کے نقیب ہیں جو کہ عاشقان خدا ہیں نہ ان ولیوں کے جو درجۂ معشوقیت پر ہیں بس وہ صرف عشاق کو پہچانتے ہیں نہ کہ معشوقوں کو۔ درجۂ معشوقیت کے فقراء کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان و پہچان سکتا ہے۔ اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری انہیں اولیاء معشوقین کی شان میں فرمایا گیا ہے یعنی میرے دوست (اولیا) میری قبا کے نیچے ہیں ان کو سوائے میرے دوسرا نہیں پہچانتا۔

قطب العالم شیخ عبدالقدوس نور اللہ مرقدہٗ اسی طبقہ معشوقین سے تھے۔ حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ وہ بغداد میں تھے اور دجلہ کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ دجلہ کی دوسری جانب سے تیرتا ہوا آ رہا ہے حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے یہ دیکھتے ہی سجدہ کیا اور کہا خداوندا قسم ہے تیری عزت و جلال کی کہ جب تک میں اس شخص کو جان نہ لوں گا سجدہ سے سر نہ اٹھاؤں گا۔ ابن عیسیٰ یعنی ابراہیم کو میں نے دیکھا کہ وہ آئے اور مجھے بلایا اور کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اولیا میں سے کسی کو پہچانو تو ھو الاول ھو الاخر ھو الظاھر۔ ھو الباطن وھو بکل شیئ علیم سب تعریفیں اس خدا کے واسطے ہیں جس نے اس نحیف اور ضعیف کو اکثر اولیاء کے احوال سے آگاہ کیا اور ان کی حقیقت مجھ پر ظاہر کی اور ان کے مقام تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اور سب طالب علموں کو شریعت کی راہ میں استقلال عطا کرے۔ آمین بحرمت النبی وآلہ الامجاد بالنون والصاد۔

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ

(از جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محل)

(۵۸)

اپنے حکم سے اس نے یہ کام سپرد فرمایا حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے تاکہ آپ کا اعجاز اہل عالم پر آشکارا اور آپ کی عظمت نمایاں ہو جائے جس طرح مُردے جلانا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں تھا لیکن اپنے حکم سے حق نے یہ کام حضرت مسیح علیہ السلام سے لے کر ان کی عظمت کا سکہ قلوب اہل عالم پر بٹھایا اور انہوں نے واُحی الموتیٰ باذن اللہ (میں اللہ کے حکم سے مردوں کو جلاتا ہوں) کا نعرہ لگایا۔ مردہ بدن میں جان ڈالنا اتنا زیادہ دشوار نہ تھا جس قدر مردہ دلوں میں روح ایمان وعرفان پھونکنا تھا۔ لیکن قربان جائیے اس فخر مسیح پر جس نے مردہ دلوں کو حیات ابدی سے نوازا اور وہ اعجاز مسیحائی دکھایا، جو اپنی آپ نظیر تھا۔ لیکن پھر بھی اپنی عبدیت وتواضع کے پیش نظر انا اُخرجکم من الظلمٰت الی النور باذن ربی (میں تم کو اپنے رب کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہوں) فرما کر اپنی مسیحائی کا چرچا نہ فرمایا۔ عبد کامل ہو تو ایسا ہو، اور حبیب واصل ہو تو ایسا ہو فصلی اللھم وسلم وبارک علیہ۔

(۳) اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ حجت پوری ہو جائے اور لوگوں کو اللہ پر الزام دہی کا موقع نہ رہے اور نہ یہ کہہ سکیں کہ ہماری ہدایت کے لئے کوئی ضابطہ وقانون نہ آیا۔ اور اگر یہود ونصاریٰ پر اتارے گئے صحیفوں کی طرح کوئی صحیفہ آسمانی ہم پر بھی نازل ہوتا، تو ہم انسے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے پس یہ اسی لئے آتا را گیا کہ یہ بے خبر لوگ ایسے معارف الٰہیہ سے واقف ہو جائیں، جو آج تک دوسری قوموں پر منکشف نہیں ہوتے تھے اور اتنی مدت دراز تک ان کے جہل ونادانی سے رہنے کی تلافی ہو جائے۔

(۴) اس کا مقصد طوطے کی طرح الفاظ کا رٹا دینا نہ تھا بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ اہل علم اس کی آیتوں پر غور وفکر [illegible] اور اہل عقل وخرد اس کی نصیحتوں پر عمل کریں، جس قدر معارف میں اضافہ [illegible]

اللہ تعالے نے تدبر کو عموم علماء کے لئے عام اور تذکر کو خصوصی عقلا کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ کیونکہ تدبر سمجھنے کے لیے ہوتا ہے اور تذکر اجلال و عظمت اور خوف و خشیت دائم ہونے کے لئے ہوتا ہے۔ جو اکابر اہل علم کے ساتھ خاص ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ صفات نفسانیہ کے باعث قلب پر غفلت کا پردہ پڑ جانے سے مطلوب مفقود ہو جانے کے وقت تفکر ہوتا ہے اور فطرت اولیٰ کی جانب رجوع اور حجاب اٹھ جانے کے وقت تذکر ہوتا ہے (پس مطلب یہ ہوا کہ قرآن میں تفکر کے ذریعہ جب قلب سے حجاب غفلت اٹھ جائے گا) تو ازل میں معارف و توحید نفس میں منقش ہو گئے تھے، وہ یاد آتے جائیں گے اور تذکر ہو جائے گا۔ پس معلوم ہو گیا کہ کلام حق سے مقصود فقط الفاظ کا حفظ کر لینا نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصد تفکر و تذکر اور پند و نصیحت حاصل کرنا ہے۔ حضرت ابوبکر شبلی کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار حدیثیں پڑھیں۔ پھر ان میں سے ایک حدیث (عمل کے لیے) اختیار کی جس میں اگلوں اور پچھلوں کا علم مندرج تھا اور وہ یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا:۔

اعمل لدنیاک بقدر مقامک فیہا و اعمل لآخرتک بقدر بقائک فیہا و اعمل للہ بقدر حاجتک الیہ و اعمل للنار بقدر صبرک علیہا (روح البیان)

تو اپنی دنیا کے لئے اسی قدر عمل کر جس قدر تجھ کو اس میں ٹھہرنا ہے اور اپنی آخرت کے لئے اس قدر عمل کر جس قدر تجھ کو اس میں باقی رہنا ہے اور اللہ کے لئے اتنا عمل کر جتنی تجھ کو اللہ کی طرف احتیاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا عمل کر جس قدر تو اس پر صبر کر سکے۔

... ...

تم نے سنا کہ اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تعلیم دی اور عمل دنیا کی طرف سے بے اعتنائی اور عمل آخرت کی طرف رغبت کی کس طرح ترغیب دی اور کیسی حکمت سکھائی۔ اسی وجہ سے تو حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کی توصیف میں ویعلمھم الکتب والحکمۃ (وہ لوگوں کو کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں) فرمایا۔ صرف اسی ارشاد رسالت کو اگر اپنا دستور زندگی بنا لیا جائے، تو زندگی کتنی خوشگوار ہو جائے اور کیسی رحمت الٰہی ہاتھ آئے۔ یہ خصوصیت ہے۔ تمام علوم و حکم صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اتنے مختصر کلمات میں علم و حکمت کے سمندر بہا دیے۔ سچ فرمایا ہے آپ نے اوتیت جوامع الکلم (مجھ کو جامع کلم یعنی الفاظ کے اعتبار سے قلیل اور معانی کے اعتبار سے کثیر کلمات عطا فرمائے گئے ہیں)

حضرت شبلی کا یہ قول نقل کرنے [illegible] قرآن و حدیث کا مقصد محض الفاظ کا حفظ کر لینا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مقصود عمل کرنا ہے۔ [illegible] کہتے ہیں کہ صحابہ کرام بعض قرآنی سورتوں پر اکتفا کر لیا کرتے تھے [illegible] قرآن [illegible] کا مقصد صرف عمل کرنا تھا۔ [illegible]
[illegible]

فرما دیجیۓ تو آپ نے ایک صحابی کے سپرد کر دیا کہ اسے قرآن کی تعلیم دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو سورہ اذا زلزلت پڑھائی۔ یہاں تک کہ جب وہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ پر پہنچے، تو اس نے کہا کہ بس میرے لۓ کافی ہے۔ پھر اس بات کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کہ اس نے دین سیکھ لیا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ قرآن کو غلام اور بچے پڑھتے ہیں جنہیں اس کی تاویل و تفسیر کا کوئی علم نہیں۔ وہ اس کے حروف یاد کر لیتے ہیں اور اس کے حدود و حقوق ضائع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے قرآن پڑھ لیا اور اس کا کوئی حرف بھی نہیں چھوڑا۔ بخدا اس نے پورا قرآن چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس کے اخلاق و اعمال میں قرآن کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا ہے۔ خدا کی قسم قرآن پڑھنا اس کے حروف کی نگہداشت اور اس کے حدود کا ضائع کرنا نہیں ہے۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دار الحزن سے خدا کی پناہ مانگو کیونکہ جب وہ کھول جاۓ گا، تو دوزخ اس سے ستر مرتبہ امان مانگے گی۔ یہ (دار الحزن) ان قاریوں کے لۓ اللہ نے تیار کیا ہے، جو اپنے اعمال دکھاوے کے لۓ کرتے ہیں اور قاریوں میں بدتر وہ ہے، جو امرا کی زیارت کرتا رہتا ہے اور سلسلۃ الذہب میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ؎

رب تال یتلوه بالقرآن   وهو یفضی به الی الخذلان

اس طول کلام کا مقصد یہ تھا کہ قرآن حکیم صرف اس لۓ اتارا گیا کہ اس کے ذریعہ اعمال و اخلاق کی اصلاح ہو سکے اور اس میں غور و فکر کے باعث معارف الہیہ کے حصول سے قلب میں خشیت الٰہی پیدا ہو اور ذکر الٰہی و عبادت خداوندی میں انہماک بڑھے۔ اس کی تلاوت دنیوی منافع کے حصول کا ذریعہ اور کبر و نخوت کا سبب ریاکاری اور امرا کی دربارداری اس کی غایت نہ بنے۔

ارشاد الٰہی ہے:

اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم وقلوبهم الی ذکر الله ذلک هدی الله یهدی به من یشاء ومن یضلل الله فما له من هاد

(زمر ۲۳)

... ...

... ...

اللہ ہی نے بہترین کلام نازل فرمایا (جس کی باتیں) ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں (جس کی آیتیں) دہرائی گئی ہیں جس سے ان لوگوں کے بدنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف (متوجہ ہو کر) نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ وہ اس کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت فرماتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ فرما دے تو اس کے لۓ کوئی رہبری کرنے والا نہیں۔

لیکن یہ مت سمجھنا کہ قرآن کا پڑھنا معانی سمجھے بغیر فعل عبث ہے۔ بلکہ عبادت اور حصول تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اس کے متعلق تفصیلات تنویر اللمعان لحامل القرآن میں مذکور ہیں۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

(۵) ان آیات کریمہ میں قرآن کریم کی صفت میں مبارک فرمایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اس پر ایمان لایا اور اس کے احکام و حقائق و اشارات پر عمل کیا۔ اس کے لئے دین و دنیا میں کثیر المنفعت ہے۔ کیونکہ برکت کے معنی کسی چیز میں خیر الٰہی کا ثابت ہونا ہیں اور جس چیز میں یہ خیر پایا جائے وہ مبارک ہے۔ دوسری صفت دلیل و بیّنہ اور تیسری صفت ہدایت اور چوتھی صفت رحمت بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی صفات مختلف مواقع پر ذکر کی گئی ہیں اور یہ تعدد صفات ظاہر کرتا ہے۔ اس بات کو کہ یہ کتاب مقدس دوسرے تمام صحائف ربّانیہ پر فضیلت و برتری کی حامل ہے اور جب کتاب مبارک دوسری کتابوں سے افضل ہے تو صاحب کتاب صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل و برتر انبیاء و مرسلین ہونا بدیہی ثبوت ہوا۔

یہ وہ کتاب عظیم ہے جس نے انسانوں کو عقل و دانشمندی سے سرفراز کیا جس نے علوم و معرفت کے سمندر بہادیئے جس نے نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے لٹادیئے جس نے دنیا کو امن و سلامتی کا صرف زبانی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ بلکہ اس سے ہمکنار کر دیا۔ جس نے ظلم و عدوان کے آتش کدہ کو عدل و طاعت کو گلزار بنا دیا جس نے سرکشی و طغیان کی مضبوط بنیادوں کو متزلزل کر کے مسمار کر دیا جس نے قتل و غارت گری، فساد انگیزی و ہلاکت خیزی کا استیصال اور رحم و شفقت ہمدردی و ایثار، تواضع و انکسار جیسے اخلاق فاضلہ پیدا کر کے انسانیت کو بحالی بلکہ خوش حال کر دیا۔ جس نے فسق و فجور کا بازار سرد کر دیا کہ شیطان سر دُھننے لگا اور طاعت و عبادت کا مال و متاع ایسا پھیلایا کہ خدا خود خریدار بننے لگا اور ارشاد ہو گیا:

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (توبہ ۱۱۱)	اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے۔

یہ وہ کتاب کریم ہے۔ جس نے معیشت کے آداب سکھائے، معاشرہ کی اصلاح فرمائی، حقیقی تمدّن کی شاہراہ پر لاکر کھڑا کر دیا، اخلاق اس نے سنوارا، تدبیر منزل کو اس نے استوار کیا اور سیاست مدنیہ کو اس نے ہموار کیا۔ اس کے نتیجہ میں عائلی، شہری، ملکی، زندگی خوشگوار اور دنیا جنت و گلزار ہو گئی۔ اسی لئے ارشاد ہوا:

ھٰذا بصائر للناس وھدًی ورحمۃ لقوم یوقنون۔	یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے بصیرتیں اور یقین رکھنے والی قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے

بصائر، جمع ہے بصیرت کی، جو ایسا قلبی نور ہے۔ جس سے نفس معقولات کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ بصر، آنکھ کا وہ

اور ہے۔جن سے محسوسات دیکھے جاتے ہیں۔قرآن حکیم کو بصائر اسی اعتبار سے فرمایا کہ اس میں جو معالم و شرائع معاملت دنیا و آخرت مذکور ہیں وہ بمنزلہ بصیرت کے ہیں۔جو دل میں پائی جاتی ہے، جو بمنزلہ روح و حیات ہے۔پس جو شخص قرآن سے عاری رہا، تو اس کی بصارت و بصیرت معدوم ہوگئی اور اس مردے کے مانند ہوگیا جس میں نہ حس و حرکت ہے اور نہ زندگی اور بصیغہ جمع بصائر قرآن پر اس کے اجزا کے اعتبار سے محمول فرمایا کہ ہر جز و قرآن ایک بصیرت ہے جو ہر ورطہ ضلالت سے بچانے والا ہے۔اس لئے ہدایت بنا جس کی توضیح دوسرے مقام پہ اس طرح فرمائی گئی:

ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم
ویبشر المومنین الذین یعملون الصلحٰت
ان لھم اجرًا کبیرًا و ان الذین لا یومنون
بالاٰخرۃ اعتدنا لھم عذابًا الیمًا
(بنی اسرائیل)
... ...

بیشک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت کرتا ہے، جو نہایت سیدھا ہے اور ایسے ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں۔اس بات کی خوشخبری سناتا ہے کہ ان کے لئے بڑا ثواب ہے اور اس بات کی کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور چونکہ تمام دنیوی و اخروی سعادتیں اسی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں۔اس لئے رحمت قرار پایا۔

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

القرآن یدلکم علی دائکم ودوائکم
اما دائکم فالذنوب واما دوائکم فالاستغفار

قرآن تمہاری رہبری کرتا ہے تمہاری بیماری پر بھی اور تمہارے علاج پر بھی تمہاری بیماری تو گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے

پس جس نے قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی بیماری اور اس کے علاج پر مطلع ہوکر دوا استعمال کی، یقیناً وہ شفایاب ہوا۔اسی لئے ارشاد ہوا:

یایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمومنین قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون
(یونس، ۵۷و۵۸)
... ...

اے لوگو! واقعی تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت اور ان (بیماریوں) کی شفا آگئی ہے، جو سینوں میں (پوشیدہ) ہیں اور ایمان والوں کے لئے رحمت (آگئی) آپ فرما دیں کہ اللہ ہی کے فضل سے اور اسی کی رحمت سے، تو اسی کے باعث ان کو خوش ہونا چاہیئے۔یہ اس (سارے مال و دولت) سے بہتر ہے، جسے وہ جمع کرتے ہیں۔

قندِ پارسی

(از حسان الہند مولانا تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی ——— پاکستانی)

از جلوہ تجلی کرد، روے بنقاب اندر
چوں نار کند شب را ماہے بسحاب اندر

کیفے بغم عشقت جوشے بشراب اندر
آہے بدلِ بریاں، سیخے بکباب اندر

بر کاسۂ دا ژونت اے چرخ چہ می نازی
جز باد چہ می باشد در جام حباب اندر

آوازۂ محشر کرد بیداریٔ ما آخر
در گوشۂ تربت خوش بودیم بخواب اندر

در مدرسہا خواندن، در میکدہ دانستن
علمے ست بدل اندر، علمے بکتاب اندر

غوغائے جوانی چوں رسوائیٔ پیری ہست
زاں بہ کہ ترا آید پیری بشباب اندر

کرد است سرِ قاصد از تیغ قلم، امّا
از نوکِ قلم نوشت، حرفے بجواب اندر

ارباب نظر گیرند، درسے نظر افروزے
زاں جلوہ کہ بنماید، دریا بسراب اندر

ہر چند نماند از وے جز بوئے وفا باقی
دل ہست باشک اندر چوں گل بگلاب اندر

ہنگام رحیل آمد بے چارہ تمنّا را
پائے بزمیں دارد، پائے برکاب اندر

ادبیات

جلوۂ حسنِ دوعالم لے کے آئے ہیں

(از جناب الحاج سیّد اظہار الحق صاحب نظرؔ پٹنہ)

مسرت وصل کی اور ہجر کا غم لے کے آئے ہیں
دلِ مسرور و شاداں چشمِ پُرنم لے کے آئے ہیں

طوافِ خانۂ کعبہ کیا ہے، مثلِ پروانہ
سرورِ سلسبیلِ آبِ زمزم لے کے آئے ہیں

مصلّیٰ براہیمی پہ بھی سجدے کئے اکثر
کسی کی بندگی کا لطفِ پیہم لے کے آئے ہیں

وفورِ شوق میں چوما ہے جا کر حجرِ اسود کو
فیوض و برکتِ بیتِ مکرّم لے کے آئے ہیں

گلستانِ ارم دیکھا، تجلّیِ حرم دیکھا
ان آنکھوں میں بہارِ جاوداں ہم لے کے آئے ہیں

جبیں سجدوں سے روشن، دل منور نورِ یزداں سے
نظر میں جلوۂ حسنِ دوعالم لے کے آئے ہیں

احد کی وادیوں میں شان دیکھی ہے شہیدوں کی
فضائے بدر سے ایمان محکم لے کے آئے ہیں

مدینے سے سبھی آئے ہیں اپنی جھولیاں بھر کر
درِ خیرالوریٰ سے ہم بھی کیا کم لے کے آئے ہیں

خدا کا فضل رحمت ہے شہنشاہ دوعالم کی
نظرؔ اس سرزمینِ پاک سے ہم لے کے آئے ہیں

"عہد طرب کی یاد"

(از جناب ناصر خاں صاحب آزاد محمد آبادی)

آج تک شہر نگاراں یاد ہے
یاد ہے وہ ساز و ساماں یاد ہے
وہ طرب افزائے بزم مے کشاں
رقص و وجد بادہ نوشاں یاد ہے
جام و مینا جب کھنکنے لگتے تھے
کیف بزم مے پرستاں یاد ہے
ہاؤ ہو سے گونجتا تھا میکدہ
لغزش رفتار مستاں یاد ہے
شمع کافوری سے روشن بام و در
منظر صبح بہاراں یاد ہے
وہ شب آخر کی بزم آرائیاں
بہکے بہکے پائے رنداں یاد ہے
شمع اک تھی، جس کے پروانے ہزار
اور ان کا روئے تاباں یاد ہے

یاد کی دنیا کے ہم آزاد ہیں
میکدہ جنت بداماں یاد ہے

قطعات

(از جناب فہیم حیرت رحیمی)

ہد ماضی اُبھار لیتا ہوں
زخم دل پھر نکھار لیتا ہوں
نے کیوں بے بسی کے عالم میں
اُن کو اکثر پکار لیتا ہوں

ت کے سانچے میں ہر ایک کو ڈھلنا ہوگا
پھول کی سیج ہے کیا، کانٹوں پہ چلنا ہوگا
نا موہوم سی منزل پہ پہنچنے کے لئے
سانس لینے کا بھی انداز بدلنا ہوگا

سوچتے ہیں بہار دیکھیں گے
گل و بلبل کا پیار دیکھیں گے
کچھ دنوں گر رہا یہی عالم
ہر گلوں کا مزار دیکھیں گے

ظلم پہ ظلم کئے جاتے ہیں، پہ عار نہیں
روز محشر کی روایات کا کچھ بار نہیں
ساری دنیا کی خدائی وہ لئے بیٹھے ہیں
بخدا اپنے گریباں میں کوئی تار نہیں

کاؤ حالات

راز و نیازِ بلبل و گل ہم سے پوچھئے   نرگس کی آنکھ بنکے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی —— کچھ دوسروں کی ——

ملکی انارکی :

یہ ملک فطری طور سے کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ یہاں "لہریں" بہت چلتی ہیں۔ موسمی لہریں تو آپ جانتے ہی ہیں۔ سوکھے کی لہر یا گو کی لہر سے ہر سال واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اب یہاں کے لوگوں نے بھی مختلف لہریں چلانا شروع کر دیا ہے۔ ان دنوں "بند" کی لہریں چھائی ہیں۔ روزانہ اخبار میں یو پی بند، بنگال بند، آسام بند وغیرہ وغیرہ خبریں آپ دیکھتے رہتے ہیں۔

اس بند کی دو تعریف بیان کی جاتی ہے۔ مخالف پارٹیاں جو یہ "بند" کراتی ہیں اسے حکومت وقت کے خلاف عوام کا احتجاج بیان کرتی ہیں۔ اور خود حکومت اسے سیاسی ہتھکنڈہ اور توڑ پھوڑ کی کارروائیوں کا ذریعہ بتاتی ہے۔

گزشتہ ۹ اگست کو بہار بھی اسی لہر کا شکار رہا۔ گزشتہ سال بھی "پٹنہ بند" کرایا گیا تھا۔ نتیجہ کے طور پر کتنی ہی جگہوں پر گولیاں چلیں۔ جانیں گئیں اور لاکھوں کا نقصان ہوا۔ پورے پٹنہ میں کاروبار ٹھپ پڑا تھا۔ حکومت کو اس کا پورا تجربہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال بھی جب "بہار بند" کا نوٹس مخالف جماعتوں کے متحدہ محاذ نے دیا تو حکومت پورے طور سے ہوشیار ہو گئی اور وزیر اعلیٰ بہار نے اس سختی سے بزور طاقت کچل دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پورے بہار میں پولیس کا جال بچھا دیا گیا۔ اور ان تمام حضرات کو جو بہار بند کرانا چاہتے تھے، اس بند کا ایک حربہ بنا کر پہلے ہی نظر بند کر دیا گیا۔ گویا سیاسی پارٹیوں کے بہار بند سے پہلے ہی حکومت نے "لیڈر بند" کی لہر چلا دی نتیجہ کے طور پر آج تک بہار بے سر کی فوج ہو رہا ہے یعنی ہر لیول کے رہنما آج سرکاری مہمان ہیں۔ دلی سے جو بڑے بڑے رہنما جلتی آگ میں پٹرول چھڑکنے آئے تھے۔ یا جنہیں اس بند کا افتتاح کرنا تھا انہیں ہوائی اڈہ سے ہی یو۔پی، حکومت کو تحفہ کے طور پر پیش کر دیا گیا۔

حکومت کہتی ہے کہ "بند" جسے مخالف پارٹیوں نے چلانا چاہا بالکل ناکام رہا۔ اور خود حکومت کا چلایا ہوا "لیڈر بند" پورے طور پر کامیاب رہا۔ مخالف پارٹیوں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ حکومت نے جمہوری آئین کا گلا گھونٹ دیا۔

بہر حال نتیجہ جو ہوا ہو ہمیں صرف اس پر مسرت ہے کہ کتنوں کی جانیں بچ گئیں۔ جو یقینی طور سے ضائع ہو جاتیں اگر جلسے ہوتے

اور لوگ یہاں بے چینی پھیلا رہے تھے۔ یہ باتیں ختم ہو چکی ہیں اور جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اب حکومت کو چاہئے کہ وہ بھی لیڈر نمبر ۲ ختم کر دے اور تمام لوگوں کو رہا کر دے۔

تانجریا کا انقلاب :-

تانجریا میں پھر ایک بار انقلاب آیا ہے — اور عیسائی کمانڈر کا وہ اقتدار جو سر الحاج ابوبکر تفاوا اور سر احمد بن بیلو کے خون پر قائم کیا گیا تھا — بے ہر نیست و نابود ہو گیا

ان دو عظیم رہنماؤں کا قتل کر کے جس طرح عیسائی کمانڈر نے وہاں اقتدار حاصل کر لیا تھا وہ سارے عالم اسلام کے لئے انتہائی افسوسناک تھا — لیکن عیسائیوں کے ظلم و ستم کے روز و شب زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکے اور جلد ہی کرنل یعقوب کی سرکردگی میں وہاں فوجی انقلاب آیا۔ عیسائی کمانڈر اغوا کر لیا گیا اور کسی کو اس کے بارے میں کوئی پتہ نہیں کہ — اس کا حشر کیا ہوا۔

ملک کے بڑے حصوں پر مسلم فوجوں نے قبضہ کر لیا ہے لیکن دار الحکومت لاگوس پر اسی کمانڈر کی وفادار فوجیں قابض ہیں۔ تصفیہ کی باتیں چل رہی تھیں تاکہ وہاں مستقل امن قائم ہو سکے۔

خدا بخش خاں اورینٹل لائبریری پٹنہ میں مرحوم خدا بخش خاں کو خراج عقیدت :-

گورنر بہار شری کانے۔ ایس آنگرنے مرحوم خدا بخش خاں کی ۸۵ ویں برسی کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ خدا بخش خاں اورینٹل لائبریری کا ماضی اور مستقبل دونوں شاندار ہے۔ یہاں پندرہ ہزار کتابیں اور چھ ہزار قلمی نسخے موجود ہیں۔ دوران تقریر انہوں نے عربی اور فارسی کی تعلیم اور ترقی پر کافی زور دیا۔

جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے ریاست کے وزیر تعلیم شری ستندر نرائن سنہا نے کہا کہ خاں صاحب کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ عوام اس لائبریری سے مستفید ہوں کتابوں اور قلمی نسخوں سے فائدہ اٹھائیں۔

دوران تقریر موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ خدا بخش خاں صاحب نے یہ لائبریری قائم کر کے ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ تمام عرب اور ایران کی خدمت انجام دی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جب یہاں گورنر تھے تو انہوں نے اس کی اہمیت کو سمجھ کر اس کی ترقی کے لئے بہت مفید اور اہم کام انجام دیئے تھے۔ اس لائبریری کا شمار دنیا کی اہم لائبریریوں میں کیا جاتا ہے۔

یوم آزادی کی تقریب کے موقع میں علماء کرام کو اعزازات :-

اس سال یوم آزادی کی تقریب کے سلسلہ میں صدر جمہوریہ ہند نے عربی کے عالم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اور قاضی سجاد حسین صاحب دہلوی کو سرٹیفکیٹ آف آنر کا اعزاز عطا کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کی تحریروں میں نفسیات اور فلسفہ کا گہرا عنصر ملتا ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر ان کی یادگار تصنیف ہے۔ انہوں نے قرآن پاک کے مختلف سائنسی پہلوؤں کا خاص اسلوب سے مطالعہ کیا ہے۔ ہفتہ وار صدق جدید لکھنؤ کے ایڈیٹر ہیں۔

قاضی سجاد حسین صاحب مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی کے پرنسپل ہیں۔ موصوف جید عالم ہونے کے ساتھ [illegible] کے حامل ہیں۔

اور متعدد علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔

جلسۂ منقبت و سیرت غوث اعظمؓ :-

۱۰ ربیع الثانی جمعہ ۸ بجے شام کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں غوث پاک کی سیرت مقدس کا جلسہ منعقد ہوا۔ تلاوت کلام مجید کے بعد حافظ شفیع الرحمٰن اور مولوی یٰسین احمد اور مولوی حافظ ادریس احمد متعلمین دارالعلوم مجیبیہ نے منقبت کی نظمیں پڑھیں۔ اس کے بعد جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری نے اپنے مخصوص علمی و تحقیقی انداز میں حضرت غوث اعظمؓ کی سیرت طیبہ پر ایک سیر حاصل مقالہ پڑھا جس کے پُر اثر بیان سے حاضرین و جلسہ شرکا رسس محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

عرس

حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ المرتاض مولانا شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ کا سالانہ ایصال ثواب اور عرس و فاتحہ ۲۸، ۲۹ جمادی الاول پنجشنبہ جمعہ مطابق ۱۵، ۱۶ ستمبر کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہوگا اور ۲۹ گزار کر رات میں حضرت قمر طلعت مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ کا سالانہ فاتحہ و تقریب عرس ہوگی۔

چاند کی اطلاع ــــ ماہ جمادی الاول ۱۳۸۶ھ :-

۲۹ ربیع الثانی بدھ کو پھلواری شریف میں چاند نہیں دیکھا گیا۔ موسم برسات کی وجہ سے شام کو ابر غلیظ تھا۔ اور باہر سے بھی اب تک رویت کی مصدقہ اطلاع نہیں آئی ہے اس لئے ۳۰ کے حساب سے یکم جمادی الاول جمعہ مطابق ۱۹ اگست ہوئی اور ۱۱ جمادی الاول سمبار مطابق ۲۹ اگست ہوگی اور ۲۸، ۲۹ جمادی الاول جمعرات جمعہ ۱۵، ۱۶ ستمبر ہوگی۔

بقیہ لمعات

فرقہ وارانہ فسادات ہی کو لے لیجئے۔ ایک طبقہ اس کا ایسا عادی ہوگیا ہے۔ کہ روزانہ کی زندگی میں بھی بغیر لوٹ مار اور آتشزدگی کئے ہوئے اسے چین نہیں ملتا۔ جب تک یہ سلسلہ صرف اقلیت تک محدود رہا۔ اس کی اہمیت کم سمجھی گئی اور اسے کوئی خوبصورت موڑ دے کر اس کے جواز کی دلیل پیدا کرلی گئی۔ لیکن اب جبکہ لوگوں کی روزانہ کی زندگی کا یہ ایک جزو بن گیا ــــ تو سبھوں کو معلوم ہوگیا کہ ایسی ذہنیت والوں کو شہہ دینے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

یہی کیفیت درسی کتابوں کے سلسلہ میں ہوئی۔ اقلیتوں کو برا بھلا لکھ لکھ کر لوگ اتنے عادی ہوگئے ہیں ــــ کہ اب خیال ہی نہیں رہا کہ کون تحریر ملک کو فائدہ پہنچا رہی ہے اور کس سے شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

وزارت تعلیمات پر لاکھوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ اس ملک کے ہر شہری کا یہ حق ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کرے کہ اس کے خون پسینے کی کمائی پر چلنے والے اس ادارہ میں جو خرابیاں ہیں، انہیں دور کیا جائے ــــ ہماری آنے والی نسل ایسی تیار ہو، جو اس ملک کو مستحکم کر سکے۔ نہ کہ ہم اپنے ہی ہاتھوں اس ملک کی تباہی لانے والا خود پیدا کریں۔

دار الاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

موسومہ

اعیان وطن

پھلواری شریف کے دو سو چوالیس علماء، صوفیاء، محدثین، عہدیداران حکومت، قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندگان کی سوانح حیات و آثارات و تبرکات و اسناد سلاسل و احادیث اور مقابر و مساجد و خانقاہوں کی جامع تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت صہ

نعمت کبریٰ

انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفاۃ حیات جسمانی کے ثبوت میں ایک محققانہ تصنیف۔ قیمت:- عہ

عطر الوردین

شیوخ سلسلۂ مجیبیہ کی دو ذات گرامی کا مجموعۂ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت:- ۱۲ر

محی الملۃ والدین

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مولانا الحاج شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ، سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ کی مکمل سوانح حیات جس میں اُن کے علمی و عملی کارنامے بالتفصیل درج ہیں اور اکابر پھلواری کے حالات ضمناً مرقوم ہیں۔ اس کے نسخے سب ختم ہوگئے۔ دوبارہ طباعت کی توقع ہے۔

SEPTEMBER 1966] [Regd. [illegible] P. 1074

Phone No : 23289

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سیّد لطف احمد قادری دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

هو الفرد المجيب ولي النعمة

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

ماہنامہ
المجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

سالانہ
چھ روپے

فی پرچہ
۶۲ پیسے

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

(۱) بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلاء، صوفیاء، شعراء اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور [illegible] کی
اور ارباب ہمت حضرات کی اس میں شرکت اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے

قواعد

لائف ممبر قسم اول:- جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے۔ ایسے علم دوست حضرات کو دار الاشاعت کی جملہ مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

لائف ممبر قسم دوم:- جو صاحب پچاس روپیہ عطا فرمائیں گے ان حضرات کو اعیان وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

لائف ممبر قسم سوم:- جو صاحب پچیس ۲۵ روپیہ عطا فرمائیں گے۔ انکی خدمت میں اعیان وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہوں گی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

مقام اشاعت:- دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آڈر بھیجی جائے، منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہیئے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے۔ جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے خط لکھنے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔ بار بار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر کوپن پر صاف طور پر لکھیں اور کام کرنے والوں کو مشکلات سے بچائیں۔

محمد عبد الربان قادری مجیبی - مہتمم دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف

رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۷۴ — سید الفرد المجیب عن الغمۃ — ۳۳۲۹

ماہنامہ

المجیب

پھلواری شریف (پٹنہ)

قیمت سالانہ ۶ روپے، فی پرچہ ۶۲ پیسے

پاکستان وغیر ممالک سے ۸ روپے

جلد ۲ | ماہ جمادی الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۶۲ء | شمارہ ۹

فہرست

مدیر مسئول:-

سید احمد حسین سہسرامی

مجلس مشاورت:-

سید یوسف رضوی

ظفر حسنین

اسماعیل حسنین نقوی

پرنٹر پبلشر:-

سید لطف احمد قادری

مطابع:-

لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ - پٹنہ ۴

مقام اشاعت:-

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ

پھلواری شریف - پٹنہ

بہار کی یونائیٹڈ فرنٹ نے انتخاب سے پہلے اپنے منشور کے دفعہ ۳۳ میں اس بات کا عہد کیا تھا کہ اگر اسے حکومت بنانے کا موقع ملا، تو اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے گا ـــــ انتخاب ہوا اور کانگریسی سرکار کا جنازہ نکل گیا۔ اس جنازے کا کاندھا دینے میں اردو دوست حضرات پیش پیش رہے ـ دن رات کی مشقت، شدید تکالیف، طول طویل سفر اور انتھک محنت کے بعد ان لوگوں نے یونائیٹڈ فرنٹ کو برسرِ اقتدار لا دیا ـــــ حکومت بن گئی۔ ملی جلی حکومت ـ جس میں جن سنگھ بھی شریک ہے، جو بقول اس کے شروع ہی سے اس ۳۳ویں دفعہ کی مخالف رہی ہے۔

اب حکومت نے اپنے منشور کے ہر دفعہ پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ فاقہ کشی کے خلاف زبردست مہم چلائی گئی۔ صوبہ کے بہت بڑے حصّہ کو قحط زدہ قرار دیا گیا اور شکلات میں پڑے عوام کو تمام وہ سہولتیں مہیّا کی گئیں، جو قحط زدہ علاقہ کے لئے ضروری تھیں۔ نتیجہ کے طور پر کروڑوں انسان جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے، خطرے سے دور ہو گئے۔ قحط کے بھیانک بادل اب چھٹنے شروع ہو گئے ہیں اور امید ایسی کی جاتی ہے کہ فاقہ سے اب کسی کی موت نہ ہوگی۔

اسی طرح دوسرے شعبے میں بھی حکومت نے دلیرانہ قدم اٹھائے ہیں۔ بڑے بڑے ذخیرہ اندوزوں اور ساہوکاروں کے خلاف کارروائیاں کی گئی ہیں ـــــ ان لوگوں کی لاکھ مخالفت کے باوجود حکومت نے وہی قدم اٹھائے جو عوام اور صوبہ کی سلامتی کے لئے ضروری سمجھے گئے۔ اس سلسلہ میں نہ حکومت پر کسی دھمکی کا اثر ہوا، نہ بے جا جلسے و جلوس کا۔ طلباء کے مسئلے بھی بہت حد تک حل کر دیئے گئے ہیں اور ان کی بہتری کے لئے نئے نئے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ یہاں بھی راہوں میں بچھائے جانے والے تمام روڑے نظر انداز کر دیئے گئے۔

اب ایک اہم مسئلہ اُردو کا رہ گیا ہے۔ سبھوں کو ـــ اردو سے محبت رکھنے والے ہر فرد کو اس کا یقین ہے کہ حکومت اپنے اس وعدہ سے بھی منہ نہیں موڑے گی۔ انتخابی منشور کے علاوہ گورنر کے خطبہ میں بھی صاف طور پر یہ درج تھا کہ حکومت اُردو کو ثانوی درجہ دے گی۔ لیکن اُردو مخالفوں کو جن کی رہنمائی جن سنگھ اور کانگریس کے کچھ متعصب لوگوں کے ہاتھ میں ہے ـــ یہ بات کیسے

کھڑا ہو سکتی ہے۔ پہلا تو جن سنگھ نے تو اس دفعہ کی مخالفت کرتے ہوئے ہی حکومت میں شرکت کی۔ اس کے بعد بھی جب موقع ملا زہر اگلا گیا لیکن جب ان تمام چیزوں سے بھی چین نہیں ملا اور حکومت کو اس سلسلہ میں قدم آگے بڑھاتے دیکھا، تو عوام کو درغلا کر جلسے جلوس گھیراؤ گھیراؤ کی نوبت پہنچادی۔ اس مسئلے میں آگے آگے ہندی ساہتیہ سمیلن والوں کو رکھا گیا ہے۔ جس کے قیام کا مقصد ہندی کی ترقی و اشاعت ہے لیکن کام جس سے دوسری زبانوں کی جڑ کھودنے کا لیا جا رہا ہے۔

بہت سے مسئلے میں حکومت کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہاں تک کہ جب موت سے ہمکنار انسانوں کو بچانے کے لئے بہار کو قحط زدہ علاقہ قرار دیا جانے لگا، تو بھی کتنے ہی تھے، جو اس کے مخالف تھے۔ شاید ان کے نزدیک انسانوں کی زندگی سے زیادہ نام و نمود پیارا تھا۔ اسی طرح دوسروں کا خون چوسنے والے ذخیرہ اندوزوں اور اس کے سرپرستوں نے بھی پولیس کے چھاپے کے خلاف زوردار مورچہ بنایا۔ لیکن حکومت ان تمام مخالفت سے بے پروا قدم آگے بڑھاتی رہی —— انسانوں کی زندگی بچانے کے قدم، ان کے لئے کھانا کپڑا اور تعلیم کے بندوبست کے قدم بڑھتے رہے —— مخالفت دم توڑتی رہی۔

اب اُردو کے خلاف بھی ایک ایسی ہی لہر اٹھی ہے جس کے اندر کسی خلوص اور بہتری کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ جذبات، تعصب اور تنگ نظری ایسا کرا رہی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ یہاں بھی وہ ہر مخالفت کے آگے شیشہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے یہ سچ ہے کہ یہ تحریک بڑی منظم اور اس کی کوئی انتہا نہ ہوگی — لیکن حکومت کی مستعدی اور اس کا عزم و حوصلہ ان لوگوں کی کمر توڑ دے گا، جو ملک کے دشمن ہیں، اتحاد اور سیکولرزم کے دشمن ہیں، ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے دشمن ہیں۔ اگر اس مسئلہ پر حکومت نے ذرا بھی کمزوری دکھلائی اور مخالفوں کے آگے جھکی، تو پھر ان لوگوں کے دلوں میں، جنہوں نے اس سے بڑی بڑی امیدیں باندھ رکھی ہیں، حکومت کی وقعت بالکل گر جائے گی۔

ہم اہالیانِ حکومت — خاص کر وزیر اعلیٰ اور نائب وزیر اعلیٰ سے کہیں گے کہ یہ وقت ان کی آزمائش کا ہے۔ اگر اس موقع پر ان کے قدم نہیں لڑکھڑائے، تو پھر کوئی طاقت انہیں ہلا نہیں سکتی۔

ہم اُردو والوں سے بھی یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ انتہائی صبر و ضبط سے کام لیں، اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں اور کسی طرح اس مسئلے کو بگڑنے نہ دیں۔ ہمارا مطالبہ حقیقی اور آئینی ہے۔ لاکھ مخالفت اس کی راہ نہیں روک سکتی۔ ہاں ہماری جد و جہد، پُرسکون اور آئینی جد و جہد جاری رہنی چاہیئے —— بلکہ وہی جذبہ اور ولولہ پیدا ہونا چاہیئے جس کا مظاہرہ انتخاب کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔ جب اُردو والوں کی ٹھوکر سے تخت، تختہ بن سکتا ہے —— تو یہ معمولی مخالفت راہ میں کیا حائل ہو سکتی ہے۔

(ادارہ)

ذکر میلاد شریف

موجب برکات وحسنات اور باعث اجر وثواب ہے

(از جناب مولانا محمد شفیع اللہ صاحب سہسرامی، شیخ الحدیث دار العلوم مجیبیہ، پھلواری شریف)

(۲)

الغرض مروجہ رسم نہ سمجھتے ہوئے مکمل خلوص ونیک نیتی کے ساتھ میلاد شریف کا ذکر کرنا موجب برکات وباعث اجر وثواب ہے۔ کیونکہ اس میں فضائل واستحباب کے علاوہ ایک ایسی مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہے جو دینیاً ودنیاً میں محمود ومقبول ہے۔ اور وہ مصلحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دلوں میں مستحکم وجاگزیں ہونا ہے، دینی اور دنیوی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے محبت کے ساتھ پیدائش مبارک کے حالات طیبات کو سننے سنانے کے لئے مجتمع ہونا سعادت دارین سے بہرہ اندوز ہونے کا ایک نورانی وسیلہ ہے،

علامہ نجم الغیطی نے شیخ الاسلام عسقلانی کا قول نقل کیا ہے کہ ہر سال مولود شریف میں روزہ رکھنے کی اصل بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کرکے تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھا کرتے ہیں، اس کی وجہ ان سے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ یہ روزہ وہ ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ نے فرعون کو ہلاک کیا اور موسیٰ کو نجات دی اس لئے اس کے شکریہ میں عاشورہ کے روز ہم لوگ روزہ رکھا کرتے ہیں آپ نے فرمایا نحن احق بموسیٰ منکم یعنی ہم تم سے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ آپ نے بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

علامہ ابن رجب حنبلی وغیرہ علماء سابقین نے بھی اسی کے قریب قریب جواز مولود شریف پر استدلال کیا ہے۔

امام سیوطی نے لکھا ہے کہ مولود شریف کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ خود بنفس نفیس فرمایا، حالانکہ آپ کے جد امجد حضرت عبد المطلب نے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کر دیا تھا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا ہے پھر بھی آپ نے عقیقہ کا اعادہ فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اس اعادہ عقیقہ سے آپ کا مقصد ومنشا اظہار شکر تھا کہ اعلیٰ درجہ کی نعمت پر اگر شکر کا بھی اعادہ کیا جائے تو بہتر ہے۔

حافظ ابن حجر مکی نے ارشاد فرمایا ہے کہ مولود شریف کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں شیطان کی ناراضگی اور اہل ایمان کے لئے سرور ومسرت ہوتی ہے، ذیل میں حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری شریف کے فتویٰ کا مفہوم درج کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتا ہوں جو انہوں نے میلاد شریف کے جواز واستحباب کے ثبوت میں تحریر فرمایا تھا۔

مجلس میلاد شریف کے متعلق یہ ایک عظیم المرتبت شخصیت کا فتویٰ ہے جن کے پایۂ علم و علوم کی عظمت و رفعت کو تمام امت اسلامیہ تسلیم کرتی ہے تمام آئمہ متقدمین اور متأخرین، اور ہر مکتب کے خیال ماہرین کے نزدیک علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے اقوال قابل سند ہیں، ان کا ماننا ہی دد مرد وں کے لئے علم ہے،

علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ حسن المقصد فی عمل المولد میں ذکر کیا ہے کہ شیخ الاسلام عسقلانیؒ سے مولود شریف کی مجلس منعقد کرنے کی متعلق شرعی فتویٰ دریافت کیا گیا تو انہوں نے ایک جامع فتویٰ تحریر فرمایا تھا

مجلس میلاد شریف منعقد کرنے کا عمل بطریقۂ مروجہ اگرچہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے عہد سراپا عہد میں عام طور پر رائج نہ تھا، اور نہ اس کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی کیونکہ عہد رسالت کے قریب کے باعث عامۃ المسلمین کے قلوب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت جاگزیں تھی،

لیکن اس اصلیت سے متعلق مختلف سندوں سے آثار صحابہ مروی ہیں، اس کے باوجود اس مجلس مبارک میں کئی محاسن اور خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں جو عند اللہ محبوب ہیں، جن سے عامۃ المسلمین کے روحانی و ایمانی قویٰ شگفتہ ہوتے ہیں، صلوٰۃ و سلام کی کثرت ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہوتی ہے، شرکاء جلسہ کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں فرشتگان رحمت اپنے پروں سے ایسی مجلس کو ڈھانک لیتے ہیں، اور تمام شرکاء اس رحمت اور مغفرت کے سزاوار و مستحق ہوتے ہیں.

البتہ کچھ بے علم اور ناعاقبت اندیش لوگوں نے غلط اور موضوع روایات کے بیان کرنے کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے اسراف اور فضول تکلفات کو بھی لازمۂ مجلس قرار دیدیا ہے، اس لئے اگر کوئی اہل ایمان ان کانٹوں سے بچ کر صرف پھولوں کو چنے، مفاسد سے پرہیز کر کے محاسن کو اختیار کرے تو پھر یہ مجلس میلاد ایسا نیک کام ہوگا جس کو خلوص نیت سے انجام دینے میں قرب خداوندی اور اجر و ثواب ملے گا، خیر و برکت ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت زیادہ ہوگی، ایمان و اخلاص کامل ہوگا، اور اگر اس مجلس کے انعقاد میں خلاف شرع کاموں کو بھی شامل کر دیا گیا مثلاً اسراف سے کام لیا جائے، نام و نمود کی خاطر، یا کسی یتیم وغیرہ کا حق مار کر اس مجلس کے انعقاد کا اہتمام کیا جائے، سوقیانہ مبتذل نظموں کو پڑھا جائے مٹھائی اور میلاد خواں مولوی صاحب کے نذرانہ کے بندوبست کے لئے قرض کا بار اٹھایا جائے تو پھر ان امور کے مشتمل ہو جانے کے سبب مجلس میلاد کی افادیت و اہمیت ختم ہو جائے گی، دینی فوائد و محاسن اور دور رس متوقع نتائج و اثرات کی توقعات بھی منقطع ہو جائیں گی، اجر و ثواب اور خیر و برکت سے محروم ہو جائیں گے، لہٰذا ایسی باتوں سے اس پاکیزہ مجلس کو الگ رکھنا واجب ہے،

علامہ ابن حجر اپنے فتویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کے جائز و مستحب ہونے کے ثبوت کے لئے اصل دلیل یوم عاشورہ کا روزہ ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے نجات پانے کے شکریہ میں رکھا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے معمولات میں شامل فرمایا اور ساری امت کے لئے بھی اس دن کا روزہ رکھنا مسنون و مستحب اور باعث اجر عظیم قرار دیا،

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ کسی ایسے معین روز میں جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی مخصوص انعام و اکرام فرمایا ہو، یا کسی بلا و مصیبت اور مرض سے نجات دی ہو، اس دن خدا کا شکر بجالانا مسنون ہے اور ہر سال اس مبارک دن کی آمد پر اس شکر کو دہرانا

مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ مختلف طریقے سے ادا کیا جاسکتا ہے، نوافل نماز پڑھ کر، نفل روزے رکھ کر شکریہ ادا کیا جاتا ہے یا [illegible] کے ذریعہ صدقات و خیرات کرکے مساکین کو کھانا کھلا کر ننگوں کو کپڑے پہنا کر بھی خداوند قدوس کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے، حدیث شریف [illegible] کھجور کے ایک ٹکڑے کو راہ خدا میں دے کر، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو خندہ پیشانی سے کلمۂ خیر کے ذریعہ ہی اپنے آپ کو آتش دوزخ سے بچایا جاسکتا ہے، خداوند تعالیٰ کی خوشنودی و مرضی حاصل کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، یہی اس کی بے شمار نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرمایا اور ملت اسلامیہ کا علمبر گوشہ بنایا، اس سب سے بڑے احسان کا شکریہ یہ ہے کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بنیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی اتباع و پیروی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں، اصولی طور پر جب اس نعمت عظمیٰ کا منت پذیر ہونا ہمارا فرض منصبی قرار پایا تو جب جزوی طریقے پر وہ تمام امور بھی اسی شکر گذاری میں داخل ہوں گے جن کے عمل میں لانے سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ اس نعمت عظمیٰ کی شکر گذاری کے لئے انجام دیئے گئے ہیں، مجلس میلاد شریف کا اہتمام کرنا، اس موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار کرنا بھی اس شکر گذاری کا ایک فرد ہے جس کو محض اس لئے عمل میں لایا جاتا ہے کہ عوام و خواص اس نعمت عظمیٰ کے ظہور پذیر ہونے کی یاد کو تازہ رکھیں اور اس ظہور قدسی کے وقت کی مسرتوں اور فرحتوں [illegible] رکھیں، اپنے ایمان و اخلاق کو استوار کریں اور اپنے آپ کو دین و دنیا کی صلاح و فلاح سے آراستہ کریں،

واقعات پیدائش مبارک، رضاعت اقدس، عہد طفولیت اور نبوت کے ساتھ معجزات بابرکات کو سنیں، سنت مبارکہ اور عبادات کے حالات طیبات بھی معلوم کریں اور اپنی قومی اور ملی زندگی کے نظام کو اس کے مطابق ڈھالیں اور اپنے گرتے ہوئے وقار کو بلند کریں،

چونکہ بنابر شہرت ۱۲ ربیع الاول کو ظہور قدسی ہوا اس لئے اسی مخصوص تاریخ کو ایک عظمت و برتری حاصل ہے، کیونکہ خداوند قدوس کی عظیم ترین نعمت کے عطا کئے جانے کی یہ مقدس تاریخ ہے۔

پس اس نعمت عظمیٰ کی شکر گذاری و منت پذیری کے لئے اسی تاریخ ولادت کو مقرر کرنا انتہائی مستحب و مستحسن امر ہوگا۔ اور ہر سال اسی تاریخ میں جشن عید میلاد منا کر خداوند قدوس کی اس سب سے بڑی نعمت کا مشکور و ممنون ہونا سعادت اندوزیوں کا بہترین [illegible] ترین وسیلہ ہوگا، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یوم عاشورہ کے واقعہ تشکر کے مطابق ہوجائے،

لیکن جو شخص اس معینہ تاریخ ولادت میں مجلس میلاد منعقد کرنے کا اہتمام نہ کرسکے تو پھر اس کو چاہیئے کہ اس مبارک مہینہ کی کسی بھی تاریخ کو اس نورانی مجلس کے منعقد کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہو، بلکہ علماء کے ایک عظیم گروہ نے اس مسئلہ میں اس سے بھی زیادہ وسعت دی ہے کہ حصول برکت کے لئے حسب سہولت جب بھی موقع ہو ذکر ولادت مبارک سے فیضیاب ہوں، اگرچہ خاص یوم ولادت شریف کی معینہ [illegible] وقت صبح صادق میں قدرت نے جو مخصوص خیر و برکت اور نورانیت عطا فرمائی ہے وہ معنوی و باطنی محاسن دوسرے مہینوں [illegible] تاریخوں میں اور بارہویں کی صبح صادق کے علاوہ اوقات میں نہیں ہوسکتی۔

تاہم خلوص نیت، صدق ارادت کے باعث جس تاریخ، جس مہینہ اور جس وقت بھی ذکر ولادت سعادت کے لئے مجلس منعقد

کی جائے گی اس میں خیر و برکت، رحمت و نورانیت کا نزول ہوگا اور اہتمام کرنے والوں کی مغفرت و نجات کا موجب ہوگا،

اب رہی یہ بات کہ اس تقریب سعید کے موقع پر کیا کرنا چاہئے تو اس کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ اس موقع پر صرف انہی باتوں پر اکتفا کرنا چاہئے جن سے اللہ تعالیٰ کی بڑی ہوئی نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کیا جانا مقصود رہے، سادگی کا خیال رکھتے ہوئے جملہ اہتمام کیا جائے، اس میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، غرباء و اہل حاجت کو حسب مقدرت کھانا کھلایا جائے، توبہ و استغفار کیا جائے، اپنے اعمال و اخلاق کو سنت کے مطابق ڈھالا جائے، درود شریف کثرت سے پڑھی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین صلحاء امت اور علماء کرام کی محبت، عظمت اور احترام کو اپنا شعار بنایا جائے،

مجلس میلاد شریف میں جو کچھ بیان کیا جائے وہ صحیح ہو، جو کتاب پڑھی جائے اس کے مضامین صحیح ہوں کتاب معتبر عالم کی لکھی ہو، نعت میں مضامین عالیہ ہوں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن اوصاف حمیدہ، اخلاق جمیلہ اور معجزات باہرات کا ذکر ہو، نظم و نثر میں آپ کے زہد و اتقاء اطاعت و عبادت اور معاملات کی راست بازی، حقوق العباد کی ادائیگی کے مضامین ہوں، تاکہ سامعین کے دلوں میں ایمانیات کے قوی شگفتہ ہوں، باہمی ہمدردی، خلوص، ایثار وغیرہ اوصاف حمیدہ ان کے اصول میں ترقی پذیر ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات عظیمہ سے سامعین متعارف ہوں، اپنوں اور غیروں کے ساتھ مل کر رہنا سیکھیں، ناسازگار ماحول سے نہ گھبرانا اور غیروں کو اپنانا سیکھیں، صبر و شکر، رضا و تسلیم کا شیوہ اختیار کریں، خدا و رسول کی رضا و خوشنودی حاصل کرکے دارین کی صلاح و فلاح سے آراستہ ہوں،

تکلفات بیجا، اسراف، ڈھول باجے، نوبت اور شہنائیوں کے استعمال سے اس تقریب کو الگ رکھنا لازمی ہے، خاص مجلس میلاد میں ان امور سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور سب سے زیادہ ضروری موضوع ہے منگھڑت روایتوں کے بیان سے احتراز کرنا ہے، حضرت شیخ الاسلام عسقلانیؒ نے یوم عاشورہ سے جو استدلال کیا ہے وہ نہایت قابل قدر ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی ایک معین عاشورہ میں ہوئی تھی، مگر سال بھر میں صرف اسی دن کو یہ فضیلت ہے کہ اس نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے اور مکرر ہر سال ادا کیا جائے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو واقعہ مکرر نہیں ہوتا ہے مگر اس کی برکت کا اعادہ ضرور ہوتا ہے، اس اعادہ برکت پر دوسری دلیل یہ ہے کہ ہر دو شنبہ کو ابولہب کے لئے ولادت مبارک پر مسرت و خوشی کے اظہار کے سبب اس برکت کا اعادہ ہوتا ہے، اور اس پر سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب مذبوح ہونے سے بچائے گئے جس کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشی ہوئی، تو ہر سال اسی خوشی کا اعادہ ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اعادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہر سال اسی دن عید الضحیٰ کی تقریب سعید منائی جاتی ہے، خیر و برکت اور نورانیت کا مشاہدہ ہوتا ہے، اعمال صالحہ خصوصاً قربانیاں مقبول ہوتی ہیں۔

قیام باقی رہا یہ سوال کہ میلاد شریف میں کھڑے ہوکر صلوٰۃ و سلام پڑھنا کیسا ہے تو یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ جب خود مجلس میلاد ہی واجب اور فرض کا درجہ نہیں رکھتی ہے تو پھر اس کے ایک حصہ کو واجب یا فرض کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے یہ قیام عبادت مقصودہ نہیں ہے البتہ اصل ذکر میلاد شریف اور عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عبادت ہے جیسا کہ بعض احادیث میں مروی ہے، اور اسی عبادت کی ادائیگی کے لئے قیام کو بھی اختیار کیا گیا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ قیام کی حالت میں صلوٰۃ و سلام

پڑھنے کو نا جائز نہیں سمجھا جاتا ہے اس لئے فدایان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام کو باعث مستحسن سمجھتے ہیں، اور ذوق وشوق کے ساتھ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں روحانی لذت وکیفیت پاتے ہیں، اور اس کو دینی وآخروی برکت اور نزول رحمت کا وسیلہ قرار دیتے ہیں، اس قیام میں کسی بد عقیدگی کو دخل نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد صرف اظہار محبت وعظمت کے ایک عملی طریقہ کی اختیار کرنا ہے، کیونکہ اظہار محبت صرف قیام کی حالت میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے ہی میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کی دوسری صورتیں بھی ہوسکتی ہیں، اگر جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا اس کے متعلق بھی کیوں اور کس لئے کے الفاظ استعمال کئے جائیں گے، اس لئے ذکر ولادت شریف کے وقت اظہار محبت واحترام کے لئے جو طریقہ یا جو صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے ان سب میں قیام کی حالت زیادہ افضل ہے۔ جو انسانی فطرت کے بھی مطابق بھی ہے بنا بریں صلوٰۃ وسلام کے وقت حالت قیام کو متعین کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے،

غور کرنے کے بعد شریعت مطہرہ میں بھی اس قیام کی اصلیت موجود پائی جاتی ہے، جیسا کہ حج کے ارکان کا تعین اس واقعہ کے پیش نظر کیا گیا ہے جو حضرت بی بی ہاجرہؓ سے صادر ہوئے تھے، گویا ہم اس واقعہ کو یاد کر کے صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ چکر لگاتے ہیں کیونکہ ایک وقت حضرت ہاجرہؓ نے بھی پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے، اسی طرح میلین اخضرین کے درمیان دوڑنے کا ہمیں بھی وہاں دوڑنے کا حکم ہے کیونکہ ان تمام احکام کے بجالانے سے اصلی واقعات پیش نظر ہو جاتے ہیں۔

اب اگر مولود شریف کے بیان کے وقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی اور آپ کا ظہور قدسی ہم مشتاقین کے پیش نظر ہو اور ہم غایت مسرت میں ادب واحترام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور صلوٰۃ وسلام پڑھیں تو ہمارا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا آئینہ دار ہوگا، یا یوں سمجھ لیجئے کہ خداوند قدوس کی رحمت بے پایاں کا جب زمین پر نزول ہوا، اور ساری زمین کو اس رحمت نے ڈھانک لیا ہی تو اگر کائنات کا ہر ذرہ اس رحمت کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی فرحت وسرور میں درود وسلام نچھاور کرنے لگیں تو بتائیں کون سی شرعی وفقہی قباحت لازم آجائے گی،

ایسے مسرت انگیز موقع کی یاد کو باقی اور تازہ رکھنے کے لئے میلاد شریف کے ذکر کے وقت عاشقان جلوہ محمدی کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعظمت کی ایک علامت قرار دیتے ہیں،

تخیل وتصور پر آثار کا مرتب ہونا انسانی فطرت میں داخل ہے جیسے فتح ونصرت، کامیابی وظفرمندی کا خیال کرنے سے یا اس کا تذکرہ کرنے سے بشاشت کے آثار چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں، اور اندوہ وملال اور غم کے حادثہ کو یاد کر کے حزن وغم کے اثرات ظہور میں آتے ہیں، آنکھیں پرنم اور اشک ریز ہو جاتی ہیں، علاوہ ازیں خود شریعت مطہرہ میں بھی تخیل وتصور کو مدنظر رکھا گیا ہے، حج کے ارکان سعی وغیرہ کی مثال اوپر گذر چکی ہے، جامع صغیر میں لکھا ہے کہ جس شخص کا نام محمد یا احمد ہو اس کا اکرام کرو، اس کو ملامت کرو، اس کے نام کو بگاڑ کر نہ پکارو، کسی برائی کو اس کا نام لے کر منسوب نہ کرو، اور اسے اذیت نہ پہنچاؤ، کیونکہ اس کے نام کے تذکرہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پیش نظر ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جب ظہور قدسی کا مبارک مہینہ آتا ہے اور تمام عالم اسلام میں مسرت وخوشی کی لہر دوڑ جاتی ہیں، محبت وعظمت

دیعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مومنین کے قلوب سرشار ہو جاتے ہیں، چار دانگ عالم میں آپ کی آمد آمد کا طرب و سرور کا ایک بیش بہا سماں چھا جاتا ہے، ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فضاء عالم معمور ہو جاتی ہے، ذوق و شوق سے عشاق نبی مجالس میلاد شریف میں شریک ہوتے ہیں، حالات غزوات صحابہ اور سلف کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں، جنگ بدر و حنین کا سماں آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو کبھی فتح مکہ اور صلح حدیبیہ کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے، پھر جبکہ ولادت شریف کا ذکر پاک سنتے ہیں تو ان کے دلوں میں اس وقت خاص نقشہ بھی پیش نظر ہو جاتا ہے، اور دلوں میں وجد و کیف کا تلاطم ہونے لگتا ہے، انتہائی فرحت و سرور میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے محبوب اکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فداک ابی و امی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے درود و سلام کا تحفہ پیش کرتے ہیں،

یہ طریقہ کار عند اللہ مقبول ہے، اس کے مستحب و مستحسن ہونے میں ادنیٰ شک و شبہہ نہیں ہے شریعت و طریقت کی رو سے ایسے عشاق اجر و ثواب اور صلاح و فلاح دارین کے مستحق ہوں گے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے قیام میلاد کے جواز و استحسان کو نہایت مدلل طریقہ پر بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں بنا فی المیلاد کی بنا ایک وجد و کیفیت ہے، محفل میں ذکر ولادت کے وقت ابتداء میں کسی کو وجد ہوا اور غایت شوق میں وہ کھڑا ہو گیا آداب وجد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب صاحب وجد قیام کرے تو اس کی موافقت میں سب اہل محفل بھی قیام کریں، اس ادب کی بنا پر قیام مولود کی موافقت کے لئے سب اہل مجلس کھڑے ہو گئے۔ اگر چہ دیگر شرکاء مجلس کو یہ کیفیت وجد یہ حاصل نہیں ہوئی لیکن وہ بھی بطریق تواجد کے کھڑے ہونے لگے، کیونکہ تواجد کی حکمت یہ ہے کہ کبھی ظاہری صورت کی موافقت کرنے سے حقیقی وجد بھی پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ بکا و گریہ نہ بھی ہو تو رونے والے کی صورت ہی اختیار کر لی جائے تاکہ خشوع و خضوع، گرویدگی اور انابت الی الحق کی نعمت کبریٰ میسر آئے اور ایک وقت ایسا بھی آ جائے جبکہ حقیقتاً یاد الٰہی میں آنکھیں پرنم اور اشک ریز ہو جائیں اور دائمی فلاح و نجات کا وسیلہ بن جائے،

قیام میلاد کا بھی یہی حال ہے کہ ولادت مبارکہ کے تصور و تخیل کے باعث انتہائی مسرت و خوشی کی انتہائی وجدیہ عام حاضرین مجلس میں نہ بھی پیدا ہوں، پھر بھی بطور تواجد کے بوقت ذکر ولادت کے کھڑے ہو جائیں اور تمام شرکاء مجلس بھی اس قیام میں شریک ہو جائیں، تو توقع کامل ہے کہ یہ طریقہ کار حقیقی کیفیت وجدیہ کے پیدا ہونے کا باعث بن جائے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کامل پیدا ہو کر دائمی فلاح و نجات کے نورانی ذریعہ سے سرفرازی نصیب ہوگی،

اندریں حالت قیام میلاد کی عظمت و رفعت اور اہمیت و افادیت حد کمال کو پہنچ جاتی ہے اگر چہ فقہی اصطلاح کے مطابق یہ قیام میلاد واجب یا فرض نہیں ہے،

بخاری شریف کتاب الانبیاء میں روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مقام حجر پر ہوا تو آپ کو بذریعہ وحی وہاں کے حالات پر اطلاع ہوئی، اور فرمایا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی فلاں کنویں کا پانی پیا کرتی تھی ان کی قوم اس اونٹنی کو قتل کر ڈالا اسی وقت خدا کا عذاب نازل ہوا اور وہ سب ہلاک کر دیئے گئے، اب تم لوگ اس کنویں پر اترو جو اونٹنی کے لئے مخصوص تھا، اور دوسرے کنووں کے پانی سے پرہیز کرو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے تو اس کے پانی سے آٹا بھی گوندھ لیا ہے، فرمایا وہ خمیر اور بچا ہوا پانی سب پھینک دو، اور

پڑھنے کو ناجائز نہیں سمجھا جاتا ہے اس لئے فدایان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام کو مبارک و مستحسن سمجھتے ہیں، اور ذوق و شوق کے ساتھ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں روحانی لذت و کیفیت پاتے ہیں، اور اس کو دینوی و اخروی برکت اور نورانیت کا وسیلہ قرار دیتے ہیں اس قیام میں کسی بد عقیدگی کو دخل نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد صرف اظہار محبت و عظمت کے ایک عملی طریقہ کو اختیار کرنا ہے کیونکہ اظہار محبت صرف قیام کی حالت ہی میں صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ اس کی دوسری صورتیں بھی ہو سکتی ہیں، مگر جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا اس کے متعلق بھی کیوں اور کس لئے کے الفاظ استعمال کئے جائیں گے، اس لئے ذکر ولادت شریف کے وقت اظہار محبت و احترام کے لئے جو طریقہ یا جو صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے ان سب میں قیام کی حالت زیادہ افضل ہے۔ جو انسانی فطرت کے بھی مطابق بھی ہے بنا بریں صلوٰۃ و سلام کے وقت حالت قیام کو متعین کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے،

غور کرنے کے بعد شریعت مطہرہ میں بھی اس قیام کی اصلیت موجود پائی جاتی ہے، جیسا کہ حج کے ارکان کا تعین اس واقعہ کے پیش نظر کیا گیا ہے جو حضرت بی بی ہاجرہؓ سے صادر ہوئے تھے، گویا ہم اس واقعہ کو یاد کر کے صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ چکر لگاتے ہیں کہ ایک وقت حضرت ہاجرہؓ نے بھی پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے، اسی طرح میلین اخضرین کے درمیان دوڑتے ہیں بھی وہاں دوڑنا حکم ہے کیونکہ ان تمام احکام کے بجا لانے سے اصلی واقعات پیش نظر ہو جاتے ہیں۔

اب اگر مولود شریف کے بیان کے وقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی اور آپ کا ظہور قدسی ہم مسلمانوں کے پیش نظر ہو اور ہم غایت مسرت میں ادب و احترام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور صلوٰۃ و سلام پڑھیں تو ہمارا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا آئینہ دار ہوگا، یا یوں سمجھ لیجئے کہ خداوند قدوس کی رحمت بے پایاں کا جب زمین پر نزول ہوا، اور ساری زمین کو اس رحمت نے ڈھانک لیا ہو تو اگر کائنات کا ہر ذرہ اس رحمت کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور انتہائی فرحت و سرور میں درود و سلام نچھاور کرنے لگیں تو بتائیے کون سی شرعی و فقہی قباحت لازم آ جائے گی،

ایسے مسرت انگیز موقع کی یاد کو باقی اور تازہ رکھنے کے لئے میلاد شریف کے ذکر کے وقت عاشقان جلوہ محمدی کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عظمت کی ایک علامت قرار دیتے ہیں،

تخیل و تصور پر آثار کا مرتب ہونا انسانی فطرت میں داخل ہے جیسے فتح و نصرت، کامیابی و ظفرمندی کا خیال کرنے سے یا اس کا تذکرہ کرنے سے بشاشت کے آثار چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں، اور رنج و ملال اور غم کے حادثہ کو یاد کر کے حزن و غم کے اثرات ظہور میں آتے ہیں آنکھیں پرنم اور اشک ریز ہو جاتی ہیں، علاوہ ازیں خود شریعت مطہرہ میں بھی تخیل و تصور کو مد نظر رکھا گیا ہے، حج کے ارکان سعی وغیرہ کی مثال اوپر گذر چکی ہے، جامع صغیر میں لکھا ہے کہ جس شخص کا نام محمد یا احمد ہو اس کا اکرام کرو، اس کو ملامت کرو، اس کے نام کو بگاڑ کر نہ پکارو، کسی برائی کو اس کا نام لے کر منسوب نہ کرو، اور اسے اذیت نہ پہنچاؤ، کیونکہ اس کے نام کے تذکرہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ پیش نظر ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جب ظہور قدسی کا مبارک مہینہ آتا ہے اور تمام عالم اسلام میں مسرت و خوشی کی لہر پیدا ہو جاتی ہیں، محبت و عظمت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مومنین کے قلوب سرشار ہو جاتے ہیں، چاروانگ عالم میں آپ کی آمد آمد سے طرب وسرور کا ایک بیش بہا ساماں مہیا ہو جاتا ہے، ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فضاء عالم معمور ہو جاتی ہے، ذوق وشوق سے عشاق نبیؐ مجالس میلاد شریف میں شریک ہوتے ہیں، حالات حیات سننے، سنانے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں، جنگ بدر وحنین کا سماں آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو کبھی فتح مکہ اور صلح حدیبیہ کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے، پھر جبکہ ولادت شریف کا ذکر پاک سنتے ہیں تو ان کے دلوں میں اس وقت خاص نقشہ بھی پیش نظر ہو جاتا ہے، اور دلوں میں وجد وکیف کا تلاطم ہونے لگتا ہے، انتہائی فرحت وسرور میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے محبوب اکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فداک ابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے درود وسلام کا تحفہ پیش کرتے ہیں،

یہ طریقہ کار عنداللہ مقبول ہے، اس کے مستحب ومستحسن ہونے میں ادنیٰ شک وشبہ نہیں ہے، شریعت وطریقت کی رو سے ایسے عشاق اجر وثواب اور صلاح وفلاح دارین کے مستحق ہوں گے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے قیام میلاد کے جواز واستحسان کو نہایت مدلل طریقہ پر بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں قیام فی المیلاد کی بنا ایک وجد وکیفیت ہے، محفل میں ذکر ولادت کے وقت ابتداءً کسی کو وجد ہوا اور غایت شوق میں وہ کھڑا ہو گیا، آداب وجد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب صاحب وجد قیام کرے تو اس کی موافقت میں سب اہل محفل بھی قیام کریں، اس ادب کی بنا پر قیام مولود کی موافقت کے لئے سب اہل مجلس کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ دیگر شرکاء مجلس کو یہ کیفیت وجدیہ حاصل نہیں ہوئی لیکن وہ بھی بطریق تواجد کے کھڑے ہونے لگے، کیونکہ تواجد کی حکمت یہ ہے کہ کبھی ظاہری صورت کی موافقت کرنے سے حقیقی وجد بھی پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ بکاء وگریہ نہ بھی ہو تو رونے والے کی صورت ہی اختیار کر لی جائے تاکہ خشوع وخضوع، گرویدگی اور انابت الی الحق کی نعمت کبریٰ میسر آئے اور ایک وقت ایسا بھی آ جائے جبکہ حقیقۃً یاد الٰہی میں آنکھیں پرنم اور اشک ریز ہو جائیں اور دائمی فلاح ونجات کا وسیلہ بن جائے،

قیام میلاد کا بھی یہی حال ہے کہ ولادت مبارکہ کے تصور وتخیل کے باعث انتہائی مسرت وخوشی کی انتہائی وجدیہ عام حاضرین مجلس میں نہ بھی پیدا ہوں، پھر بھی بطور تواجد کے بوقت ذکر ولادت کے کھڑے ہو جائیں اور تمام شرکاء مجلس بھی اس قیام میں شریک ہو جائیں، تو توقع کامل ہے کہ یہ طریقہ کار حقیقی کیفیت وجدیہ کے پیدا ہونے کا باعث بن جائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کامل پیدا ہو کر دائمی فلاح ونجات کے نورانی ذریعہ سے سرفرازی نصیب ہوگی،

ایں حالت قیام میلاد کی عظمت ورفعت اور اہمیت وافادیت حد کمال کو پہنچ جاتی ہے اگرچہ فقہی اصطلاح کے مطابق یہ قیام میلاد واجب یا فرض نہیں ہے،

بخاری شریف کتاب الانبیاء میں روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مقام حجر پر ہوا تو آپ کو بذریعہ وحی وہاں کے حالات پر اطلاع ہوئی، اور فرمایا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی فلاں کنویں کا پانی پیا کرتی تھی ان کی قوم اس اونٹنی کو قتل کر ڈالا، اس پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور وہ سب ہلاک کر دیئے گئے، اب تم لوگ اس کنویں پر اترو جو اونٹنی کے لئے مخصوص تھا اور دوسرے کنوؤں کے پانی سے پرہیز کرو، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے تو اس کے پانی سے آٹا بھی گوندھ لیا ہے، فرمایا وہ خمیر اور بچا ہوا پانی سب پھینک دو، اور

اس کنوئیں کا پانی نہ پیو اور نہ ہی اس سے وضو کرو، اور مٹی کے نیچے خاص مقام پھر فرمایا کہ اس قوم کی مسکونات کے پاس جب گزرو تو روتے ہوئے، وہاں سے جلد گذر جاؤ اور اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف روؤ، اس خوف سے کہ کہیں تم پر بھی اُن کا عذاب نہ ہو جائے،

چنانچہ جب اس قوم کے مکانات آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر سے اپنے سر مبارک کو ڈھانک لیا اور اپنی اونٹنی کو دوڑایا، یہانتک کہ اس وادی سے آپ نکل گئے،

نیز مسلم شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حج میں وادی محسر جہاں اصحاب فیل ہلاک ہوئے تھے وہاں سے جلد گذر جانا مسنون ہے

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس مقام میں جو خوف طاری ہوا اور سب کو آپ نے رونے کا حکم فرمایا۔ اور نہایت خشوع و تواضع کی حالت میں اس مقام سے گذر گئے، کیا اس طریقۂ کار کے اختیار فرمانے سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ برگزیدہ صحابہ پر اس وقت عذاب نازل ہوتا، اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ سب حضرات جہاد فی سبیل اللہ میں تشریف لے جا رہے تھے اور خود بنفس نفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی قیادت فرما رہے تھے، اس پر نعوذ باللہ عذاب کا تو وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے،

مگر بات اصل یہ ہے کہ چونکہ اس مقام سے گذرنے وقت اس واقعات آپ کے پیش نظر ہو گئے تھے، جس پر آثار خوف مرتب ہوگئے اور بہ حکم خداوندی آپ نے خوف اور خشوع و خضوع کا اظہار فرمایا،

ٹھیک اسی طرح میلاد شریف کے واقعات مبارکہ کو سن کر مومنین کاملین کے دلوں میں فرحت و انبساط پیدا ہوتی ہے، اور انتہائی ذوق و شوق میں محظوظ ہوتے ہیں اور با ادب ہو کر صلوٰۃ و سلام کا تحفہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کرتے ہیں، یہی حقیقت و ماہیت ہے قیام میلاد شریف کی جو تمام علماء حق کے نزدیک مستحسن و مستحب ہے، وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین

بقیہ نبی کریمؐ

حضرت سعدی (انہیں اللہ تعالےٰ اپنی خواص رحمت اپنے قرب میں جگہ دے) جب آپ کی نعت و تعریف اور قدر و بزرگی کے دریائے ناپیدا کنار میں غرق ہو گئے اور کوئی ساحل نہیں پایا تو بے ساختہ اور والہانہ پکار اٹھے۔

ندانم کدامیں سخن گویمت — کہ والاتری زانچہ من گویمت
چہ نعت پسندیدہ گویم ترا — علیک السلام اے نبی الوریٰ

بقیہ دیئے جلائے جائیے

عملی طور پر فیل ہو چکے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ کا جو بھرم باقی ہے وہ بہت جلد کھل جائے گا۔ اس لئے ایسے حالات میں ضرورت ہے کہ مسلمان ایک بار پھر دنیا کو "اسلام ازم" سے روشناس کرائے۔ یقیناً دنیا اسے بھی آزمانے کی خواہشمند ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا
کہ تجھ سے کام لینا ہے اس دنیا کی امامت کا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم
قرآن عزیز کی زبانی

(از مولانا حبیب الرحمٰن کلیمی پورنوی)

جس طرح اس روشن حقیقت میں کوئی اشتباہ نہیں کہ اللہ جل شانہ نے دنیا کی رہبری و ہدایت کے لئے بہت سارے انبیاء ورسل بھیجے اور سب کے سب بارگاہ الٰہی کے مقرب ہیں اور عصمت شعار ہیں اور جس طرح اس بات کے لئے شہادت کی حاجت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو خاص خاص وصف، خاص خاص معجزے عنایت فرمائے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اذن حیات حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن، حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت وحکومت وغیرہ اسی طرح تمام دنیائے اسلام پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں و بیان ہے کہ بانیٔ دین متین سید المرسلین محبوب رب العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء ومرسلین میں باعتبار تخلیق وجود مقدم ہیں اور باعتبار بعثت و تشریف آوری موخر جتنے مراتب و درجات اور جتنی تعریفیں سب نبیوں، رسولوں میں انفرادی حیثیت سے ملتی ہیں وہ سب کے سب مجموعاً وکملاً مدنی تاجدار آقائے نامدار آفتاب نبوت ماہتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ذات و وصف، نعت و مدح مراتب ومدارج یعنی ہر حسن وخوبی کے اعتبار سے آپ کی ذات پاک تمام خلائق سے افضل و اشرف ہے مختصر اور خلاصہ یہ کہ خالق حقیقی رب تعالیٰ کے بعد مخلوقات وکائنات میں آپ سے افضل کوئی بھی شئے نہیں ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں مرسلوں کو محترم ومکرم سمجھیں معصوم اور خدا کے مقربین سمجھیں کیونکہ کسی نبی کی بھی تنقیص بلکہ شبہ تنقیص کرنا بھی اپنی زندگی اور ایمان و اعمال کی دولت وملکیت کو تباہ اور ہلاک کرنا ہے۔

نبی آدم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے مجھے اتنا عرض کرنے میں کوئی بھی جھجک نہیں بلکہ ناز اور فخر محسوس

کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو قرب و منزلت، جاہ و شان تعظیم و تکریم آپ کی ہے دیگر انبیاء و رسل کے لئے نہیں آپ کے مرتبہ نبوت اور شان رسالت کا کیا پوچھنا۔ کہ ظلمت کدہ میں تشریف لاتے ہی روشنی کدہ بنا دیا اپنے مذہب مہذب کا سکہ چلا دیا اور سارے مذاہب کو صاف کر ڈالا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست　　　کتب خانۂ چند ملت بہ شست

سرورکائنات فخر موجودات نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر، نعت و مدح تمام اہل اسلام خصوصًا صحابۂ عظام اولیائے کرام نے بسعی امکان تمام کی ہے اور سچ پوچھئے تو غیر اہل اسلام نے بھی آپ کی نعت و توصیف اور احترام و اکرام کا اعتراف کیا ہے مشہور ہے کہ آپ کے چچا ابو طالب ہمیشہ آپ کی حمایت و اعانت اور تعظیم و تکریم کرتے رہے حالانکہ انہیں دولت ایمان نصیب نہ ہو سکی تھی اور کتب معتبرہ میں ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ بہت سارے کافروں نے حالت کفر ہی میں آپ کی مدح و تعریف کی اور ایمان لے آئے۔ یہ تو ذی روح کی باتیں ہوئیں اور سچ تو یہ ہے کہ غیر ذی روح نے بھی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل فرماں برداری اور تعظیم کی ہے۔

مرحبا وہ ذات باعظمت جس کی حکومت زمین پر، آسمان پر، ماہتاب پر، آفتاب پر، شجر و حجر پر، تری و خشکی پر اور خدا کی ساری خدائی پر۔ انگشت پاک کے اشارے پر قمر کا دو ٹکڑے ہونا۔ کنکریوں کی خود بخود رسالت کی گواہی دینی، دعاء فرماتے ہی مدینہ کے گوشہ گوشہ میں موسلا دار بارش کا ہونا۔ فراق میں خشک لکڑی کا گریہ کرنا۔ چشم نابینا کو بینا بنا دینا صحابۂ کرام کو اندھیری رات میں چراغ عنایت کر دینا۔ خندق پر ضرب لگاتے ہی یمن و شام کی فتح پانی الغرض سارے کے سارے معجزات آپ کی عظمت و شان کی شہادت کے لئے کافی ہیں اور بھلا یہ عدیم المثال معجزے اور یہ مستقل حکومت آپ کی سوا کسی کی ہو۔ جبکہ آپ ہی کی ذات گرامی اصل ہے اور کائنات فرع اصل ہے

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

محمد صلی اللہ علیہ وسلم　اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب و ممدوح کا اسم گرامی محمد رکھا ہے۔ صرفی و نحوی قاعدہ کی رو سے محمد تحمید سے ماخوذ ہے اور اسم مفعول صیغہ واحد ہے معنی ہوے (تعریف کردہ)۔

اگرچہ اس امر میں کوئی کلام نہیں ہے کہ آپ کے مولیٰ نے آپ کو تعظیمی القاب سے یاد فرمایا ہے اور محاسن و اوصاف بیان کئے ہیں۔ مگر ہیچ مداں کے نزدیک اس حقیقت میں بھی کوئی شک و ریب نہیں کہ عدو اور مخالف نے جب آپ کو مخاطب کیا ہے تو اگرچہ ستودہ الفاظ بہترین القاب سے نہیں کیا مگر آپ کا اسم گرامی محمد کہہ کر تو مخاطب ضرور کیا ہے بس آپ کا مبارک نام پکارنا ہی آپ کی نعت و مدح اور تعظیم کرنی ہے کیونکہ آپ کے نام کے معنی ہی تعریف و نعت کے ہیں۔

ذرا نگاہ عبداللہ جان و دردمندِ آمنہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی، محبوبی۔ عزت و احترام محمود خلائق کا ئنات پر

فرمایا ہے۔ شاید اس گفتگو پر کوئی مشتبہ ہو کہ احترام و اکرام تو چھوٹے کرتے ہیں بڑے اور بزرگ کی رفع شبہہ کے لئے یا تو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالے اپنے نبی کو معزز و ممتاز اپنی شان قدرت کے اعتبار سے سمجھتا ہے اور قدرت کے امر کا فہم و تعقل کما حقہ بندے کے لئے محال و ناممکن ہے اس لئے جو نسبت احترام مخلوق کی طرف کی جاتی ہے ذات خدائے پاک کی طرف سے صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس قسم کا اعتراض اور شبہ غلط ہوگا۔ یا یوں سمجھا جائے کہ اللہ نے اپنے محبوب کی محبت اور قدر و عظمت فرما کر اپنے بندوں پر حجت تمام کی ہے تاکہ سارے عالم پر بہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام مراتب و مدارج اس قدر وسیع و رفیع ہے کہ عالم میں کسی کا بھی نہیں۔

اب یہ اور ملاحظہ فرمائیے کہ قرآن کریم نے آنحضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و تعریف اور مراتب بے نظیر کا اعلان کس کس طرح اور کیسے کیسے انداز میں کیا ہے۔

پروردگار عالم نے اپنے حبیب لبیب کے ساتھ نہایت ادب و تہذیب و تکلم کی ہدایت فرمائی ہے اور گفتگو کیلئے صاف صاف اور دھلے ہوئے الفاظ اور خلوص نیت کی شرط لگائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا واسمعوا و للکافرین عذاب الیم پ ۱ ع ۱۳	اے مومنو! (گفتگو کے وقت) (پیغمبر خدا سے) راعنا نہ کہا کرو۔ انظرنا کہا کرو اور دھیان سے سنو اور کافروں کے لئے المناک عذاب ہے۔

جب یہود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے جو بات یہود کو پورے طور پر سنائی نہ دیتی تو تحقیق و تدقیق کے لئے کہتے کہ راعنا (آپ ہماری طرف متوجہ ہوں) مسلمان بھی یہود سے یہ لفظ سیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راعنا کے لفظ سے تخاطب کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمادی کہ یہ لفظ نہ کہا کرو اگر کہنا ہی تو انظرنا کہا کرو اور پہلے ہی سے غور سے سنتے رہو تاکہ دوبارہ دریافت کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ چونکہ یہود کے اس لفظ کے کہنے میں اہانت مراد ہوتی اس لئے کہ جب زبان دبا کر بولتے تو راعینا ہو جاتا معنی ہوئے ہمارا چرواہا اور ان کے یہاں راعین احمق و بے وقوف بھی کہا جاتا تھا۔

جو حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدح اور تعظیم کے لئے جس وقت اور جس طرح کے الفاظ چاہتے ہیں کہہ گزرتے ہیں انہیں اس طرح کی آزادہ روی سے ممنوع ہونا چاہیئے اور نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اس لئے کہ مقام نبی وہ مقام ہے جہاں تکلم بھی کرنے کا حکم ہے۔ تو محقق المعنی لفظ اور مہذبانہ انداز میں اور یہ وہی مقام ہے جس کی تعظیم خود خدائے پاک کو منظور ہے اور اس مقام کی شان کا کیا کہنا جس کی خاک بوسی حضرت جبرئیل علیہ السلام کریں۔

خدا یت ثنا گفت و تبجیل کرد
زمیں بوس قدر تو جبرئیل کرد

دیکھئے تو اللہ کو نبی کا احترام کس قدر منظور ہے کہ اتنا بھی پسند نہیں کہ کوئی شخص نبی سے پہلے بول اٹھے یا اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند تر کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آگاہ کیا ہے اور تنبیہ فرمائی ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم ۝ یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون پ ۲۶ ع ۱۳

اے مومنو! (کسی بات میں) خدا اور اس کے رسول سے پہلے نہ بولو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ اے مومنو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو (اور نہ یوں) زور زور سے بولا کرو جیسے باہم ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو۔ مبادا تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور تک نہ رہے۔

ان دونوں آیتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آداب تکلم کی تعلیم ملی اور یہ بھی کہ مجلس میں کوئی شخص کوئی بات دریافت کرے تو آنحضرت کا حال دیکھا جائے کہ آپ جواب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں اور اپنی رائے و عقل سے آگے آگے جواب دیئے بیٹھنا نہیں چاہیئے۔ پہلی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو بات کہی جائے قرآن و احادیث کے خلاف نہ کہی جائے اور امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم و احادیث اور آثار صحابہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ارتداد کے سوا اور برائیاں بھی نیکیوں کو ضائع اور برباد کر دیتی ہیں اس کا برعکس جس طرح نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

جو لوگ آداب رسول کو ملحوظ رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اپنی آواز پست کئے رہتے اللہ تعالیٰ نے ان کو سراہتے ہوئے مژدۂ مغفرت دیا ہے۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم پ ۲۶ ع ۱۳

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پست آواز سے باتیں کرتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے آزمایا ہے۔ اور ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ یوں ہے کہ بنی تمیم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کو آئے اور حضور اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کے دربار میں اس قسم کی نازیبا پکار اور عظیم جرأت پسند نہ آئی تو صاف صاف ارشاد ہوا کہ ایسے پکارنے والے بے شعور ہیں۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم پ ۲۶ ع ۱۳

جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر نافہم ہیں اگر وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ آپ خود ہی ان کے پاس تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے اچھا تھا اور خدا بخشنے والا رحیم ہے۔

ایک غلط فہمی کی تردید

ایسا مسلمان جس سے کسی طرح کی اجتہادی غلطی نادانستہ سرزد ہوگئی یا نفسانی کا شکار ہو چکا ہو حالانکہ وہ ہمیشہ شرع محمدی پر قائم رہا ہے اس کا شعار اسلام رہا ہے اس کے اقوال و اعمال و کردار۔ تقریر و تحریر مرحوم اس کے ایمان و اسلام پر دلالت کرتی ہے محض کسی نادانستہ خطاؤں کے سبب سے بعض حضرات نے مذکورہ بالا آیات کے پیش نظر اس کی طرف کفر کا انتساب کیا ہے اس سلسلے میں اگر تعصب و عناد کی تاریکیوں سے دور رہ کر دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ بات واضحاً و تصریحاً سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ان آیتوں کے الفاظ و مفہوم اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ کسی غلطی و ذنب کو کفر سے منسوب کیا جائے جبکہ شانِ نزول اور دیگر تفاسیر بالکل واضح اور روشن ہیں تو دیگر مطاوی و خیالات اور تاویلات صحیح نہیں ہوسکتیں خارجع الی شان النزول والتفاسیر و تفہم۔

تعظیم کے لئے رضا اور محبت لازمی ہے ورنہ تعظیم نہیں ہوسکتی۔ اب دیکھئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب کی دلجوئی اور رضا مندی کا اظہار کس طرح فرمائی ہے۔

قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام پ۲ ع۱

اے نبی کریم ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھ رہے ہیں پس آپ کے لئے ہم وہی قبلہ منتخب کر دینگے جسے آپ پسند فرما رہے ہیں۔ اب اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے وقت سے کعبہ متعین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ایمان و ایقان کی آزمائش کے لئے کچھ ہی دنوں کے لئے بیت المقدس مقرر کر دیا جس کی وجہ سے حضرت کی خواہش ہو رہی تھی کہ کعبہ ہی طرف نماز پڑھتے اس لئے بار بار آسمان کی طرف معائنہ فرما رہے تھے کہ شاید اللہ کی طرف سے مسجد حرام کو قبلہ بنانے کا حکم اور وحی آجائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی خوشنودی و رضا کے لئے پھر مسجد حرام ہی کو قبلہ متعین فرمانے کا حکم دے دیا۔

ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آغوش مادری میں تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا اور چھ برس کی عمر تک بعد والدہ بھی رخصت ہوگئیں۔ پہلے آپ اپنے دادا عبد المطلب کے زیر پرورش رہے۔ جب دادا کا بھی انتقال ہو چکا تو ابو طالب کی اعانت و حمایت کرتے رہے۔ کافروں نے افواہ اور طعنہ زنی شروع کر دی کہ محمد کے رب نے اس کو چھوڑ دیا اور کچھ دنوں سلسلہ وحی کے منقطع ہو جانے کے سبب سے بھی آپ ملول خاطر بیٹھے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے کفار نے یہ برنہ دوائی بھی شروع کر دی کہ اب محمد کا رب اس سے ناراض ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرکش کفاروں کی دلجوئی اور طعن کا تردید کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعک ربک وما قلیٰ پ۳۰ ع ۱۸	آفتاب کی روشنی کی قسم اور شب تاریک کی کہ جب چھا جائے کہ اے نبی آپ کو آپ کے رب نے ہرگز نہیں چھوڑا ہے۔

اور دلجوئی وخوشنودی اور تعظیم کے لئے اپنے نبی کو یوں مخاطب فرمایا ہے۔

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ پ۳۰ ع ۱۸	اور آپ کا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ شادمان ہو جائیں گے۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کا انتقال ہو گیا تو بد معاش و نابکار کفار نے اس نوع کی فحش گوئی بھی شروع کی کہ اب سے محمد کا نام لینے والا تک نہ رہے گا۔ ان کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ یہ تو منقطع النسل ہو گیا۔ اللہ جل شانہ نے ان بے شعور کفر پسندوں کے باطل خیال کو رد فرما کر اپنے محبوب کی عظمت اور بڑائی بیان فرمائی ہے اور خیر کثیر کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر پ۳۰ ع ۳۳	اے نبی ہم نے آپ کو نہر کوثر عطا فرمائی ہے۔

اور دوسری آیت یوں ہے

انا شانئک ھو الابتر پ۳۰ ع ۳۳	بے شک آپ کا بدخواہ ہی بے اولاد رہے گا۔

لغت میں کوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں چونکہ شرعی معنی لغوی معنوں پر مقدم ہوتے ہیں اس لئے میں نے کوثر کا ترجمہ حدیث ہی کی روشنی میں کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت کو اونگھ آئی پھر سر مبارک اٹھا کر تبسم فرمایا ہوئے پھر آپ نے وجہ تبسم بیان فرمائی کہ ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت اتری اور وہ سورہ پڑھی اور فرمایا کہ تمہیں واقفیت ہے کہ کوثر کیا ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی جانیں آپ نے فرمایا کہ وہ بہشت کی ایک نہر ہے خدائے پاک نے مجھے وہ نہر بہشت میں عطا فرمائی ہے اور اس میں خیر کثیر ہے اور اہل علم نے فرمایا ہے کہ بہشت کی نہر کوثر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا اور جو شخص عمر میں ایک دفعہ پی لے گا پھر کبھی بھی پیاس محسوس نہ ہوگی اور ثانی الذکر آیت میں آپ کے دشمنوں کو ابتر کہا گیا ہے۔ ابتر اسے کہتے ہیں کہ جس کی اولاد ذکور میں سے نہ ہو۔ مفہوم یہ ہے کہ کافروں کی نسل انہیں تک محدود ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کا سلسلہ ہمیشہ یوں ہی جاری رہے گا کیونکہ آپ کی امتوں کی نسلیں قائم رہیں گی اور آپ کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔ آپ کی بے مثال شہرت اور لاجواب تعظیم و تکریم ہوتی رہے گی۔

یہ ایک معقول اور لگتی ہوئی بات ہے کہ اگر کسی کو کسی کی دوستی کا دعویٰ ہو اور اس کے سامنے دوست کو کوئی غیر سخت سست کہے تو اس پر فرض ہونا چاہئے کہ اپنے دوست کی طرف سے جواب دے اور دشمن کا مقابلہ کرے اور اگر ایسا نہ کرے تب وہ اپنے دعویٰ میں کاذب و داشتی ہے اور ہم نے آگے یہ عرض کیا ہے کہ تعظیم کے لئے محبت کا ہونا ضروری ہے۔ جب آپ نے یہ باتیں سمجھ لیں تو یہ بھی سنئے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے قبائل کو خبردار کر دو۔ تو آپ نے قریش کو جمع فرمایا اور کہا کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن کی فوج صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم یقین کر لوگے؟ سبھوں نے کہا بیشک۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک عذاب دردناک کی خبر دیتا ہوں جو تم پر نازل ہونے والا ہے۔

تو ابولہب نے سنتے ہی کہا تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ یعنی تم ہلاک ہو جاؤ تم نے ہمیں اسی غرض سے جمع کیا تھا۔ اس کی اس محنت کا جواب خود اللہ نے اپنے حبیب پاک کی جانب سے یوں دیا۔

تبت یدا ابی لہب وتب ما اغنی عنہ مالہ وما کسب سیصلی نارا ذات لہب وامراتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد پ۳۰ ع۳۶

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے نہ اس کے مال نے اسے کام دیا نہ وہ جو اس نے کسب کیا وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہو کر رہے اور اس کی بیوی بھی جو اپنے سر لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی۔

ابولہب حضرت کا چچا تھا اور بڑا کافر اور دشمن تھا اس کا اصل نام عبدالعزی بن عبدالمطلب تھا مگر مشہور ابولہب کا تھا ابولہب کی جورو کا نام ام جمیل تھا اس کو بھی حضرت سے بڑی دشمنی و بغاوت رہتی تھی۔ اس کا یہ شیوہ رہتا تھا کہ رات میں آپ کے راستے میں خاردار لکڑیاں بچھا دیتی تاکہ آپ کو چبھیں اس لئے اس کو حمالۃ الحطب کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد چغلخور ہے کہ وہ چغلی کیا کرتی تھی۔ گلے کی رسی سے مراد یہ ہے کہ قیامت میں وہ دوزخ کا ایندھن اٹھا اٹھا کر اپنے شوہر پر ڈالے گی تاکہ اس کا عذاب افزوں ہوتا رہے۔ گویا وہ اس کام کے لئے تیار ہی ہے اور اس لئے وہ مونج کی رسی اپنے گلے پر ڈالے رہتی ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد دوزخ کے آگ کی رسی ہوگی جو اس کے گلے پر ڈالی جائے گی۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جانب سے ابولہب کو دنیا میں بھی جواب دے کر رسوا فرمایا اور آخرت میں بھی اس کی بیوی اور اس کے لئے انواع انواع عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب و مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی مدح لازوال، شہرت باکمال اور ایسے روز افزوں اعلیٰ مراتب بخشے ہیں جن پر کائنات شہرت کو ناز ہے۔ خوشا وہ ذات گرامی جس کے قدوم میمنت لزوم کے صدقے خشک زمین بھی کھلکھلائی، ہفت آسمان بھی جگمگائے۔ زہے وہ مقدس ہستی جس کا ذکر اور مدح فرش پر عرش پر۔ اذانوں اقامتوں میں۔ نمازوں میں پیغمبروں میں فرشتوں میں۔

ورفعنا لک ذکرک پ۳۰ ع۲۹

اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

بے شک ہر حسن و خوبی کے اعتبار سے آپ کا ذکر پاک بلند ہے آپ کا مرتبہ و شان بزرگی و برتری جملہ موجودات سے اعلیٰ و افضل ہے اور بھلا کیوں نہ ہو۔ جبکہ آپ نے اپنی چشم سے ایسی ذات باقی کا معائنہ فرمایا جس کے دیدار کی آرزو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے دل میں گھٹ کر رہ گئی اور نبیوں کو معراج خاک پر ہوئی اور آپ کو معراج عرش پاک پر ملکہ ایسی خلوت میں ہوئی جہاں عوام تو کیا پیغمبروں کی بھی رسائی نہیں حتی کہ ہم قرین جبرئیل علیہ السلام کی بھی ہمت اور تاب و توانائی ختم۔ اب بتائیے وہ کون ہے جو حضرت کی نعت و مدح کی لامحدود منزل کو ناپ سکے اور ان کی کما حقہ تعظیم و تکریم کا اندازہ لگا سکے۔

دیئے جلائے جائیے

(جناب امین عالم صاحب محلہ آبادی - رام گڑھ کینٹ)

مسلمان کی نظروں سے جس طرح دین کے بے شمار تقاضے اوجھل ہو گئے اسی طرح انھوں نے اپنی اصلی حیثیت کو بھلا دیا اب وہ اپنے آپ کو اس دنیا میں بسنے والوں اور بہت سی قوموں کی طرح ایک قوم بن کر رہ گئے ہیں اور اسلامی تحریک کو ایک مذہب سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ بہار جیسی بھول نے انہیں صفر کے درجہ تک گرا دیا ہے اور تحریک اسلامی میں جمود پیدا ہو گیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دعوت اسلام اللہ کے بندوں تک پہنچانا اللہ کے رسولوں کا کام رہا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بارہا اپنے رسول اور پیغمبر بھیجے اور ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے ماننے والوں کی یہ ذمہ داری رہی کہ وہ اپنے رسول اور پیغمبر کے نائب بن کر ان باتوں کو اللہ کے تمام بندوں تک پہنچاتے رہیں۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا۔ اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کی ہدایت کے لئے تشریف لائے اور اللہ نے آپ کو قیامت تک زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے آخری رسول بنا کر بھیجا حضور کے تشریف لے جانے کے بعد اب دنیا کے انسانوں تک ہدایت پہنچنے کی صرف ایک صورت باقی ہے کہ حضور پر ایمان لانے والے حضور کے امتی آپ کے نائب بن کر اس پیام کو دنیا کے تمام انسانوں تک پہنچائیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ تمام مسلمانوں کی حیثیت یہی ہے وہ اللہ کے دین کے پیرو بھی ہیں اور علمبردار بھی ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی اللہ کے دین پر چلیں اور دوسروں تک بھی اس دین کو پہنچائیں۔

ہر مسلمان کے لئے موت سے پہلے اس بات کی مہلت ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے اور ان کے تقاضوں کو ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے ورنہ ایک دن وہ مرجائے گا جب اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے دنیا کی دوسری قوموں کو اسلام سے روشناس کیا تھا، انہیں اسلام کی دعوت دی تھی؟ تم نے اپنے پڑوس میں بسنے والے دوسرے لوگوں سے کیا معاملہ کیا؟ جن کے بارے تم جانتے تھے کہ ان کو ہدایت نہیں ملی تو جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں ــــ؟

مسلمان ذرا غور کرے کہ وہ کیا اس کے جواب دہی کے لئے تیار ہے ــــ؟

مسلمان اپنی ذمہ داریاں جلد سے جلد محسوس کریں اور انہیں حتی الوسع ادا کرنے کی سعی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالی ہے جتنا وہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک عالم کی ذمہ داریاں اس کے علم کے مطابق ہیں۔ ایک با اثر اور صاحب اقتدار کی ذمہ داریاں اس کے مقام کی حیثیت سے ہیں اور ایک عام اور اوسط درجہ کے مسلمانوں کی ذمہ داریاں ان کی قابلیت، صلاحیت اور موقع کے اعتبار سے ہیں۔ انتہا یہ کہ جو شخص جتنا کچھ جانتا ہے اور جتنا کچھ کر سکتا ہے اسی پر اسی کے بقدر ذمہ داری ہے۔ یہ سمجھنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین دوسرے بندوں تک پہنچانا کچھ خاص لوگوں کا کام ہے اور باقی لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ بھی سمجھنا غلط ہے کہ ایک بھی مسلمان ایسا ہے کہ جس پر تبلیغی ذمہ داری نہیں ہے۔ بہت معمولی حیثیت کے کم پڑھے بلکہ جاہل مسلمان بھی اپنی حیثیت اور صلاحیت کے اعتبار سے دین کی باتیں دوسرے انسانوں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ہر ایک مسلم اس امت مسلمہ کا ایک فرد ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کی ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں تبلیغی سرگرمیاں ہمیشہ جاری رکھیں۔ ممکن ہے یہ بات تعجب خیز معلوم ہوتی ہو کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کس طرح مبلغ بن سکتا ہے۔ کیونکہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور اسلاف کے کارناموں پر سر دھننے والے یہ بھول گئے ہیں کہ ایسی مثالیں خود ہمارے ملک میں قائم کی گئیں۔

مالابار ساحل پر کچھ عرب تاجر تجارت کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ جب عرب میں اسلام پھیلا تو یہ بھی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اللہ کے دینی تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ جب یہ مسلمان ہو کر مالابار آنے لگے تو صرف انہیں کے ذریعہ پہلے پہل اللہ کا دین اس خطے میں پھیلا اور ہندوستان کی سب سے پہلی مسجد یہیں بنائی گئی۔ ان میں سے شاید ہی کوئی پڑھے لکھے رہے ہوں۔ لیکن ان کی زندگیاں برائیوں سے پاک تھیں۔ اللہ کے دین کو وہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور تحریک اسلامی کے نفس سے متفق تھے۔ وہ اس کے عملی تقاضوں سے غافل نہ تھے۔ انہیں دن رات اپنی ذمہ داریوں کا احساس بے چین کرتا تھا۔ ان کے دلوں میں ایک مستقل لگن تھی، یقین، صبر و عمل پیہم سے انہوں نے یہ قلعے فتح کئے۔ اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا اور کفر و شرک کے تاریک خطوں میں روشنی پھیلائی۔ انہوں نے اپنی سیدھی سادھی زبانوں سے دین کی باتیں لوگوں کو بتائے ہوں گے۔ اور لوگوں نے ان سے قریب ہو کر یہ دیکھا ہوگا کہ وہ لوگ کتنے سچے، ایمان دار، امانتدار، اور با اخلاق ہیں۔ بس یہی ساری باتیں ہوں گی جو کفر و ضلالت بھرے دلوں کو بھا گئی ہوں گی۔ لوگوں کے دل اللہ کے دین کے لئے کھل گئے ہوں گے اور اسلام کی روشنی آپ سے آپ پھیلنے لگی ہوگی۔ سچ ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

کیا اس وقت کے لوگ زیادہ حق پسند تھے؟ اور اس دور میں مسلمانوں کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے، وہ بہت برے تھے؟ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ آج جو لوگ ہیں وہ اس وقت کے لوگوں سے کئی اعتبار سے بہت اچھے ہیں۔ آج عام طور پر لوگ

اس قدر جاہل نہیں ہیں جتنا اس وقت تھے۔ اس وقت یہاں کے ہندوؤں میں باہر سے آنے والوں کے لئے سخت نفرت تھی۔ مسلمان کا سایہ پڑ جانے کے بعد وہ لوگ اپنے کو ناپاک سمجھتے تھے۔ بلکہ شودروں تک سے جو بعض اعتبار سے ان کے ہم مذہب تھے وہ اس قدر نفرت کرتے تھے کہ ان کی کمر میں گھنٹی باندھ دی جاتی تھی کہ جب وہ راستوں سے گزریں تو اونچی ذات کے لوگ ان سے دور ہو جائیں تاکہ ان پر ان کا سایہ نہ پڑے۔ مسلمان کا سایہ بھی "ملیچھ" کا سایہ سمجھا جاتا تھا۔ جس سے وہ سخت نفرت کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں سے حد درجہ تعصب برتتے تھے۔ اگر کھانا یا پانی پر مسلمان کا سایہ پڑ جاتا تو مسلمان مجرم گردانے جاتے تھے اور انہیں تاوان یا سزا بھگتنا پڑتا۔ اکثر معمولی معمولی باتوں کے لئے انہیں چھوٹے چھوٹے راجوں کے دربار میں طلب کیا جاتا اور انہیں خواہ مخواہ کی سزائیں ملتیں ـــــ آج غیر مسلموں سے ملنے، بات چیت کرنے، اپنی کہنے اور ان کی سننے کے بہت زیادہ مواقع ہیں۔ تعلیم اور زمانے کے اثر سے آج ذہن بہت کھلے ہیں۔ معقول بات کو سننے اور قبول کرنے کی صلاحیت ان میں پہلے سے کہیں زیادہ موجود ہے۔ غرض یہ کہ اس دور ـــــ کے مقابلے میں آج اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانا بہت آسان ہے لیکن اس کے باوجود اللہ کے بندوں تک اللہ کی ہدایت پہنچنے کا کام تقریباً نہ کے برابر ہے۔ اس کی بڑی رکاوٹیں خود ہمارے اندر ہیں۔ باہر بہت کم ہے۔ پہلی رکاوٹ تو ہماری اپنی ذات ہے۔ کونسی برائی ہے جو آج ہمارے اندر نہیں پائی جاتی ہے اور کونسی کشش ہے جو دوسروں کو ہمارے قریب لائے گی، کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمیں اپنی ان کوتاہیوں کے بدلے تو سزا بھگتنا ہی پڑے گا لیکن انہی کی وجہ سے ہمارے سر یہ الزام بھی رہے گا کہ ہمیں دیکھ کر بہت سی نیک روحیں جو اللہ کا دین قبول کر سکتی تھیں اس سے محروم رہ گئیں۔ اگر مسلمان، نام کے مسلمان، سے ہٹ کر غور کریں اور اپنی حیثیت کو پہچان لیں اور پھر اپنے کردار درست کریں، زبان کے سچے بنیں، معاملات کے کھرے ہوں، اخلاق و عادات میں بلند ہو جائیں، فرائض کے پابند اور برائیوں سے دور رہیں تو وہ یقیناً اپنے ملنے جلنے والوں پر اپنے پڑوسیوں پر اپنے کاروباری ساتھیوں پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ وہ اپنے ہم پیشہ غیر مسلم کو سیدھے سادے انداز میں محبت و حکمت کے ساتھ دین کی باتیں بتائیں، توحید کا مطلب سمجھائیں۔ آخرت کی حقیقت اس کے سامنے رکھیں۔ اسلامی عبادات کا تعارف کرائیں تو یہ کوشش ہرگز بیکار نہیں جا سکتی۔ سننے والا جب دیکھے گا کہ کہنے والا صاف اور بے لاگ باتیں کہہ رہا ہے۔ اس کی کوئی غرض اس کی شامل نہیں بلکہ وہ خالص ہمدردی کے جذبے سے صرف اصلاح کے لئے کچھ کہہ رہا ہے تو چاہے سننے والا انہیں تسلیم نہ بھی کرے تب بھی اس پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ بات نو مسلموں مثلاً محمد علی کلے، محترمہ جمیلہ مریم وغیرہ کی زندگیوں کے مطالعہ کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

آج مسلمان اپنے اپنے حلقوں میں جذباتی اختلافات کی الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کی تبلیغی سرگرمیاں اپنے اپنے حلقوں فرقوں تک ہی محدود ہے۔ وہ مسلم ایک اور واحد قوم کو جانے کتنے گروہوں میں بانٹتے جا رہے ہیں اور پھر اسی میں اپنی تمام تبلیغی صلاحیتیں ختم کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال سے زیادہ اچھی طرح کون انہیں سمجھا سکتا ہے ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ہمارے ملک کے مسلمان اب تک شیعہ، سنی، حنفی، وہابی کے جھگڑے لئے بیٹھے ہیں۔ کاش انہیں کبھی توفیق ہوتی کہ وہ نیک ایک کردار کو معاشرے کی سطح پر سنوارتے اور انہیں روشنی کے مینار دں میں بدل ڈالتے جس سے ساری دنیا مستفید ہو سکتی اور تحریک اسلامی کو اس کی اصل شکل میں لایا جاسکتا تاکہ اس تحریک سے ساری دنیا کو وہ بھلائی ہو سکتی جس بھلائی کیلئے آج ساری دنیا کوشاں ہے اور جو اس تحریک کا اصل مقصد ہے۔

اب بھی غنیمت ہے کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جو تعداد میں بہت کم ہیں مسلمان عام طور پر دین کے کام کو پسند کرتے ہیں۔ اور دعوت و تبلیغ کی کوششوں کو برا نہیں سمجھتے۔ البتہ عام مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ خیال بھی بیٹھا ہوا ہے کہ دین کا کام ایک مقدس کام تو ہے لیکن اس کا ایک محدود دائرہ ہے جس کا تعلق صرف عبادات اور اخلاق سے ہے۔ رہے زندگی کے دیگر مسائل تو وہ اس دائرے سے باہر ہیں اور انہیں دین سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ان کاموں کو دنیاوی کام سمجھتے ہیں۔ دین سے اس کا کوئی تعلق ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کی نظروں میں دینی کام کرنے والے گروہ کا خاص تصور بیٹھا ہوا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کرنے والی کوئی ایسی جماعت ہو جس کے کارکن منکرات سے بچیں کھیل تماشوں سے دور رہیں۔ راتوں کو اٹھ کر ذکر و شغل کریں۔ نوافل کثرت سے پڑھیں۔ لمبی لمبی گڑگڑا کر دعائیں مانگیں بستی کے لوگوں کو نماز روزے کی تلقین کرتے رہیں۔ اور ان کی تبلیغی کوششوں سے نمازیوں کی تعداد بڑھ جائیں تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ دین کا کام ہو رہا ہے۔ وہ کبھی اس بات کی ضرورت نہیں محسوس کرتے کہ دین کا کام کرنے والی جماعت کا کوئی تعلق زندگی کے دوسرے مسائل سے بھی ہو مثلاً اس جماعت کا کوئی دفتر ہو، اس کے کارکنوں کا کوئی رجسٹر ہو۔ اس کے سرگرمیوں کی اطلاعات اخبارات میں چھپیں۔ ضرورت کے لئے اشتہارات اور پمفلٹ چھاپے جائیں۔ جماعت تمام عوام الناس سے مخاطب ہو یا یہ کہ وہ شہر کے جھگڑوں کو دور کریں۔ پولیس یا ظالم کے ظلم سے مظلوم کو بچائیں۔ چوری اور جوے کی برائیاں دور کریں۔ شراب خانوں اور طوائف خانوں میں جاکر اصلاح کی کوشش کریں۔ انہیں یہ سب باتیں دین سے ہٹی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ایسی تمام چیزوں کو وہ اس جماعت کے دائرہ کار سے باہر سمجھتے ہیں اور عام مسلمان کو ان کے کارکن بننے کا تصور بھی نہیں کر پاتے۔ نہ کوئی جماعت ملکی یا بین الاقوامی سطح پر ان لائنوں پر قائم کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

اس کی وجہ وہ تصور ہے کہ لوگ زندگی کو دین و دنیا دو مختلف خانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں حالانکہ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ زندگی کے تمام کاموں کو دین کے دائرے میں لے آتا ہے۔ افسوس! مسلمانوں کے روبرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی تفصیل کے ساتھ نہیں ہے۔ اس پاکیزہ زندگی میں جو انسانیت کے لئے قطعی معیار ہے۔ ایک طرف عبادات کا انتہا اہتمام ملتا ہے۔ راتوں میں شب بیداریاں ہیں۔ ہر وقت اللہ کا ذکر اور دین کا فکر ہے بات بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے خوف

اور اس کی محبت کا جذبہ کس بلند معیار پر ہے لیکن اس کے ساتھ تجارت بھی ہے، گھریلو زندگی اور اس کے تعلقات بھی ہیں سیاست، جنگ، صلح، معاہدے، سفارتی تعلقات، بین الاقوامی امور یہ سب کچھ موجود ہے اور اتنا ہی نہیں منکرات کو روکنے کے لئے قوت استعمال ہو رہی ہے۔ شراب خانے بند کئے جا رہے ہیں۔ مجرموں کو سزائیں دی جا رہی ہیں۔ انصاف کی عدالتیں قائم ہیں اور نظم و نسق کی طرف توجہ ہے بغیر تمام عوام الناس کی فلاح کی کوشش ہو رہی ہے اور اس مقصد کے لئے تبلیغ یا اخلاق و زبان ہی نہیں تلوار یا جنگ و جدل کا بھی سہارا لیا جاتا ہے۔ اس مبارک زندگی سے ہمارے سامنے زندگی کا وہ جامع نظام آتا ہے جس کی آج ساری دنیا محتاج ہے اور جس کے بغیر انسانیت کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ آج بھی اگر کوئی چیز دنیا کے امن و سکون کی ضمانت بن سکتی ہے تو وہ ایسی ہی زندگی ہے جو خدا پرستی اور آخرت کی جوابدہی کے احساس کے ساتھ تمام معاملات کو اپنے دائرے میں لے اور انہیں اللہ کی ہدایت کی روشنی میں حل کرے۔

یقین جانئے کہ اس وقت جو اللہ کی ہدایت سے بے خبر ہیں ان کے پاس دھرم اور مذہب کے نام سے جو کچھ ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس پر اس دور کا ذہن مطمئن ہو سکے۔ جو بھی سیاسی تحریکیں ہیں وہ بھی بے کار ہیں اور قطعی فلاح کی ان میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اچھے اچھے سمجھدار لوگ اس کمی کو محسوس کرتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ جب تک کوئی حقیقی راہ ان کے سامنے نہ آئے وہ لازماً اس سے چمٹے رہیں گے۔ جس سے ہٹ کر انہیں سوچنے کا کوئی موقع ملا ہی نہیں۔ جب اچھائی کے نام پر "پردہ" "پاجامہ" وغیرہ اپنا سکتے ہیں۔ جب بھلائی کے نام پر وہ "استنجا" کی عادت ڈال سکتے ہیں۔ جب لذت کے نام پر مسلم دسترخوان اپنا سکتے ہیں تو ابدی بھلائی کے لئے اسلام کو اپنا لینے میں کیا تعجب کی بات ہو سکتی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ایسا ہونے میں شک ہے تو اسے اپنے ایمان پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کے راہ میں بہت سی مشکلات بھی ہیں۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایک غلط رائے رکھتے ہیں وہ تعصب کے بھی شکار ہیں۔ انہیں مسلمانوں سے حد درجہ نفرت بھی ہے۔ اس نفرت کے بہت سی تاریخی اور سیاسی پس منظر بھی ہیں۔ ان کے اندر آزادی کے بعد حد درجہ احساس برتری کا جذبہ بھی پیدا ہوا ہے اور اس طرح کے اور بہت ساری رکاوٹیں ہیں مگر ؂

وہ کب طے کرے گا محبت کی منزل
قدم جس کا اٹھتے ہی دل بیٹھ جائے

یہ بھی سچ ہے کہ غیر مسلموں کی اصلاح یا متفق کرنے کے لئے مسلمانوں نے اب تک کوئی قدم بھی نہیں اٹھایا۔ اگر ماضی میں کچھ ہوا بھی تو بات مناظروں، مباحثوں میں پڑ کر اور زیادہ بگڑی ہے۔ صبر و سکون سے مستقل کوشش آج تک نہیں ہوئی۔ خلوص و محبت سے بات سمجھانے کے لئے بڑے صبر کی ضرورت ہے اور یہ صفت اب مسلمانوں میں قریب قریب ختم ہے۔ اس کا سبب ایک ہی ہے۔ جب بھی کسی کام میں اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے علاوہ کوئی سیاسی مصلحت [illegible] یا ذاتی مفاد

خالی ہوگا تو پھر بات اپنے صحیح رخ سے ہٹ جائے گی اور اس سے کوئی کام نہ بنے گا۔ مسلمانوں کے دلوں میں تو صرف ایک جذبہ ہونا ضروری ہے۔ کامیابی اور ناکامی اللہ کی قدرت میں ہے۔ ایک مسلم کو ہر دو حالتوں میں فتح و کامرانی ہے۔

مسلمان سب سے پہلے اس نعمت کی قدر کریں جو انہیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے اور جو انہیں تمام قوموں سے ممتاز بناتی ہے یعنی دین حق کی بخشش اور صحیح اور قطعی ہدایات کا چارٹر قرآن اور اسلام یہ دو اثاثہ ایک مسلم کے لئے سب کچھ ہے اس کا تقاضا ہے کہ ان کی زندگیاں مومنانہ رنگ میں رنگی ہوں اور اس کے خلاف جو جو باتیں ان کی زندگیوں میں گھس آئی ہوں انہیں دور کریں۔ دل میں ایک طرف تو اللہ کے تمام بندوں کے لئے سچی محبت اور ہمدردی ہو۔ اور وہ اس تصور سے تڑپ اٹھتے ہوں کہ اللہ کی مخلوق دوزخ کا ایندھن بن رہی ہے۔ دوسری طرف اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو کہ اس صورت حال کے لئے انہیں اللہ کے حضور میں جواب بھی دینا ہے۔ اس کے بعد نہایت خلوص، حکمت اور ہمدردی کے ساتھ اللہ کے بندوں تک اس کا دین پہنچانے کا ارادہ کرلیں۔ اس راہ میں جو سختیاں آئیں اسے جھیلنے کو تیار رہیں۔ وقت پر نقصان بھی برداشت کریں اور محض اللہ کی خوشنودی کے لئے اس دھن میں لگ جائیں کیونکہ ان کی آخرت کی کامیابی کا یہی ایک ذریعہ ہے اور مسلمانوں کے موجودہ مسائل کا حل بھی صرف یہی ہے۔ اس کام کے لئے ہرگز کسی غیر معمولی صلاحیت کی ضرورت نہیں ہے۔ اخلاص، لگن، اجیون، اور کردار کی ضرورت ہے اور یہ سب چیزیں اپنے بس کی ہیں۔ یہ ایسا کام ہے جسے مرد اپنے دائرے میں اور عورتیں اپنے دائرے میں آسانی سے کرسکتے ہیں۔

ملک اور دنیا کی موجودہ حالت تحریک اسلامی کے لئے بہت سازگار ہیں اور اسلامی تفکر اپنے کم سے کم درجے ہی میں سہی ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ اب مسلمانوں کو مل کر کام کرنا چاہئے اور کم سے کم بنیادوں پر ایک دوسرے سے متفق ہوکر ایک ملک گیر جماعت کو منظم کرنا چاہئے پھر اس جماعت کو دنیا کے تمام مسلم جماعت سے وابستہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر ایسا ہم نے جلد نہ کیا تو پھر ہمارا شیرازہ اور بکھر جائے گا اور ہم دنیا کے ذلیل ترین قوم کہلائیں گے۔ افراد اپنے کردار کو سنوارنے میں لگ جائیں اور اسے قرآن وسنت کے زیادہ سے زیادہ نزدیک لانے کی سعی کریں۔

پچھلے بیس سالوں میں حالات بہت بدل چکے ہیں اقلیت کا رونا یا اس کا ہوّا کھڑا کرنا بھی بے معنی باتیں ہیں کئی اقلیتیں مل کر حکومت بنا سکتی ہیں اور اقلیت آسانی سے حکمرانی بھی کرسکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ اکائیوں کو جوڑا جائے۔ اور ان اکائیوں کو ایک تنظیم کی صورت دی جائے اگر یہ منظم ہوگئے تو پھر اس قسم کا خوف آپ سے آپ ختم ہوجائے گا۔ طاقت کا بھی دکھڑا رونا فی زمانہ بالکل بےکار ہے کیونکہ آج کی دنیا میں ادنیٰ قوم کسی نہ کسی طاقت ور بلاک کی ہمدردیاں حاصل کرلیتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ طاقتور بلاکیں کمزور مگر منظم قوموں کی خوشامدیں کرتا پھرتا ہے۔ پھر جس قوم کو اللہ کا وعدہ فلاح ہو اور جس کا مددگار مالک حقیقی ہو اس کو ان باتوں کی پرواہ بھی کیا ہوسکتی ہے

اب بہتر ہر باسب آزموں" کو آزما چکی ہے۔ سوشلزم، سیکولرازم، امپیرزم، کمیونزم وغیرہ سب کے سب

مانوسؔ اور ان کی شاعری

(جناب حاذق ضیائی صاحب سہسرامی)

اک مکمل زندگی کا ایک ہی افسانہ ہے
نامکمل زندگی کے سیکڑوں افسانے ہیں

کلامِ شاعر پر غور کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ حالاتِ زندگی اور اس کے متعلقات پر کچھ غور کر لیا جائے۔

خاندان و وطن مانوسؔ تخلص، نام محمد الطاف حسین، وطن قصبہ سہسرام، والد کا نام منشی اصغر حسین مرحوم، جو ایک تاجر اور خوش نویس آدمی تھے، ماں کا نام ہے، بی بی تجول، جو مشفق معلمہ تھیں، جن کے آغوشِ شفقت میں مانوس نے سب سے پہلے آنکھ کھولی، اور انہوں نے اپنے بچے کا مکتب کرایا۔ دادا کا نام تھا، دلاور حسین، جو محلہ پوکھنڈی سہسرام کے رہنے والے تھے، مگر مانوسؔ صاحب اپنی خالہ مرحومہ، بی بی حبیبہ زوجہ نصیر الدین مرحوم محلہ ملی آدم خان سہسرام کے مکان میں رہتے ہیں، جو حیدر علی صاحب مرحوم نیم والے خان سہسرام کی صاحبزادی تھیں۔

مانوسؔ صاحب کے چچا مظہر حسین مرحوم کو بھی شاعری کا شوق تھا کم پڑھے لکھے تھے، مگر کچھ اشعار موزون کر لیتے تھے، مانوسؔ صاحب کی طبیعت میں بھی خاندانی اوصاف ودیعت کئے، یہاں تک کہ وہ اپنے طرز کے ایک ممتاز ترین شاعر ہوگئے، جن کے کلام کی داد ہر صاحبِ ذوق آدمی دے رہا ہے۔

تعلیم و تربیت وطن کے بعض ابتدائی اسکولوں میں تعلیم پائی، اردو کے علاوہ تھوڑی فارسی پڑھی، البتہ مطالعہ اور اہلِ علم کی صحبتوں نے ان کے اندر اردو کا اچھا ذوق پیدا کر دیا، ادبی رسائل و کتب کے گہرے مطالعے سے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہوئی، تو مائل بہ شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے، قوتِ حافظہ نے انہیں غیر معمولی فائدہ پہنچایا، یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے شعراء کے خیالات و اسالیب سے ہٹ کر جداگانہ رنگ میں اشعار کہتے ہیں۔

افتاد مانوسؔ وہبی شاعر ہیں اگر کسب و ذہن نے ان کے فن کو ترقی دی، بچپن ہی سے پریشان حال، خستہ حال اور فکر میں مبتلا ہیں، انہیں زندگی میں کبھی سکھ اور چین نہ ملا، ہمیشہ معاشی بدحالی میں مبتلا رہے، اور سوالِ فکر روزگار میں سرگرداں، حقیقت یہ ہے کہ گھر و ماحول کی فضا کی تلخیوں نے ان کی زندگی کو دردانگیز بنانے میں مدد پہنچائی، اور یہی درد و کرب انہیں اشعار کہنے پر مجبور کرتے ہیں۔

بے حد مصائب و شدائد کا برداشت کرنے والا انسان صبر و استقلال کا پتلا نظر آتا ہے، اور ان کے ایسے دور کی داستان خود ان کے

جہاں جاتا پچھلے پرانے لباس میں جاتا، مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔

ایسا نونہال جو بھائیوں میں سب سے بڑا تھا ابھی شعور کو پہنچا ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور جیسے ماں کی شفقت گھر کی قید و بند میں محصور نہ رکھ سکی، اور نہ کسی درسگاہ کی وابستگی اور نہ اساتذہ کی تہذیب و تربیت، تعلیم و تربیت نے اسے ایک رخ پر چلنے پر مجبور کیا، جو گھر والوں کے سہارے سے محروم ہو گیا، وہ دوسروں سے کیا سہارا لیتا، خود آگے بڑھنے کی جد و جہد میں لگا رہا، مگر پیہم ناکامیوں نے اس کے دامن فکر پر جو نقوش ابھارے وہ اس کے معتقدات کے جزو بن گئے، اس کی زندگی کیا ہے، حقیقت میں وہی معتقدات ہیں، جو جذباتی عناصر سے ہم آہنگ ہو کر شعری قالب میں ڈھل گئے ہیں، یہی سبب ہے کہ ان کی شاعری دردمند دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

وطن کا شاعرانہ ماحول

سہسرام تین طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا، ایک پر فضا مقام ہے، جہاں کے آبشاروں اور جھرنوں کی نغمگی کیف آور اور برسات کی بہاریں دلکش، مگر یہاں کی زبان وہاں کے پہاڑوں کی سنگلاخی اور آبشاروں اور جھرنوں کی نغمگی دونوں کا اثر ہے، یہی وجہ ہے، زبان اردو کی شیرینی میں بھی چھچھوری طرز ادا کی تلخی پنہاں ہے، اور عام شعرائے سہسرام کا یہ حال ہے کہ ان کا مذاق شاعری ہنوز امیر و داغ کے عہد شاعری سے آگے نہ بڑھا، مگر مانوس خیابانِ سہسرام کے ایسے عندلیب خوش نوا ہیں جنہوں نے عصری تقاضوں کو پوری طرح سمجھا، اور اپنے مذاقِ سخن کو اس سے جلا دی، اور اپنے معتقدات اور فطرت طبع کی نیرنگیوں کو شاعری کے قالب میں ڈھال دیا، اور اسلوب و ادا میں جان پیدا کی۔

مانوس صاحب جوانی سے گزر کر اب عہد کہولت کے بھی کئی زینے طے کر چکے ہیں، عمر تقریباً ۵۵، ۵۶ سال ہے، بچپن سے لے کر آج تک کی زندگی ایک کتاب عبرت ہے، جس کا ہر صفحہ حوادثاتِ زمانہ کی خوں آشامیوں سے آلودہ ہے، اور ان کی کتاب زندگی کے صفحات بصیرت افروز، غم جاناں اور غم دوراں سے مملو۔

شرف تلمذ

کہہ چکا ہوں، مانوس ایک فطری شاعر ہیں، اور تلمیذ رحمان، پھر بھی چند مشاہیر اساتذہ سخن، مثلاً جلیل مانکپوری مرحوم اور مولانا سیماب اکبر آبادی مرحوم کی شاگردی حاصل کی، اور خصوصیت سے منشی خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی رہبر و مہبر مرحوم سے اصلاح سخن لی، اور ان کی اصلاحوں اور مشوروں سے خصوصی فائدہ اٹھایا، ایک بار کا ذکر ہے کہ مانوس نے ان کے پاس اصلاح سخن کے لئے ایک غزل بھیجی جس کا ایک شعر یہ تھا:

چشم باطن میں جو پنہاں روئے پُر تنویر ہے
ہر شعاع اس کی ہمارے پاؤں کی زنجیر ہے

عشرت مرحوم ان کی غزل کو پڑھ کر پھڑک اٹھے، اور یہ شعر کہہ کر داد دی:

لطف کیوں حاصل نہ ہو مانوس کے اشعار میں
شاعری میں اس کو فیضِ روحِ پاک میسر ہے

ایک بار انہوں نے مانوس کے بعض اشعار پڑھ کے کہا "تم ابھی تک زندہ کیسے ہو، ایسے شعر کہنے والے کا تو کلیجہ پھٹ جانا چاہئے":

طریق شعر گوئی

سوچ سمجھ کر شعر کہتے ہیں، جب تک طبیعت پر کوئی کیفیت طاری نہیں ہوتی، شعر نہیں کہتے ہیں، گویا بے سوچے کہنا ہم [illegible] ان کے حساس دل پر [illegible]
ان کا کلام "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے۔

اکثر منتخبہ مجموعہ دادزان میں اشعار کہتے ہیں، جس سے کلام کی پختگی اور نہ بیشتر بڑھ جاتی ہے۔

خود ہی کلام پر غور و فکر کر کے ترمیم و اضافہ کے بعد کلام کو حسین تر بنانے کے عادی ہیں۔

مانوس دوسروں کی نظر میں

خدا نے مانوس کو جس قسم کا ملکۂ شاعری ودیعت فرمایا ہے اس کا ایک عکس تاجور نجیب آبادی کی زبان میں یہ ہے:- ("ساز الم" پڑھ کر لکھتے ہیں)

"آپ کا کلام، تقریباً میں نے سب ہی دیکھ لیا، بہت خوب ہے، ذہن میں جودت، فکر میں وسعت اور قلم میں قدرت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دل میں درد محبت ہے، درد ہو، اثر ہو تو زبان دبیان کی کچھ کمی گوارا ہو جاتی ہے، آپ میں یہی وصف ہے، جبلا لالک صاحب نے صحیح لکھا۔

"قدرت نے اس کے دل میں ایک ایسی لازوال ہوک تخلیق کر دی، جس نے مانوس کو شاعر بنا دیا"۔

اثر لکھنوی نے بھی مانوس کے بعض اجزائے کلام کی شرح لکھی تو اسی طرح کی توصیف فرمائی۔

اختر اورینوی "تنقید جدید" میں لکھتے ہیں کہ "بہار نے غزل نگاری کا ایک اور چشم و چراغ پیدا کیا، یعنی مانوس سہسرامی"۔

پھر کہتے ہیں "مانوس سہسرامی کی شاعری کا افق بہت وسیع ہے، اور اس کے تجربات میں سرشاری کے ساتھ گہرائی پائی جاتی ہے"۔

آگے چل کر کلام مانوس سے چند مثالیں دے کر کہتے ہیں۔

"جدید غزل میں فکری عنصر جذباتی عناصر سے مل کر نئی لذتیں پیدا کرتا ہے"۔ اور یہ حقیقت ہے کہ "نئی لذتیں" کلام مانوس میں بدرجہ اتم ہیں۔

نظریات و معتقدات

مصائب کی برداشت نے سپردگی و وارفتگی کی کیفیت پیدا کر دی ہے، تسلیم و رضا کا پیکر جو کر مشیت الٰہی کے تابع رہنا پسند کرتے ہیں، اس لئے اخلاقی قدروں سے صرف نظر نہیں کرتے، اسی وابستگی و سپردگی نے ان کے کلام کو پاکیزہ بنایا، اور ایک ایسی وسعت قلب عطا کی جس میں ساری دنیا سماتی ہوئی ہے، اور جس میں عصری روح کی جلوہ فرمائیاں ہیں مگر عصری رجحانات کی عکاسیاں نہیں، وہ دنیا کو کسی وطن و خطہ میں محصور نہیں سمجھتے، آفاقی تصورات کے حامل ہیں، معاشی بدحالی کے باوجود اشتراکی نقطۂ نظر کو دنیائے انسانیت کے لئے مہلک اور ایک بڑا خطرہ سمجھتے ہیں، ایسے موقع پر صاف کہنا چاہیے، ان کا نقطۂ نظر قرآنی ہے۔

دینی اطوار

مانوس کی زندگی میں ایک قسم کا "اعتدال" ہے، (ان کی آزادروی کے باوجود یعنی "مناہیات و منکرات" سے بچ کر معروفات کی طرف کم جھکے، اب یہ عدم جھکاؤ بھی اعتدال پر آ رہا ہے، فرائض دینیہ وغیرہ کے پابند ہو گئے ہیں۔

مالک آروی مرحوم نے کہا تھا "مانوس کے یہاں بعض آزاد خیالی اور شعری وسعت کے ساتھ ساتھ ادبی اقدار اور ضابطہ اخلاق کا بہت پاکیزہ اور معتدل امتزاج نظر آتا ہے"۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ان کی فکر میں صلابت اور زندگی میں مزید لطافت [illegible] جس سے ان کا شعر جاودان اور ان کا کردار رفیع!

زبان و اسلوب

دوسروں نے جو کچھ کہا اس سے قطع نظر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مانوس ایک غزل گو شاعر ہیں، انہوں نے غزلیں کہا لکھیں، پرانے الفاظ کو نئے معنی پہنائے ہیں، جن میں جذباتی عنصر فکری عناصر سے کچھ اس طرح ہم آہنگ ہو گئے ہیں جیسے خیالات و جذبات کا تصور و سلاح ہو گیا ہے۔ نئے مفہومات کی ادائیگی کے لئے جہاں نئی ترکیبیں آتی ہیں، وہ بھی اپنے اسلوب کے لحاظ سے خوب ہیں، اور بعض الفاظ اور بعض ترکیبیں تو انہوں نے کثرت سے استعمال کی ہیں اور یہ کثرت استعمال نتیجہ ہے ان کی خاص افتاد کا، یہی وجہ ہے، زبان و بیان کی بعض خوشگواریاں بھی ان کے یہاں بعض اوقات ناخوشگوار ہو جاتی ہیں، اور بیان و ادا کی تنگ دامانی کا شکوہ کرنے کو جی نہیں چاہتا ہے۔

گھلتے رنگ رنگ کی شگفتگی اور تازگی ان کے جملہ اشعار میں ملے گی تمدنی و سیاسی روحانی و اخلاقی جس نوع کے مضامین کا حامل شعر ہو اس میں ان کا اسلوب بھی اپنے دل کی آواز معلوم ہوگا۔

اس طرح آپ کا ذہن اشعار کی فضا کی پرغور کرے تو آپ معلوم ہوگا کہ چراغ دل کے شعلے شمع محفل کی لو بن گئے ہیں۔

ان کی رفعت فکر پر غور کریں تو ایسا سمجھیں کہ زمین سے اٹھنے والے دھوئیں آسمان پر ابر بے باراں کی طرح منڈلا رہے ہیں، دیکھنے میں پہاڑ جیسے پرشکوہ الفاظ مگر معنی آفرینی میں گیاہ خشک کے انبار یا اس سے فروتر۔

الفاظ کی ترکیبیں نہ اس انداز کی ہیں کہ سامع کو کوئیں جھکائیں، وہ دیکھنے والے جب دیکھنا چاہیں تو چاہ بے آب معلوم ہوں۔

دوسرے لفظوں میں کلام فصیح و بلیغ ہے، زبان پیاری، ترکیبیں سادہ، تشبیہات و استعارات بے تکلفانہ، اشارے و کنایے لطیف اس لئے اکثر اشعار سہل ممتنع معلوم ہوتے ہیں اور بعض اشعار و مصرعے ضرب الامثال بننے کے لائق۔

جان توازن

ایسا نہ ہو آپ جوش و فراق سمجھ لیں، اور نہ ہر رطب و یابس خیالات کا موزوں کرنے والا دانش اور نہ حسرت بن جی جن کے خیالات عاشقانہ ہیں اور فاسفانہ بھی، اور نہ اقبال جیسے منقلب الذہن افکار، یہاں جو کچھ ہے ماضی و حال کی تاریخ کا نقش اور اپنے تجربات کی نئی دنیا، اور اس کا صحیح دھوان جس میں اقبال کی متانت اور غالب کا تیکھا پن دونوں شامل ہے۔

اس میں کچھ شبہہ نہیں، مانوس کے یہاں میر اقایم، ضیا، فانی جیسا غلق غم ہے، اور اسی عنصر کا غلبہ، مگر اس غلبۂ غم میں آفتاب رجا کی جھلکیاں بھی دکھائی دیں گی، یہی فرق ہے مانوس اور دوسرے المیہ گو شعرا میں۔

ادوار

مانوس کے فکر و فن کا مطالعہ کرنے والے کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ان کے ادوارِ شاعری کو سمجھے، ہمارے نزدیک مانوس کی شاعری کے تین ادوار ہیں، پہلے دور میں ان کی شاعری روایاتی انداز کی تھی، مگر جذباتی عناصر سے ہم آہنگ، فکر نا پختہ تھی، اور تجربہ ناقص، یہ وہ دور تھا جب وہ دوسرے مشاہیر اساتذہ کے علاوہ عشرت لکھنوی سے اصلاح سخن لے رہے تھے، طبیعت کا یہ رجحان جس میں جذباتی عناصر کا غلبہ تھا، اور ان کا غلق غم فکری عنصر سے ہم آہنگ نہیں ہوا تھا، یہ دور شاعری ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک کا ہے، افسوس اس دور کے کم ہی اشعار موجود ہیں، مانوس کی استغنا پسند طبیعت نے کھو دیا، ۱۹۳۲ء میں (تقریباً) ۱۸ سال کی عمر میں جو کچھ کہا ہے، دیکھئے، ہر شعر سے ان کا غلق غم پھوٹ رہا ہے:۔۔۔

ہر گام پہ جذب ہے تاروں کی روشنی	بے رہنما غریب مسافر سفر میں ہے
رنگ بہار میں مرے غم کا عکس ہے	پھولی ہوئی شفق مرے قلب و جگر میں ہے

الفاظ وہ نہیں ہیں جو کاشف ہوں راز کے ———— کیونکر بتائیں آپ کو کیا کیا نظر میں ہے

مانوس بحر غم میں سہارا اللہ کا ہے

طوفاں ہے برق و باد ہے کشتی خطر میں ہے

کچھ روایاتی انداز کی :—

انجمن مستوں کی تھی عشرت کدہ مینا نہ تھا ———— بیچ میں ساقی تھا سب کے ہاتھ میں پیمانہ تھا

شمع پوشیدہ ابھی تھی پردۂ فانوس میں ———— اور ادھر بیتاب جس کے لئے پروانہ تھا

مرتے ہی مانوس کے ماتم کدہ تھا میکدہ ———— غم کہیں شیشہ کہیں، ساغر کہیں پیمانہ تھا

شب کو رقصاں تھے فلک پہ جو ترا پر انجم ———— مٹ گئے دیکھتے ہی دیکھتے بیمار کے ساتھ

سجدہ کروں میں اور کو وہم گماں سے دور ہے ———— کوئی نہیں سوا ترے جو ید ہ امتیاز میں

ابتدائے عہد جوانی کے ان اشعار سے بھی ان کے تعلقی اٹھان کا پتہ ملتا ہے، اور ان کی افتاد طبع کا اندازہ، مگر اسلوب کی جدت یہاں بھی بعد اگانہ ہے۔

مانوس کی شاعری کا دوسرا دور ۱۹۳۶ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۳ء پر ختم ہوتا ہے، ۱۹۵۱ء میں مانوس کا مجموعۂ کلام "ساز الم" کے نام چھپا، جس پر مالک آر وی مرحوم نے عالمانہ اور بصیرت افروز مقدمہ لکھا، اور انہیں اردو زبان کا پانچواں المیہ گو شاعر قرار دیتے ہوئے میر، قائم، فانی کی المیہ گوئی کا تجربہ کر کے اُن کے محاسن کلام کی نشان دہی کی اور یہ لکھا:—

یہاں[1] کا ایک تاکسنر نشین دکاندار اپنے خیال کی بلندی، اپنے احساسات کی نزاکت، اپنے اعمال کی سادگی، اپنی انسانیت کی برتری اپنے غم کی قدرتی امانت کے لحاظ سے بستر سنجاب پر محو راحت رہنے والوں کے لئے بھی قابل رشک ہے، کیا آپ کو یقین آئے گا کہ خاک دعا... لدا ہوا یہ مفلوک الحال جوان، ایسے پاکیزہ، بلند اور دل میں پیوست ہو جانے والے اشعار کہہ سکتا ہے :—

مجھے چھوڑیئے، مرے حال پر میں برا ہوں سب سے برا سہی ———— یہ گماں کہ ننگ وفا بھی ہوں تو بلا سے ننگ وفا سہی

کوئی زندگی ہے یہ زندگی کہ خوشی میں غم کا مزہ ملے ———— مری سرگذشت نہ پوچھئے کبھی کامیاب ہوا نہیں

کتنی سمجھ ہے، مختلف اور جدا نظر بھی ہے ———— دنیا ہمارے حال پہ ہنستی ہے تو سہی گر بھی ہے

دیجئے حکم اک نیا، آپ نہ ہر جفا کے بعد ———— کہتے کوئی کہے گا کیا آپ کو ہر جفا کے بعد

پردے پردے میں جفاؤں پر جفا کرتے رہے ———— اور وہ مجھ میں [illegible] یہ دعا کرتے رہے

مری آرزوؤں کا ذکر کیا، یہ رہیں تو کیا یہ مٹیں تو کیا ———— جنہیں [illegible] کا دامن آ تی تھا کبھی

گرتی ہے برق جولاں کیوں بار بار اسی پر ———— [illegible] ہے

[1] مراد سہرام حاذق

سوانح عمری

اور

اردو زبان

(از ش۔ م۔ عارف ماہر آروی)

[سوانح لکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ اس میں ہر شئے تخیلی نہیں ہوتی اور نہ ہی صرف مواد کو ترتیب دینا ہی کافی ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے اپنی ہی شخصیت (Personality) کا مرقع پیش کرنا پڑتا ہے۔ اپنی شخصیت کا تجزیہ (Analysis) خود کرنا بڑا مشکل فن ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اچھی سوانح عمری کی تعریف کرتے ہوئے جانسن نے کہا تھا کہ اچھی سوانح عمری وہ ہے' جو خوشی کی تلاش میں انسان کے سفر کی نشان دہی کرے نہ کہ زندگی کی کامیابیوں کا شمار اور ناکامیابیوں کی پردہ پوشی یا تاویل۔ اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سوانح نگار کے لئے دیانت' انتخاب مواد ذوق سلیم۔]

اردو ادب میں سوانح عمری کوئی نئی ایجاد نہیں البتہ اس کا تصور مغرب کی دین ضرور ہے اردو ادب میں سوانح کے اجزاء تزک، تذکرے' تاریخ اور سیر کی کتابوں میں بے شمار دستیاب ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے بعد تاریخ سے دلچسپی کا جو رجحان پیدا ہوا' اس کی وجہ سے مشاہیر کے حالات قلمبند کرنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ایسی تصانیف عموماً تین طرح کی ہیں سب سے زیادہ توجہ مذہبی اکابر کے ملفوظات و حالات سے متعلق کتابوں کے مرتب کرنے کی جانب کی جاتی تھی۔ ایسی کتابوں میں دہ مجلس' گلزار فریدی (وقائع حضرت بابا فرید گنج شکر از پیر محمد حسین چشتی)' احسن الاقوال (ملفوظات شیخ برہان الدین غریب از خواجہ عماد بن حماد کاشانی) خیر المجالس (ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی) اخبار الاخیار (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ بندہ نواز گیسو دراز) سیر محمدی (مولانا شاہ محمد علی) بہجۃ الاسرار (حالات و ملفوظات شیخ عبدالقادر جیلانی از نور الدین ابو الحسن علی یوسف)' انوار العیون (ملفوظات و حالات شیخ احمد عبدالحق از شیخ عبدالقدوس گنگوہی) مکتوبات صدی (از مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰی منیری) لمعات بدیہ (از مولانا

شاہ محمد بدرالدین قادریؒ)، مکاتیب مخدوم شاہ مجاتلی رلاہر لپوریؒ اور دیگر بزرگان دین کی بہت ساری تصانیف، ملفوظات و مکاتیب کے علاوہ بعض ایسے تذکرے بھی لکھے گئے ہیں، جو اولیائے کرام اور صوفیا و مشائخ کے سوانح پر مشتمل ہے۔ مثلاً تذکرۃ الاولیا (خواجہ فریدالدین عطارؒ)، سفینۃ الاولیا (دارالشکوہ)، تذکرہ بے بہا، تاریخ العلما (سید محمد حسین)، تذکرہ المعین فی ذکر الکاملین (زین العابدین)، محبوب ذی المنن، تذکرہ اولیائے دکن (عبدالجبار خاں)، بہشت بہشت (سوانح عمری)، خواجگان چشت از قربان علی سبل)، تاریخ فردوسیہ (از معین الدین دردائی) اعیان وطن (از حکیم سید محمد شعیب صاحب) طابع (دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف) وغیرہ۔

دوسرے درجے پر بادشاہوں کے روزنامچے یا خود نوشت یادداشتیں لکھی جاتی تھیں جیسے تزک بابری، ہمایوں نامہ، آئین اکبری (ابوالفضل)، تزک جہانگیری، اقبال نامہ جہانگیری (میرزا احمد عرف معتمد خاں بخشی) وقائع عالمگیری اور مآثر عالمگیری (محمد ساقی مستعد خاں)۔

ادبی سوانح عمری فارسی میں بہت کم ہیں۔ اردو میں بھی ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ لے دیکھے شیخ علی حزیں اور میر تقی میر کا نام نمایاں ہے۔ اس زمانے میں سوانح عمری چونکہ مستقل صنف ادب کی حیثیت نہیں رکھتی تھی اس لئے قدیم تصانیف میں شخصیت اور سیرت کے سارے نقوش اچھی طرح اُجاگر نہیں ہونے تھے، ملفوظات میں عموماً پیری مریدی کا احساس غالب رہتا تھا۔ روزنامچوں میں نظر واقعات کی رفتار پر رہتی تھی۔ سیر کی کتابوں میں سیرت کا مبالغہ آمیز نقش پیش کیا جاتا۔ لیکن حالات زندگی ناکافی ہی رہتے تھے۔ تذکروں میں معاملہ اس کے برعکس تھا یعنی ان میں سیرت نگاری کی خوبیاں مفقود تھیں۔

جدید سوانح عمری جو مغرب کی دین ہے۔ ان سب کوتاہیوں کا جواب ہے۔ اس میں ذاتی عقیدت و احترام سے ہٹ کر، سیرت کی خوبیوں اور خامیوں کو تحقیقی مواد کی روشنی میں پرکھا جائے گا اور شخصیت کی صحیح تصویر مربوط طریقے سے ادبی طور پر پیش کی جائے۔ اس کام کی ابتدا شبلی اور حالی نے کی۔

شبلی اور حالی کے زمانے میں ملکی حکومت، شخصی مورد ثی یا جاگیرداری جو بھی تھی، دم توڑ چکی تھی اور تصوف کی گرم بازاری بھی تقریباً سرد ہو چکی تھی۔ اس لئے سوانح و تاریخ کے میدان میں نگاہیں زیادہ تر ماضی کے سرمایہ پر پڑیں اور مذہبی سوانح عمریوں کی ایک نئی قسم وجود میں آئی، جو دور جدید کے چند تقاضوں کو ہی پورا کرتی تھیں۔ مثلاً شبلی کی المامون، النعمان، الفاروق، الغزالی، سوانح مولانا روم اور سیرۃ النبیؐ جسے بعد میں مولانا سید سلیمان ندوی نے مکمل کیا اولاد حیدر فوق بلگرامی کی اسوۃ الرسول اور سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین، سوانح احمدی (محمد جعفر تھانیسری)۔ سیرۃ الصدیق (محمد حبیب الرحمان خاں شیروانی) سیرت سید احمد شہید (ابوالحسن علی)، تذکرہ شاہ ولی اللہ اور سوانح قاسمی (مناظر احسن گیلانی) محمودیہ (عبیداللہ سندھی) حیات شیخ الہند (مولانا محمد حسن از سید اصغر حسین) حیات

حدیث دہلوی، خلیق احمد نظامی، صدیق اکبر (سعید احمد اکبر آبادی)، سید احمد سعید (غلام رسول مہر) وغیرہ۔

جدید دور میں مذہبی سوانح کے ساتھ ساتھ ادبی سوانح کی بھی ایک بڑی تعداد منظر عام پر آئی۔ حیات سعدی اور یادگار غالب کے بعد حیات النذیر (از مولانا ابوالکلام آزاد)، حیات خسرو (محمد حبیب اور سعید احمد مارہروی)، حیات حافظ (محمد اسلم جے پوری)، امیر خسرو (وحید مرزا)، حیات انیس، حیات دبیر، حیات رشید، حیات اکبر، حیات محمد قلی، حیات مومن، حیات شبلی (سید سلیمان ندوی)، شبلی نامہ (محمد اکرام)، رند پارسا وغیرہ۔ ان کے علاوہ سودا، امیر، غالب، حالی، داغ، آزاد، اقبال، جگر، حسرت، علی عباس حسینی، علامہ جمیل مظہری، رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، اختر اورینوی وغیرہ سے متعلق، جو متعدد تنقیدی و تحقیقی کتابیں اور رسالوں کے خاص نمبر شائع ہوئے۔ ان کے سوانحی حصے میں بھی سوانح نگاری کا حق ادا کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ دور ہندوستان میں ذہن کی بیداری اور غیر ملکی سامراج کے خلاف جدوجہد کا تھا۔ اس لئے بعض سماجی اور سیاسی سوانح عمری بھی مرتب ہوئیں۔ سماجی سوانح عمریوں کے لئے حیات جاوید (حالی) حیات سر سید (نور الرحمٰن) حیات محسن، حیات وقار (محمد امین زبیری) وغیرہ طرح کی چیزیں ہیں۔

سیاسی سوانح عمریوں میں زیادہ تر اردو میں ترجمے کے ذریعہ آئیں جیسے گیری بالڈی، میزینی، نپولین، کمال اتاترک، لینن، چمبرلین، اسٹالن اور دوسرے غیر ملکی قومی مشاہیر کی سوانح کے اردو ترجمے، مہاتما گاندھی کی سوانح عمری "تلاش حق" جواہر لال نہرو کی سوانحی اہمیت کی مختلف کتابیں اور مولانا آزاد کی ہندوستان نے آزادی جیتی وغیرہ اردو میں ترجمے کے ذریعہ ہی کی گئیں۔ خود اردو کی خاص خاص سیاسی سوانح عمریوں میں حیات ولی (سوانح ولی اللہ دہلوی از محمد رحیم بخش)، محمد علی (عبدالماجد دریا بادی)، حیات اجمل، جمال الدین افغانی، آثار ابوالکلام آزاد (قاضی عبدالغفار) محمد علی جوہر (خواجہ احمد عباس)، محمد علی جناح (رئیس احمد جعفری)، حیات قائد اعظم (سردار محمد خاں)، حیات ڈاکٹر سیف الدین کچلو (شریف احمد) آزاد کی کہانی (ملیح آبادی) قابل ذکر ہیں۔

اردو سوانح عمری کے ارتقا میں خود نوشت سوانح عمری کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ کسی اردو سخنور کے قلم سے نکلی ہوئی پہلی خود نوشت سوانح عمری سوانح میر تقی میر کی "ذکر میر" ہے۔ لیکن یہ فارسی میں ہے۔ سید حسین احمد مدنی کی خود نوشت سوانح عمری "نقش حیات" نیم مذہبی اور نیم سیاسی کارنامہ ہے۔ عبدالمجید سالک کی "سرگذشت" ان کی ہمہ گیر صحافتی زندگی کی داستان ہے۔ سید رضا علی کی تصنیف "اعمال نامہ" اور رفیق محمد خاں خواجوی کی "عمر رفتہ" (ساقی سالنامہ ۱۹۵۸ء) خوب ہیں۔ لیکن ان دونوں کے مصنف فقط ان سوانح عمریوں کی حد تک اردو ادیب ہیں۔ اس لئے تاریخ ادب کے نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت زیادہ نہیں۔ البتہ عبدالغفور نساخ کی سوانح عمری قابل ذکر ہے۔ لیکن اب تک یہ طبع نہیں ہوئی (ملاحظہ ہو نگار اپریل ۱۹۵۹ء) جگر بریلوی کی "حدیث خودی" کسی اردو شاعر کی اردو میں لکھی ہوئی پہلی مطبوعہ خود نوشت سوانح عمری ہے۔

ادب

مکتوب حضرت سید العرفاء مخدوم شاہ مجا قلندر لاہرپوری قدس اللہ سرہٗ

ما مکتوب شانزدہم
بنام شیخ یوسف عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در دریائے معانی شیخ یوسف عثمانی ساکن قصبہ امیٹھی سلمہ اللہ تعالیٰ من الآفات از درویش مجتبیٰ عرف مجا لاہرپوری دعا و تحیہ موصول باد۔ اے برادر چنداں اذکار سخت بکنید کہ از بسیاری حرارت ذکر از بدن ذاکر رطوبا تیکہ در گوشت و پوست و خون و رگ مقام کردہ است بیروں آید۔ تا حالت خود ردی بماند و آں زماں معنی الآن کما کان در فہم آید رحمت در جانش باد کہ گفت ؎

ہر چہ بینی یار ہست اغیار نیست
غیر او جز وہم و جز پندار نیست

ای برادر ذاکر را باید کہ چناں ذکر بکند کہ در مردم مشہور بدیوانہ شود، کما قال علیہ السلام اکثروا ذکر اللہ حتی یقال انہ مجانین) ونیز رسول فرمودہ است لا تکمل الایمان حتی یظن الناس انہ مجنون۔ و سالک را باید کہ قبل از ذکر وضو تازہ

سولھواں خط
حضرت شیخ یوسف عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در دریائے معانی شیخ یوسف عثمانی ساکن قصبہ امیٹھی سلمہ اللہ تعالیٰ من آفات فقیر مجتبیٰ عرف مجا لاہرپوری کی جانب سے دعائے درازی عمر پہنچے۔

اے برادر اس قدر ذکر کرو کہ ذکر کرنے کی زیادتی حرارت کے باعث ذاکر کے بدن سے رطوبت جو گوشت پوست خون اور رگوں میں ہو نکل جاوے، یہاں تک کہ ایسی حالت ردی ہو جاوے اس وقت معنی الآن کما کان کے سمجھ میں آویگا ان کی روح پر رحمت ہو، جنہوں نے کہا ہے ؎

ہر چہ بینی یار ہست اغیار نیست
غیر او جز وہم و جز پندار نیست

اے برادر ذاکر کو اس قدر ذکر کرنا چاہیئے کہ لوگوں میں دیوانہ مشہور ہو جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اکثروا ذکر اللہ حتی یقال انہ مجانین (ترجمہ) اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کند جبہا بشکنند درزار کاہر قدلیکہ تو اند استغفار گوید بعدہ
حضور دل دلہ کار شروع کند، چوں از ذکر اللہ فارغ
شود۔ ایں دعا بخواند "اللّھم انا ذکرناک علی قدر
قلۃ عقلنا وعلمنا وفھمنا فاذکرنا علی سعۃ رحمتک
وفضلک یاخیرالذاکرین ویا ارحم الراحمین
باید کہ ذکر با حضور دل کند تا زود بمقصود رسد و ہر کہ
ذکر کند و دل او غافل باشد در حق او وعید سخت است
در اخبار است کہ حق سبحانہ تعالیٰ می فرماید ہر کس کہ یاد
من بغفلت میکند خدا او لابنام یاد او لعنت میکنم رحمت
بر جانش باد کہ گفت ؎

ہر آنکو غافل از حق یکزمانست
دراں دم کافر است اما نہانست
اگر غفلت بدو پیوستہ بودی
در اسلام بر وی بستہ بودی

ای برادر مرشد را باید کہ اول طالبان را باکل
حلال وصدق مقال امر فرمائید، بعد ازاں اذکار وافکار
بگوید کہ زود ثمرہ بخشد اگرچہ حق ارشاد ازیں ہم برتر است
اگر کسے دریں زمانہ ایں قدر بکند کہ مردم را از بدعت و حرام
خوردن توبہ دہد و بسیار مفسدان را براہ آرد از نیکان عالم
است۔ ہرچند چنانچہ حق ارشاد است میکند یا نہ میکند کہ در
چہل مجلس مذکور است کہ قاضی علی مصری حکایت شیخ صفی الدین
کہ آمدہ بود است خدمت شیخ علاء الدولہ سمنانی قدس آغاز
کرد، گفت مرا بخیر از خدمت باز نداشت و پیوستہ در طلب
طالبان است و دیگر مریدان تقاضی می کنند وی گوید کہ غیر
از من مرشد نیست [illegible] باید آمد تا بالشان

کا تکمل الایمان حتی ینظر الناس انہ مجنون ۔
(ترجمہ) سالک کو چاہیئے کہ ذکر سے قبل تازہ وضو کرے اس
کے بعد جس قدر ممکن ہو عاجزی سے اور رو کر توبہ کرے، پھر
حضور دل سے ذکر شروع کرے۔ جب اللہ کے ذکر سے فارغ
ہو یہ دعا پڑھے :- اللّھم انا ذکرناک علی قدر
قلۃ عقلنا وعلمنا وفھمنا فاذکرنا علی سعۃ
رحمتک وفضلک یا خیرالذاکرین ویا ارحم
الراحمین (ترجمہ) چاہیئے کہ ذکر حضور دل سے کرے تاکہ
مقصود کو جلد پہنچے اور جو کوئی ذکر کرتا ہے اور اس کا دل
غافل رہتا ہے، اس کے واسطے سخت وعید ہے (عذاب کا وعدہ
ہے) حدیث میں ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو کوئی میری
یاد غفلت سے کرتا ہے میں کہ خدا ہوں۔ اس کی یاد لعنت سے
کرتا ہوں۔ اس کی روح پر رحمت ہو کہ جنہوں نے کہا ہے :؎

ہر آنکہ غافل از حق یکزمان است
دراں دم کافر است اما نہانست
اگر غفلت بدو پیوستہ بودی
در اسلام بر وی بستہ بودی

مطلب یہ کہ جو شخص خدا سے ایک گھڑی غافل ہے، اس گھڑی
وہ کافر ہے، لیکن پوشیدہ ہے۔ اگر اس پر غفلت ہمیشہ ہوتی
تو اسلام کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا۔ میرے برادر مرشد کو
چاہیئے کہ طالبوں پہلے حلال روزی کھانے اور راست گفتاری
کا حکم دیوے۔ اس کے بعد اذکار وافکار بتادے، جو جلد نفع
بخشیں۔ اگرچہ ہدایت حق اس سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی
اس زمانہ میں اس قدر کرے کہ آدمیوں کو بدعت اور حرام کھانے
سے توبہ کرائے اور بہت سے مفسدوں کو راستہ پر لادے تو وہ

ارشاد کم شیخ قدس سرہ فرمود کہ روزگار ما عجب روزگاریست
ہمیشہ پیوستہ خبر او می رسیم کہ میگوید کہ مریدان را بلقمہ
حلال خوردن می فرماید و بذکر خدای تعالی کردن باین
طریق او را دوست داشتم و گفتم کہ او زعہد خویش مرد نیست
کہ دریں زمانہ ہزار مثل او باشد باری جماعتی مبتدعی را
از حرام خوردن توبہ میدہد و بذکر کردن مشغول میدارد
اگرچہ ارشاد چنانچہ حق آنست میکند یا نمی کند نیک است
اگر مردمان را از و منفعت باشد چون مبتدعی و حرام خوردن
مشغول نیست اگر باطن او را غرض دنیوی و میلی بجاہ باشد
و با غروری کہ از دوزخ تعلق دارد من امید دارم کہ
آنرا از و عفو کنند و درو برکت است کہ بسیار مفسدان
بسبب او ترک فساد میکنند اگرچہ ارشاد کردن و طالبان
را بر قانون طریقت مقصود رسانیدن کار دیگر است
اما این ساعت جہان پر بدعت باشد و حرام خوردن و بسیا
مبتدع خود را بلباس مردان پوشیدہ فریب اظہار کردہ اند
و اضلال را ارشاد نام نہادہ اند اگر کسی این قدر میکند
کہ مسلمان را از ارادت شیطان نگاہ میدارد و بذکر خدای
تعالی و حلال خوردہ میفرماید چہ بہتر ازین باشد خدا ایشان
توفیق خیر دہد دیگر اخی علی مصری از خدمت شیخ سوال کرد
کہ سیر عارفان بی طی و خرق و التیام و انچہ ازین گفتہ اند
چون است فرمود کہ ہمہ ہست و ما را تحقیق شدہ است کہ
بعضی از ایشان ہستند کہ از دیوار بیرون می آیند و باز
درون می روند بی خرق و التیام و کسی باشد کہ توجہ میکند
بکعبہ را بیند نزدیک خود چنانچہ دو سہ گام برمیدارند در خود
دیدی آنکہ کعبہ از جای خود دور شود و ہمچنین وقت باشد

دنیا کے نیکوں میں ہے؟ خواہ وہ جیسا کہ حق ارشاد کا حق
ہے ویسا ہی کرتا ہے یا نہیں کرتا ہے۔ چہل مجلس میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت
سے شیخ صفی الدین کا قصہ جو کہ آرد بیل میں رہتے تھے
شیخ علاء الدین سمنانی کی خدمت میں شروع کیا اور کہا کہ
اچھائی کی وجہ سے مجھ کو خدمت سے باز نہیں رکھا جاتا
ہمیشہ طالبوں کی تلاش میں ہے اور مریدوں کی کثرت پر فخر
کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سوائے میرے اور کوئی مرشد نہیں ہے
سب لوگوں کو میرے یہاں آنا چاہیئے تاکہ ان کو شیخ بنا دوں
شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارا زمانہ عجیب زمانہ ہے۔ ہم
ہمیشہ یہ خبر سنتا ہوں کہ یہ کہتے ہیں کہ مریدوں کو حلال غذا کھانے
کی ترغیب دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ذکر کرنے کی تعلیم دیتے
ہیں اس طریقہ کے سبب سے میں نے ان کو دوست رکھا اور میں
نے کہا کہ وہ اپنے زمانہ میں ایسے مرد ہیں کہ ہزاروں میں ایک
ہیں کہ بدعتوں کے ایک گروہ کو حرام کھانے سے توبہ کراتے
ہیں اور ذکر کرنے پر مشغول رکھتے ہیں۔ اگرچہ تعلیم کا حق جیسا
کہ چاہیئے ادا کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں۔ اگر لوگوں کو اس سے
نفع ہووے، چونکہ مانند بدعتی کے اور حرام خوری کے وہ مشغول
نہیں ہے۔ اگر اس کے دل میں دنیوی غرضیں اور مراتب کی
خواہش ہو اور وہ غرور کہ جو دوزخ سے تعلق رکھتا ہے
اس کے دل میں ہو تو امید رکھتا ہوں کہ معاف کر دیں گے اور
اس میں ایک برکت ہے کہ بہت سے مفسد اسی برکت سے
فساد کو ترک کرتے ہیں۔ اگرچہ تعلیم کرنا اور طالبوں کو طریقت
کے قاعدوں کا موافق مقصود پر پہنچانا دوسری بات ہے لیکن
اس وقت دنیا بدعتوں اور حرام خوروں سے بھری ہوئی ہے
اور بہت سے بدعتی نیک لوگوں کا لباس پہن کر [illegible]

کا نزدیک شود بعد غروب توجه کند حق تعالیٰ آن ساعت
منبسط گرداند و نماز دیگر آن وقت گزارد و بعد آنکه در گردش
افلاک تغیری پیدا شود در غیب نماز مشاهده کردیم
که گاه بوده است که هزار سال سیر دریا می کردیم و چنانچه
شب و روز می شمردیم و رمضانها را روزه می داشتیم
و نماز عید میگزاردیم تا هزار سال می شد و چون از غیب
باز آمدیم همانقدر پیش نبود که بعد از نماز بامداد پیش
از بر آمدن آفتاب و در غیب ازین نوع بسیار است
تمت عبارته ـ ای برادر درویشی بود سیاه همراه این
فقیر چند گاه بوده است که از دیوار بیرون می آمد ـ
بی خرق والتیام و شیخ ما قطب العالم شیخ عبدالقدوس
جونپوری، قدس سره در یکساعت بخارق عادت بکعبه رفته
و حج گزارده است و حاجیان ایشان را مبارکبادی
گفته اند و هم دران ساعت بخانه رسیده بی آنکه یک دو
قدم بر زمین نهد و یا در گردش افلاک تغیری پدید آید
عاقبت و خاتمت آن برادر بخیر باد ـ

قریب ہے کہ بہکاتے ہیں اور گمراہ کرنے کو تعلیم نام رکھا ہے
اگر کوئی شخص اس قدر کام کرتا ہے کہ بھٹکے مسلمان کو شیطان کے
اعتقاد اور سپردی سے بچاتا ہے اور خدا کے ذکر کرنے اور حلال
کھانے کی تعلیم دیتا ہے ۔ اس سے بہتر کون ہے، خدا اس کو توفیق
نیک دیوے، پھر شیخ اخی علی مصری ـــــــ سے سوال کیا کہ
عارفوں کی سیر لیٹنے اور پھٹنے اور مل جانے اور جو کچھ اسی
طرح سے ہو کس طرح ہے فرمایا کہ سب ہے اور ہم کو تحقیق ہوئی
ہے کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ دیوار سے باہر آتے ہیں اور
پھر اندر جاتے ہیں، بغیر پھٹنے اور مل جانے کے (   )
اور کوئی ایسا ہے کہ کعبہ کی طرف توجہ یا تصور کرتا ہے اور کعبہ
کو اپنے نزدیک دیکھتا ہے ۔ چنانچہ دو تین قدم رکھ کر خود پہنچ
جاتا ہے ۔ بغیر اس کے کہ کعبہ اپنی جگہ سے چلے یعنی وہ دو تین
قدم میں اس مسافت بعیدہ کو طے کر کے خود داخل کعبہ ہو جاتا ہے
نہ کہ کعبہ اس کے پاس آتا ہے ۔ ایسی حالت وقت کی ہوتی ہے
نہ دن تمام ہو کر غروب آفتاب کا وقت ہو جاتا ہے ۔ اگر
عارف متوجہ ہو کر خواہش کرتا ہے، تو حق تعالیٰ اس وقت کو
اس قدر بڑھا دیتا ہے کہ اس وقت کے خلاف دوسرے وقت*

---

*کی نماز پڑھ لیتا ہے ۔ یعنی نماز عصر جو کہ ساقط و فوت ہو گئی ہے اور مغرب کا وقت قریب ہے، تو وہ اپنی عصر کی نماز پڑھ لیتا ہے تب
غروب کا وقت آتا ہے ۔ بغیر اس کے کہ آسمان کی گردش میں کوئی تغیر ہو ۔ میں نے غیب میں مشاہدہ کیا کہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ہزار
سال سمندر میں سیر کی ہے اور یہ مدت ایک رات و دن کے برابر تھی اور رمضانوں میں روزہ رکھا اور عید کی نماز پڑھی، تو ہزار سال ہو گئے
اور جب غیب سے واپس آیا، تو اس سے زیادہ وقت نہیں ہوا ۔ جیسا کہ صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک کا وقت ہے ۔ غیب میں
اس طرح کی باتیں بہت ہیں ۔ یہ عبارت ختم ہوئی ۔ اے برادر ایک ہندو فقیر اس درویش کے ہمراہ تھا ۔ کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ بغیر خرق
والتیام کے دیوار سے باہر آیا ۔ ہمارے شیخ قطب العالم شیخ عبدالقدوس جونپوری قلندر ایک ساعت میں خرق عادت کے ذریعے سے کعبہ
پہنچ گئے اور حج ادا کیا اور حاجیوں نے ان کو مبارکباد دی ہے اور اسی ساعت مکان پر پہنچے ہیں ۔ بغیر اس کے ایک دو قدم زمین پر چلے
ہوں یا آسمان کی گردش میں کوئی تغیر پیدا ہوا ہو ۔ عاقبت اور خاتمہ تمہارا بخیر ہو ۔

باب التفسیر

تفسیر سورہ فاتحہ

(از جناب مولانا مفتی ابو القاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محلی)

(۶۸)

(تیسری وجہ) مالک کی بغیر اجازت مملوک و غلام کچھ نہیں کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا فیصلہ کرنا، امامت کرنا، گواہی دینا درست نہیں۔ اسی طرح کسی چیز کا فروخت کرنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا وغیرہ کوئی معاملہ اس کا بدون اجازت مالک صحیح و نافذ نہیں ہوتا، برخلاف رعیت کے کہ وہ بادشاہ کی بغیر اجازت جو چاہے کرسکتی ہے، جو چاہے بیچ ڈالے، جو چاہے ہبہ کردے، رہن کردے، کرایہ دیدے، یا مول لے، علیٰ ہذا القیاس۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح رعیت کامل اختیار رکھتی ہے۔ اسی طرح مملوک و غلام بھی بلا اجازت مالک کبھی مستقل اختیار رکھتا ہے، جیسا کہ فقہ کی کتاب عبد ماذون میں تصریح کی گئی۔

(چوتھی وجہ) مالک کی ملکیت سے مملوک اپنے اختیار سے نہیں نکل سکتا ہے۔ اس کے برعکس رعایا اپنے بادشاہ کی بلا اجازت اس کی رعیت گری سے نکل سکتی ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس بادشاہ کی رعیت گری سے رعایا نکل سکتی ہے۔ جس کی حکومت عام نہو اور یہاں ملک کی اضافت روز جزا کی طرف کی گئی ہے، جو عموم پر دلالت کرتی ہے کہ اس دن اللہ کے سوا کسی کی حکمرانی قطعاً نہ ہوگی ایسی حالت میں اس کی رعیت گری سے اسی طرح کوئی نہیں نکل سکتا۔ جس طرح کسی مالک کی اجازت مملوک و غلام ملکیت سے خارج نہیں ہوسکتا۔

(پانچویں وجہ) مملوک کو اپنے مالک کے ساتھ اتنا قوی اتصال ہوتا ہے کہ مالک کی نیت مملوک کی نیت قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ اگر مالک نے اپنے مملوک کے ساتھ سفر کیا یا اقامت اختیار کی تو مملوک بھی بے اختیار مسافر یا مقیم ہوجاتا ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ایسی قوت اتصال رعایا کے لئے بھی ثابت ہے اور اس کے لشکری جب اس کے ساتھ ہوں تو بادشاہ کا نیت لشکری کی نیت قرار پاتی ہے۔

(چھٹی وجہ) قیامت کے دن بادشاہ تو بکثرت موجود ہوں گے، لیکن مالک حق روز جزا اللہ کے سوا کوئی نہ ہوگا۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ نص قرآنی اس کے خلاف پر دلیل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ (آج کے دن حکمرانی کس کی ہے) وہ یہ پوچھے گا کہ آج کے دن ملکیت کس کی ہے اور پھر خود ہی جواب ارشاد ہوگا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ (خدائے یکتا بڑے قہر والے کے لئے ہے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملوکیت اللہ کے لئے ہوگی نہ کہ ملکیت۔

(ساتویں وجہ) ملک (بادشاہ) پر رعایا کے حال کی رعایت واجب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ فِیْ رَعِیَّتِہٖ۔ تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی) لیکن رعایا پر بادشاہ کی خدمت گزاری واجب نہیں۔ برخلاف مالک کے کہ اس پر جس طرح مملوک کے حال کی رعایت واجب ہے۔ اسی طرح مملوک پر اپنے مالک کی خدمت گذاری بھی واجب ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح مملوک پر مالک کی خدمت و طاعت واجب ہے۔ اسی طرح رعایا پر بھی ہر حکم و فرمان کی تعمیل لازم ہے، جیسا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو) سے مستفاد ہوتا ہے۔

(آٹھویں وجہ) مالک میں ایک حرف زیادہ اور ملک میں ایک حرف کم ہے۔ اس لئے مالک پڑھنے میں دس نیکیاں بڑھ جاتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ کُتِبَ لَہٗ بِکُلِّ حَرْفٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّمُحِیَتْ عَنْہُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ (جس نے قرآن پڑھا، اس کے لئے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور اس کے لئے اس درجے بلند کئے جاتے ہیں) پس مالک کا پڑھنا اولیٰ ہوا۔

اس سلسلے میں ابو عبداللہ محمد بن شجاع ثلجی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت نقل کی جاتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری عادت مالک پڑھنے کی تھی۔ تو میں نے بعض ادیبوں سے سنا کہ ملک زیادہ بلیغ ہے، تو میں نے اپنی عادت ترک کردی اور ملک پڑھنے لگا، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ تو اپنی دس نیکیاں کیوں چھوڑتا ہے، کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا (جو اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا اور دس گناہ معاف اور دس درجے بلند کئے جاتے ہیں) پس میں بیدار ہوا، پھر میں نے اپنی عادت نہیں چھوڑی، یہاں تک میں نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنی عادت کیوں نہیں چھوڑتا، کیا تو نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ تم قرآن کو عظیم و معظم بنا کر پڑھا کرو تو میں قطرب کے پاس گیا، جو لغت کے امام تھے اور میں نے ان سے پوچھا کہ مالک و ملک کے درمیان کیا فرق ہے انہوں نے

کیا کہ دونوں میں بڑا فرق ہے مالک وہ ہے جو دنیا کی کسی چیز کا مالک ہو اور ملک وہ ہے، جو بادشاہوں کا مالک ہو۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ زیادتی حرف کے باعث زیادتی ثواب اس صورت میں معتبر ہے۔ کہ دونوں کلمے ثواب میں برابر ہوں لیکن جس صورت میں کم حروف والا کلمہ زیادہ حروف والے کلمہ سے اشرف و افضل ہو تو زیادتی اجر و ثواب اس اشرف و افضل کلمہ سے متعلق ہوگا، جیسے سورۂ اخلاص کم حرف والی سورت ہونے کے باوجود بڑی سورتوں سے افضل و اشرف قرار دی گئی اور اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں ملک اشرف و افضل ہے مالک سے، اس لیے اس کا ثواب بھی کم نہ ہوگا۔

اس تردید دلائل کے ساتھ ملکؑ کو ترجیح دینے والوں نے اپنے وجوہ بیان کئے۔ لیکن ان کا جواب بھی پہلا فریق نے دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ (ایک) اہل شہر میں سے ہر ایک مالک ہوتا ہے۔ لیکن ملک (بادشاہ) صرف وہی شخص ہوتا ہے، جو تمام لوگوں میں زیادہ عظیم المرتبت اور شریف ہو۔ پس ملک اشرف و افضل ٹھہرا مالک سے۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ مالک سے ملک اس صورت میں افضل و اشرف ہو سکتا ہے، جبکہ مالکیت عامہ نہ پائی جائے اور یہاں عمومی مالکیت مراد ہے اس لئے بادشاہ ہوتا جس طرح وجہ شرافت ہے اسی طرح عمومی مالکیت بھی وجہ شرافت ہے۔

(دوسری وجہ) ملک کا حکم تمام مالکوں پر نافذ ہوتا ہے اور مالک کا حکم ملک پر نافذ نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مالک کا حکم ملک پر اس وجہ سے نافذ نہیں ہوتا کہ ملک (بادشاہ) مالک کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا اور اس موقع پر جس مالک کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ایسا مالک ہے، جس کی مالکیت جمیع ملوک اور تمامی مملوک اور جملہ رعایا پرجا کو شامل ہے۔

(تیسری وجہ) ایک ملک بے شمار مالکوں سے مقاومت و مقابلہ کر سکتا ہے اور ہزاروں مالک ایک بادشاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جو مالک بادشاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ ایسے مالک ہیں، جن کی مالکیت عام نہیں اور یہاں ایسا مالک مذکور ہے، جس کی مالکیت عام ہے۔

(چوتھی وجہ) ملک اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اگرچہ ننانوے ناموں میں مالک الملک آیا ہے۔ مگر مالک الملک سے مراد ملک (بادشاہ) ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ امر ضروری نہیں کہ ننانوے ناموں میں جو واقع ہو [illegible] اشرف ہے، باوجودیکہ مالک الملک بمعنی ملک الملک (ملک کا بادشاہ) تکرار معنوی کو موجب ہے۔ کیونکہ رب العلمین سے ملکؑ الملک بھی مفہوم ہوتا ہے۔

(پانچویں وجہ) رب العلمین بھی اللہ کی مالکیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے مالک کو ترجیح دینے سے تکرار صفت لازم آتی ہے۔ برخلاف ملک کے کہ اس کو مرجح قرار دینے سے تکرار لازم نہیں آتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے تکرار صفت لازم نہیں آتی ہے۔ کیونکہ رب العلمین کے بعد مالکؑ کا ذکر دیا ہی ہے جیسے کسی عام کے ذکر کرنے کے بعد [illegible] کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(چھٹی وجہ) قرآن مجید کے اختتام پر ملکؑ الناس آیا ہے۔ لیہٰذا آغاز قرآن حکیم میں [illegible] آغاز

مفہوم بھی ثابت ہوجائے۔ علاوہ ازیں اگر ملک اشرف ہوتا، تو قرآن مجید کا اختتام بھی اس پر کیا جاتا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آغاز و اختتام میں مناسبت اس صورت میں بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ آخر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے حق میں اپنی تین صفتوں کا اظہار فرمایا ہے، جن میں سے ایک صفت ملک بھی ہے اور اس مقام پر قیامت کے دن ملک ہونا مذکور ہے اور یہ دونوں دو جداگانہ صفات ہیں۔ علاوہ ازیں ملک کا ذکر قرآن کے آخر میں اس وقت شرف و فضیلت کا فائدہ دے سکتا ہے۔ جبکہ اس کی تخصیص میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ حالانکہ وہاں ایک عجیب فائدہ منظور ہے اور وہ یہ کہ آدمی لڑکپن میں اپنے پرورش کرنے والے کے سوا اور کسی کو نہیں پہچانتا ہے اور کھانا پینا اور مضرتوں کا دفع کرنا اسی سے چاہتا ہے۔ پھر جب جوانی کی حد کو پہنچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ پرورش کرنے والا اپنی ضرورتوں میں بادشاہ و امیر کا محتاج ہے، تو ان کی طرف رجوع کرتا ہے اور مشقتوں کے دفعیہ اور روزی حاصل کرنے میں ان پر اعتماد کرتا ہے۔ پھر جب اس حالت سے بھی ترقی کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بعض اوقات میں بادشاہ و امیر بھی درماندہ و محتاج ہیں۔ تب عالم غیب سے التجا کرتا ہے۔ پس وہاں رب، ملک، الٰہ، کے اختصاص میں گویا یہ اشارہ ہے کہ بندہ اگر طفل مزاج ہے کہ اپنے پرورش کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا، تو میں رب الناس ہوں، مجھ کو پہچان کہ میری پرورش عام ہے اور اگر عقل و بلوغ کی حد کو پہنچ گیا ہے اور امیر و بادشاہ کو اپنا مالک جانتا ہے، تو میں ملک الناس ہوں میری طرف رجوع کر کہ میری بادشاہی کامل و تام ہے اور اگر اس کو تجربہ سے معلوم ہو چکا کہ بادشاہ و امیر بھی غیر کے محتاج ہیں، تو میں ہی الٰہ الناس ہوں، مجھ ہی سے حاجت روائی و مشکل کشائی کی توقع رکھ۔

(ساتویں وجہ) ملک مختصر ہے اور مالک طویل ہے، ہو سکتا ہے کہ اتنا زمانہ نہ پایا جاسکے جس میں مالک پورا ادا ہو سکے اس لئے کہ ملک کو ترجیح حاصل ہے کہ ایسا ہی ابو عمرو سے منقول ہے۔ لیکن کسائی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر میں نے مالک کہنا چاہا اور پورا نہ کر سکا، تب بھی اس کو پورا کرنے کا عزم کر لینے سے وہ پورا قرار دیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی نے بعد غروب آفتاب آنے والے دن کے روزہ کی نیت کر لی، تو باوجودیکہ نہ تطویل امل ہے لیکن ایسا کرنا جائز ہے۔ پھر اگر رات ہی میں مر گیا، تو بارگاہ احدیت میں عرض کر سکتا ہے کہ اگرچہ میں روزہ کے وقت تک نہیں پہونچ سکا، پھر بھی کم از کم عزم صوم پر تو قائم ہی تھا۔ اسی طرح یہاں بھی مالک اگرچہ طویل ہے اور اس کو پورا ادا کرنے سے پہلے موت آ گئی، تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ میں نے اس کو پورا نہیں کیا، لیکن پورا کرنے کا عزم تو کر ہی چکا تھا۔ اس لئے اسکو کامل قرار دیا جائے۔

(۲) نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہی صورت کلمہ طیبہ میں بھی جاری ہوتی ہے کہ اگر کسی نے کلمہ پڑھنا چاہا اور صرف لا الٰہ کہہ سکا تھا کہ موت آ گئی، تو کیا اس صورت میں نفی الوہیت کی بنا پر وہ بے ایمان مرا، ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ مومن موحد قرار دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ [illegible] کلمہ پڑھا کرتا ہوا زندہ ہوگا اور دنیا میں اس کا یہ عزم آخرت میں مفید ہوگا۔ اسی طرح مالک کے تلفظ کا بھی حکم ہے۔

[illegible] دلائل [illegible] کی توجیہات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں قراءتوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر

ترجیح دینا دشوار ہے۔ اس لئے دونوں دعوے اور ان کے دلائل پر غور کرنے کے بعد بعض مفسرین نے قول فیصل ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ایجاز و اختصار اور اعجاز کے لحاظ سے ملک ابلغ ہے اور یوم الدین کے لحاظ سے مالک بلیغ تر ہے اور مفسر کہتے ہیں کہ خالق کی مدح میں مالک ابلغ ہے اور مخلوق کی مدحت میں ملک اس واسطے کہ انسانوں میں مالک زیادہ ہوتے ہیں اور بادشاہ کمتر ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ باعتبار لفظ مالک ابلغ ہے اور بلحاظ معنی ملک بلیغ تر ہے۔ اسی بنا پر صاحب لطائف کہتے ہیں کہ اگر قاری اس مرتبے کا ہے کہ لفظ کے حجاب سے معنی کا جمال اس پر جلوہ کرتا ہے، تو اس کو ملک پڑھنا مناسب ہے تاکہ ملوکیت کی صفت اس کو بندگی کی حد پر قائم رکھے اور اگر اس رتبہ کا نہیں ہے، تو اس سے کہو کہ مالک پڑھتا ہے کہ اس میں کثرت ثواب کی امید ہے۔

احکام متفرعہ

اس موقع پر بتا دینا بھی مناسب ہے کہ ملک اور مالک کی قرأت پر بعض جداگانہ احکام متفرع ہوتے ہیں چنانچہ ملک کی قرأت پر حسب ذیل احکام متفرع ہوتے ہیں۔

(ایک) سیاست کی چار قسمیں ہیں۔ ایک سیاست مالکین، دوسرے سیاست ملوک، تیسرے سیاست ملائکہ، چوتھے سیاست ملک الملوک۔ ان میں سے بادشاہوں کی سیاست مالکوں کی سیاست سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ اگر مالکوں کا ایک عالم جمع ہو جائے، تو بھی ایک بادشاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان کی بے اختیاری کا عالم یہ ہے کہ اپنے غلام پر حد نہیں جاری کر سکتے۔ جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور اس بات پر تمام آئمہ متفق ہیں کہ بادشاہ حد جاری کر سکتا ہے، پھر بادشاہوں کی سیاست سے بڑھی ہوئی ہے سیاست فرشتوں کی۔ کیونکہ بڑے بڑے بادشاہوں کو جمع ہو کر ایک فرشتہ کی سیاست کا دفع کرنا ممکن نہیں اور اس سے کہیں بڑھی ہوئی ہے سیاست ملک الملوک جل شانہ کی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا ۝	جس دن روح الامین اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، تو وہ (اللہ سے) گفتگو نہ کر سکیں گے، سوا اس شخص کے جس کو خدائے رحمان اجازت دے اور وہ بات بھی درست کہے
(سورہ نبا - پارہ ۳۰)	

نیز ارشاد ربانی ہے من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ کون ایسا ہے، جو اس کے حضور میں سفارش کرے مگر اس حکم سے اور فرشتوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے ولا یشفعون الا لمن ارتضٰی، سفارش نہ کر سکیں گے مگر اس شخص کے لئے جسے (اللہ) پسند کرے۔

پس اے دنیا کے عالی جاہ بادشاہو، تم اپنے مال و حکومت سے دھوکہ میں مت پڑو، کیونکہ تم ملک یوم الدین کے قبضۂ قدرت میں ہو اور اے رعایا! جب تم بادشاہ کی سیاست سے خوف زدہ رہتے ہو تو پھر ملک الملوک جل جلالہ کی سیاست سے کیوں نہیں ڈرتے ہو، جو روز جزا کا بادشاہ ہے۔

بزم

غزل

(از حسّان الہند مولانا تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی ۔ پاکستان)

آئی ہے صبا آج جو گلشن کی طرف سے
لائی ہے سلام اُجڑے نشیمن کی طرف سے

ہے راہنماؤں کی وہ کثرت کہ کسی وقت
دل مطمئن اپنا نہیں رہزن کی طرف سے

معلوم ہوا حضرتِ دل کیوں ہیں خموش آج
دل سرد ہوا نالہ و شیون کی طرف سے

پاسِ ادبِ منزلِ قرب! اے ملک الموت
گر جان نکالو رگِ گردن کی طرف سے

پائے جو متانت تو کہاں سے وہ بڑھاپا
ہوتا ہوا آیا ہو جو بچپن کی طرف سے

بے وجہ نہیں پردے کا رہ رہ کے یہ ہلنا
کچھ حکم اشاروں میں ہے چلمن کی طرف سے

کر دیتی ہیں میری شبِ امید کو روشن
کچھ کرنیں جو آجاتی ہیں چلمن کی طرف سے

اب بھی وہی جلوے ہیں، مگر ہے کوئی موسیٰ
آتی ہے ندا، وادیٔ ایمن کی طرف سے

لے دیکھ، مری خاک کے ذرّوں پہ تجلّی
پہنچی تری دیوار کے روزن کی طرف سے

ایسی ہی میں کچھ جن سے سمجھ لوں مجھے ملتے
کچھ ایسے اشارے تری چتون کی طرف سے

آنے کا جو وعدہ تھا وہ پورا ہوا اس طرح
لڑنے کے لئے آئے ہیں دشمن کی طرف سے

سنتے ہیں کہ لب گور سے کیا آتی ہے آواز
اک روز گذرتے مرے مدفن کی طرف سے

ہر شیخ کو ہے دوسرے شیخوں سے عداوت
دل صاف ہیں سب کے تو برہمن کی طرف سے

یہ کیا کہ تری تیغ جو آتی ہے مری سمت
کترا کے نکل جاتی ہے گردن کی طرف سے

قدغن تو نہ آئی ہے اس سمت سے لیکن
تحریص کی بو آتی ہے قدغن کی طرف سے

جو آئی ہیں بجلی ہوئی، کیا جانیں تمنّا
ہیں دوست کی جانب سے کہ دشمن کی طرف سے

غزل

(از جناب منظور الرحمٰن صاحب اختؔر کاکوی)

نظر بدلی ہوئی ہے باغباں کی
الٰہی خیر میرے آشیاں کی

زمیں کی ہے نہ ہے فکر آسماں کی
خدا جانے مجھے دُھن ہے کہاں کی

جو کیفیت ہے میری داستاں کی
حکایت ہے یہی اب رازداں کی

بناؤں گا چمن میں آشیانہ
نظر بدلے تو بدلے باغباں کی

پریشاں باغباں، صیاد حیراں
یہ جرأت ہے بنا کے آشیاں کی

نہ چھیڑو دُرد و صافی کا فسانہ
کہ توہین اس میں ہے پیرِ مغاں کی

نظر کے برچھیوں سے جو کرے وار
اُسے کیا فکر ہے تیر و کماں کی

نگاہِ باغباں بدلی ہوئی ہے
نہ کھٹکے کیوں ہر اک شئے گلستاں کی

نہ پوچھو تو اسیروں کی مصیبت
اجازت ہی، نہیں آہ و فغاں کی

خزاں کی کلفتوں کو سہہ کے یارب!
ملے نعمت بہارِ جاوداں کی

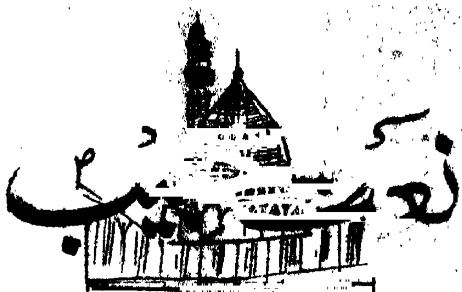
بچھڑ کر رہ گیا، جو راستے میں
خبر کیا اس کو اپنے کارواں کی

نظر ہے آئینہ دارِ فسانہ
ضرورت ہی نہیں شرح و بیاں کی

ہمارے خون نے کی جب آبیاری
بڑھی رونق بہارِ گلستاں کی

نظر میں آسماں بھی اب زمیں ہے
فضا آنکھوں میں ہے کس آستاں کی

مرے ہر شعر پر وہ بول اٹھے
یہ دُھن ہے اختؔر جادو بیاں کی



نعتِ حبیب

(از جناب شبنم کمالی مظفرپوری)

اے شفیعِ امم، اے شہہ مرسلاں، اے حبیبِ خدا، سرورِ دو جہاں
آپ سلطانِ دیں، رونقِ گلستاں، آپ محبوبِ رب، فخرِ کون و مکاں

آپ کی ذات عالی بہارِ چمن، آپ کے دم سے ہے رونقِ انجمن
آپ فخرِ جہاں آپ فخرِ زمن، آپ ہیں سیّد و سرورِ انس و جاں

آپ کا مرتبہ ہے وہ پیارے نبیؐ، شب ہے معراج کی جس پہ شاہد ابھی
منزلِ ارتقا جب ہوئی طے سبھی، عرش پہ آپ رب کے ہوئے میہماں

حال جو بھی ہمارا وہ پنہاں نہیں، ہے عیاں آپ پر رازِ چرخ و زمیں
زندگی موت کی بن گئی ہم نشیں، لٹ رہا ہے امیدوں کا ہر گلستاں

فیض جاری ازل سے ہے سرکار کا، لفظ آیا زباں پر نہ انکار کا
شوق مدت سے دل کو ہے دیدار کا، ہو کرم کی نظر حامیٔ بیکساں

ناز ہے ہم غریبوں کو سرکار پر، آپؐ کے فضل پر ہے ہماری نظر
آپؐ ہی جب نہ لیں گے ہماری خبر، غم کے مارے ہوئے جائیں گے پھر کہاں

قافلہ جب مدینہ کی جانب بڑھا، آنکھ رونے لگی دل مچلنے لگا
اپنی تقدیر میں دن وہ کب آئیگا، طیبہ میں جس دن ہمارا مکاں

اِک نظر لطف کی ہم پہ فرمائیے، روضۂ پاک پہ اپنے بلوائیے
اپنا جلوہ ہمیں آپ دکھلائیے، ہے یہی آرزو اے شہہ دو جہاں

اے رسولؐ خدا، اے شہہ محترم، اپنے شبنم پہ ہو چشم لطف و کرم
ہجر میں آپ کے اس کی آنکھیں ہیں نم، کر رہا ہے شب و روز آہ و فغاں

غزل

(از جناب قاری محمد داؤد صاحب طالب پھلواروی)

نہ حکمِ فغاں ہے، نہ اذنِ بیاں ہے
محبت کا کتنا کٹھن امتحاں ہے

یہ عالم کہ محشر بھی محشر بجاں ہے
وہ محشر ادا آج دامن کشاں ہے

یہ آرامِ دل ہے، یہ آرامِ جاں ہے
کلیجے میں جو داغِ حسرت نہاں ہے

تجھے بندگی، زندگی کامراں ہے
جبیں کو میسر ترا آستاں ہے

نہ بھولیں گے احساں ترے نقشِ پا کا
یہی تو چراغِ رہِ کارواں ہے

کلیجے میں ٹھہرا ہے ناوک کسی کا
اسی میہماں کے لئے یہ مکاں ہے

مرے قصۂ غم پہ او رونے والے
مری داستاں یا تری داستاں ہے

اُجڑتا ہے اُجڑے یہ باغِ تمنّا!
یہی تیری مرضی اگر باغباں ہے

کہیں حسرتوں کا ہوا خون طالب
تری آنکھ آخر یہ کیوں خونفشاں ہے

کوائف و حالات

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھیے   نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ——— کچھ دوسروں کی ———

بہ سلسلہ یوم فلسطین
مسلمانان پھلواری شریف کا احتجاجی جلسہ

حسب ذیل تجویز جمعیۃ علماء ہند :-

۲۸ جولائی ۱۹۶۷ء کو بعد نماز جمعہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ایک اہم جلسہ ہوا۔ جس کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہٗ نے کی اور مولانا محمد شفیع اللہ صاحب سہسرامی شیخ الحدیث دارالعلوم مجیبیہ نے عرب و فلسطین کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اسرائیلی اقدام و جارحیت کی مذمت کی اور ذیل کی تجویز پیش کی اور مولانا شاہ عثمان غنی صاحب پھلواروی نے تائید فرمائی ۔

تجویز

مسلمانان پھلواری شریف کا یہ جلسہ اقوام متحدہ کی سامراج نواز کارروائیوں سے مایوس ہے اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ تمام مقبوضہ عرب علاقوں فلسطین، مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے تمام مقامات مقدسہ سے اسرائیلی جارحیت کو فوراً ختم کیا جائے اور ایشیا و افریقہ کو غلام بنانے کی سامراجی سازش سے باز آجائے اور اسرائیل ۱۹۴۹ء کی عارضی صلح کی لائن پر واپس ہوجائے۔

نیز یہ جلسہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسرائیلی جارحیت کے نتیجہ میں جو فوجی قید ہوئے ہیں، اسرائیل اُن سے جنیوا کنونشن کے مطابق انسانیت کا سلوک کرے اور ان پر اپنی بہیمانہ درندگی سے باز آئے ۔ یہ جلسہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ عرب پناہ گزینوں کی واجب امداد کرے اور انہیں ہلاکت خیز تباہی سے بچانے کے لیے موثر امدادی اقدامات کرے ۔

آخر میں حضرت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہٗ نے بحضور رب العالمین اُمت محمدیہ کی فتح و نصرت کے لئے دعا فرمائی اور جلسہ ختم ہوا۔

یوم فلسطین

انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں جلسۂ عام

پٹنہ ۲۸ جولائی - آج جمعیۃ علماء ہند کے مقررہ پروگرام کے مطابق پٹنہ کی تمام مسجدوں میں شام، اور دوسرے [illegible] کے بےگناہ لوگ جو اسرائیلی جارحیت سے شہید ہونے والوں کے لئے دعائے مغفرت کی گئی ۔ اور عربوں کی فتح و نصرت کے لئے بارگاہ الٰہی میں رقت کے ساتھ دعائیں کی گئیں ۔ شام سات بجے انجمن اسلامیہ ہال میں شاندار احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف " نائب صدر جمعیۃ علماء بہار نے فرمائی ۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کے علاوہ برادرانِ وطن بھی شریک ہوئے، جس سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور باہر بھی کثیر تعداد میں لوگ شریک تھے ۔ تلاوت کلام پاک کے بعد جناب شفاعت عثمانی صاحب تبسم نے اس موقعہ کے لئے مخصوص نظم سرزمین فلسطین کی فریاد اپنے مخصوص انداز میں پڑھی۔ جس نے حاضرین کو کافی متاثر کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا سید محی الدین ندوی [illegible] نے اس جلسہ عام کی غرض و غایت پیش کرتے ہوئے عربوں کی امداد کے سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد کا ذکر کیا ۔ حضرت سید شاہ نور اللہ صاحب رحمانی ام ۔ ایل ۔ سی صدر جمعیۃ علماء نے اسرائیل کی جارحیت اور مغربی ایشیاء کے بارے میں امریکہ و برطانیہ کی مذموم سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے عرب اسرائیل جنگ کا خاکہ پیش کیا۔ صدر موصوف نے انسانیت اور انصاف کی حفاظت اور جارحانہ عزائم کی مذمت کی۔ مولانا موصوف نے ایک تجویز پیش کی ۔ اس کے بعد حضرت مولانا سید شاہ عز الدین صاحب استاذ مدرسہ شمس الہدیٰ نے اپنے مخصوص اور دلنشیں انداز میں تقریر کرتے ہوئے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں یہودیوں کی تاریخ اور ان کے مستقبل کو پیش کیا اور اسرائیل کی حالیہ جارحیت کے ذریعہ وقتی کامیابی اور دیرپا شکست پانے کا تاریخی انداز میں تبصرہ فرمایا اور تجویز کی تائید فرمائی ۔

اس کے بعد حضرت مولانا عبد الخبیر صاحب نے اس تجویز کی مکمل تائید کرتے ہوئے عربوں کی جدوجہد میں ہر ممکن ایثار و قربانی کی اپیل کی ۔ اس کے بعد حضرت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری نے الحاح و زاری کے ساتھ دعا فرمائی ۔ حاضرین کے قلوب پر رقت طاری تھی اور اکثر اہل درد اور اہل ایمان لوگوں کی آنکھوں سے اشک رواں تھے ۔ تقریباً ۹ بجے شب میں کامیابی کے ساتھ جلسہ برخاست ہوا۔

دوسرا دور:—

ہندوستانی سیاست میں ایک موڑ اس وقت آیا جب حالیہ عام انتخاب میں کانگریس کتنے ہی صوبوں میں چت ہو گئی۔ مخالف جماعتوں نے مل جل کر کئی جگہوں پر حکومت بنالی اور کسی نہ کسی طرح کام چلا رہی ہے۔ اگرچہ تقریباً سب ہی حکومتیں [illegible] نکتۂ نظر، مختلف خیالات اور متضاد نظریے رکھنے والی ہیں لیکن سیاست کے میدان میں زبردست شکست کے باوجود کانگریس کے اندر اب تک ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جبکہ کانگریس جو سب سے بڑی جماعت تصور کی جاتی ہے [illegible]

[illegible] دالی کے درمیان [illegible] اور [illegible] کی صوبوں میں انتخاب کے بعد بنی ہوئی مستحکم حکومت [illegible] تھی۔ کانگریسی ممبران پارٹی چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے رہے اور مخالف جماعتوں کے سایہ میں پناہ لے لی۔ ظاہر ہے مخالف جماعتوں کو اس میں فائدہ تھا۔ اس نے نہ صرف ایسے بھگوڑوں کو جائے پناہ ملی، بلکہ تخت بھی حاصل ہوا۔

پنجاب، ہریانہ، یوپی میں یہ تماشہ ہو چکا تھا۔ اب یہی ڈرامہ مدھیہ پردیش میں بھی ہوا۔ اور اس طرح اب نصف سے زیادہ صوبوں میں کانگریس کا کلی زوال ہو چکا ہے۔ اگر مخالف جماعتوں نے اپنی گود الیسے میں پھیلائے رکھی اور ان کا جانب [illegible] کے دروازے تک رہنمائی کرتا رہا تو اس کی بہت زیادہ امید ہے کہ کچھ دوسرے صوبے بھی آئندہ مہینوں میں کانگریس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور قبل اس کے کہ کانگریس کو پوری طرح ہوش آئے، اس کے لئے سب دروازے بند ہو جائیں گے۔

بہت سارے لوگوں کو جہاں اس بات سے سکون ملا ہے کہ سالہا سال کی کانگریس کی اجارہ داری ختم ہوئی وہاں برسر اقتدار آنے والی جماعت جن سنگھ کی وجہ سے انہیں بہت مایوسی بھی ہوئی ہے۔ بہر حال سیاست میں ایسی کروٹیں ہوتی رہتی ہیں۔ عوامی رجحانات بیدار ہونے چاہئیں۔ حکومت آتی رہے گی، جاتی رہے گی۔

عرس گیارھویں مجلس سیرت غوث پاک :-

عرس گیارھویں کے موقع پر خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں دس ربیع الثانی کو بعد نماز ظہر سیر و مناقب حضرت غوث پاک کی مجلس منعقد ہوئی۔ تلاوت کلام پاک اور منقبت کی دو نظموں کے بعد حضرت مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہ العالی نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سیر و مناقب کو مدلل بیان فرمایا جس سے جملہ حاضرین جلسہ محظوظ ہوئے۔ حضرت موصوف مدظلہ کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

عرس :-

حضرت حجۃ الاسلام، شیخ المرتاض محی الملۃ والدین مولانا شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ کا سالانہ فاتحہ و ایصال ثواب و عرس ۲۸ و ۲۹ جمادی الاولیٰ مطابق ۵ و ۶ ستمبر کو ہوگا اور حضرت قمر ملت مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ کا سالانہ فاتحہ و ایصال ثواب و عرس ۲۹ جمادی الاولیٰ مطابق ۶ ستمبر بروز منگل کی رات میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہوگا۔

تحفظ فلسطین کانفرنس :-

۲۵ اگست کا دن بہار کے مسلمانوں کے لئے ایک تاریخی دن سمجھا جائے گا، صوبہ بہار کے مسلمانوں کی جانب سے عرب مہاجرین کی امداد کے لئے بہتر ہزار روپیہ کے تین چک سفیر شام عزت مآب جناب عمر ابو ریشہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا جو شام، اردن اور عرب جمہوریہ کے لئے دیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ حقیری رقم بہار کے مسلمانوں

کی طرف سے عربوں کی محبت کا نذرانہ ہے ۔

سفیر شام عزت مآب جناب عمر ابوریشہ صاحب اور متحدہ عرب جمہوریہ کے نمائندہ جناب شیخ جمال [illegible] صاحب نے عربی میں تقریریں کیں، جس کا ترجمہ جناب مجاہد الاسلام صاحب نے اردو میں کیا۔ دوران تقریر [illegible] فرمایا کہ اسرائیل سے ہماری جنگ جاری رہے گی ۔ کیونکہ حق کے لئے جان دینا کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ [illegible] کرینگے ۔ آخر میں صدر جلسہ نے عربوں کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی ۔ بعد ختم دعا نمائندہ "المجیب" نے سفیر شام [illegible] نمائندہ عرب جمہوریہ سے مختصر سی ملاقات میں عرب بھائیوں کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی، محبت اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

جناب خلیل احمد صاحب بہار کابینہ میں :-

جناب خلیل احمد صاحب ریٹائرڈ چیف جسٹس اڑیسہ ہائی کورٹ کو بہار کی غیر کانگریسی مخلوط کابینہ نے اپنی وزارت میں شامل کر لیا ہے ۔ اس وزارت میں یہ دوسرے مسلمان وزیر ہیں ۔ رسم حلف وفاداری ۱۱ اگست کو راج بھون پٹنہ میں، نئے چیف سکریٹری مسٹر ایس ۔ وی ۔ سوہنی نے گورنر بہار کے سامنے ادا کرائی، جو کہ رانچی سے اسی ادائیگی رسم کے لئے یہاں آئے تھے ۔ بہار کی تاریخ میں یہ پہلے وزیر ہیں، جو کہ ہائی کورٹ کے جج اور چیف جسٹس رہ چکے ہیں جن کی شمولیت غیر کانگریسی وزارت میں ہوئی ہے ۔ امید کی جاتی ہے کہ وزارت میں ناانصافی و حق تلفی کا دور اب نہیں رہے گا ۔

ادارہ " المجیب " جناب خلیل احمد صاحب کی اس تقرری پر اپنی مسرت کا اظہار کرتا ہے ۔

رویت ہلال ـــ ماہ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ :-

۲۹ ربیع الثانی کو پھلواری شریف یا اس کے اطراف میں چاند نظر نہیں آیا ۔ کیونکہ آسمان ابر آلود تھا اور نہ اب تک باہر سے کوئی مصدقہ اطلاع آئی ہے ۔ اس لئے یکم جمادی الاول ۱۳۸۷ھ ـ مطابق ۹ اگست روز بدھ ہوئی اور گیارہ جمادی الاول مطابق ۱۹ اگست روز سنیچر ہوگی اور ۲۸، ۲۹ جمادی الاول مطابق ۵، ۶ ستمبر، روز منگل بدھ ہوگی ۔ (۱۰/۸/۶۷)

ضروری اعلان

یہ سطریں جب آپ کی نظروں سے گذریں، تو آپ اس پر غور فرمایئے کہ کیا آپ کے ذمہ "المجیب" کا سالانہ چندہ تو باقی نہیں ہے ۔ اگر آپ اب تک اپنے ذمہ بقایا رقم نہ وصول کر پائے ہوں، تو پہلی فرصت میں تمام رقمیں بھیجدیں ۔ یا دفتر سے تفصیل حاصل کرکے بری الذمہ ہو جائیں ۔ یاد رکھیں ہر خریدار کو رقم وصول کرنے کی اطلاع دفتر سے نہیں دیجاتی ۔ اس لئے کہ ہمیں اپنے خریداروں پر اعتماد ہے ۔

منیجر "المجیب"

دارُالاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

یعنی

اعیانِ وطن

پھلواری شریف کے دو سو چوالیس علماء، صوفیاء، محدثین، عہدیداران حکومت قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندگان کی سوانح حیات و آثارات و تبرکات و اسناد سلاسل و احادیث اور مقابر و مساجد و خانقاہوں کی جامع تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت صر

نعمتِ کُبریٰ

انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفاۃ حیات جسمانی کے ثبوت میں ایک محققانہ تصنیف۔ قیمت:- عہ

عِطرُ الوَردین

شیوخ سلسلۂ مجیبیہ کی دو ذات گرامی کا مجموعۂ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت:- ۱۲/

مُحی المِلّۃ والدّین

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مولانا الحاج شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ، سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ کی مکمل سوانح حیات جس میں ان کے علمی و عملی کارنامے بالتفصیل درج ہیں اور اکابر پھلواری کے حالات مختصراً مرقوم ہیں۔ اس کے نسخے سب ختم ہوگئے۔ دوبارہ طباعت کی توقع ہے۔

Regd. No. P. 1074

The **ALMUJEEB** *Monthly*

Phone No : 23969

PHULWARI SHARIF (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سید لطف احمد قادری | دفتر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

هو الفرد المجيب لكل النعمة

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی و علمی

1967

ماہنامہ
المجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فی پرچہ
۶۲ پیسے

سالانہ
چھ روپے

نظام نامہ قواعد

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

(۱) بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلا، صوفیا، شعرا اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور اکابر پھلواری شریف کے سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت۔ اہل ذوق اور ارباب ہمت حضرات کی اس میں شرکت اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے

قواعد

لائف ممبر قسم اول:۔ جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے۔ ایسے علم دوست حضرات کو دار الاشاعت کی جملہ مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

لائف ممبر قسم دوم:۔ جو صاحب پچاس ۵۰ روپیہ عطا فرمائیں گے ان حضرات کو اعیان وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

لائف ممبر قسم سوم:۔ جو صاحب پچیس ۲۵ روپیہ عطا فرمائیں گے۔ انکی خدمت میں اعیان وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہوں گی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

(۲)

مقام اشاعت:۔ دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آڈر بھیجی جائے، منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہیئے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے۔ جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے۔ اس کو معلوم کرنے کے لئے خط لکھنے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔ بار بار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر کوپن پر صاف طور پر لکھیں اور کام کرنے والوں کو مشکلات سے بچائیں۔

محمد عبد الدیان قادری مجیبی۔ مہتمم دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ماہنامہ
المُجیب
پھلواری شریف (پٹنہ)

چندہ سالانہ ۶ روپے
فی پرچہ ۶۲ پیسے

پاکستان و غیر ممالک سے ۸ روپے

جلد ۹ | ماہ صفر ۱۳۸۸ھ - مطابق ماہ مئی ۱۹۶۸ء | شمارہ ۶

• مُدیرِ مسئول:-
سید احمد حسین سہسرامی

• مجلس ادارت:-
سید یوسف رضوی
ظفر حسنین
اسماعیل حسنین نقوی

• پرنٹر پبلشر:-
سید لطف احمد قادری

• مطبع:-
یوسف تصویر پریس مہندرو روڈ پٹنہ

• مقام اشاعت:-
دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ
پھلواری شریف پٹنہ

فہرست

لمعات

دہلی میں ہنگامہ مچا ہوا ہے ۔ وزیر اعظم بے انتہا پریشان ہیں۔ وزیر داخلہ کے راتوں کی نیند حرام ہے ـــ دوسرے وزراء باہم سر جوڑ کر صلاح و مشورہ میں غرق ہیں۔ ساتھ ہی صوبوں کے وزرائے اعلیٰ خصوصی نشستیں کر کے صرف اسی مسئلہ پر غور و فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں ـــ مخالف جماعتوں کے رہنما بھی شدید بے چینی کا اظہار کر رہے ہیں ـــ حد تو یہ ہے کہ ایسی جماعتوں کے لیڈران بھی جو اس صورت حال کے خاص طور سے ذمہ دار ہیں۔ اور جنہوں نے اب تک خون جگر دے دے کر اس کی آبیاری کی ہے اس کی مذمت کرنے لگے ہیں ـــ یہ کونسا پریشان کن مسئلہ ہے؟ فرقہ وارانہ فسادات ـــ جی ہاں تعجب کی بات تو ضرور ہے کہ اب تک جس مسئلہ کو قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا اور جسے پس پشت ڈال دینے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی ـــ آج اتنی اہمیت کیوں حاصل کر گیا ہے ۔

بات بالکل صاف ہے ۔ اس ملک کی بہت بڑی اکثریت نے آزادی کے بعد ہی سے مسلمانوں کو اس ملک میں ایک غیر ضروری بوجھ اور کباب میں ہڈی بننے والے اس گروہ کو یا تو ختم کر ڈالنے یا اسے خود میں ضم کر لینے کی جد و جہد شروع کر دی ـــ باضابطہ پروگرام بنائے گئے ۔ تقریر و تحریر سے اس کے لئے راہ ہموار کی گئی اور ملک کے کونہ کونہ میں اس پر عمل درآمد شروع ہوا ـــ خیال یہ تھا کہ یہ پچھڑی ہوئی جماعت زیادہ دنوں اس تیز و تند سیلاب کا مقابلہ نہ کر سکے گی اور نیست و نابود ہو جائے گی ۔ مسلمان بھی حالات کے اس قدر ستائے ہوئے تھے ۔ وقت نے انہیں اتنا حیرت زدہ اور مایوس کر رکھا تھا کہ وہ اس سیلاب کے آگے ابتداء میں مضبوطی سے جم نہ سکے ۔ ابتدائی چند سالوں میں تو ایسا لگتا تھا کہ یہ سیلاب انہیں واقعی تباہی و بربادی کے گڑھے میں ڈال دے گا ۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا جب شہیدوں کی تعداد بے انتہا بڑھ گئی تو ان کا خون رنگ لایا ـــ اور پھر اس مظلوم طبقے نے بھی محسوس کیا کہ ظالموں کے آگے سے فرار کا راستہ انہیں نجات نہیں دے سکتا ۔ میدان سے منہ موڑ کر وہ جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے ـــ انہیں کچھ کرنا ہوگا انہوں نے فیصلہ کیا ـــ اور گذشتہ چند فسادات اس کے شاہد ہیں کہ جہاں تک مظلوموں کا بس چلا وہ ظالموں کے آگے سینہ سپر ہو گئے ـــ انہوں نے بھی مقابلہ کیا ـــ اور اپنی زندگی اسی وقت قربان کی جب ظالموں کا بھی کچھ نقصان کر لیا ـــ اس بات کی

ضرورت بہت ابتدا سے تھی ـــ اسی وقت جب ان پہلی ضرب پڑی تھی۔ انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا تب شاید یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ نہ بنتا۔

اگر ابتدا ہی سے ایسا راستہ اپنایا جاتا تو فوج اور پولیس کا کچھ آج وہ رویہ نہ ہوتا جو فسادات کے موقع پر ہم دیکھتے ہیں اس کے علاوہ حکومت بھی اس طرف متوجہ ہوتی عدالتی تحقیقاتیں بھی ہوتیں اور فیصلے بھی صادر ہوتے ـــ لیکن افسوس کہ محض اس مظلوم طبقہ کی بے کسی اور محرومیت نے اتنے برے دن دکھلائے۔

مرکز کی بے چینی کی وجہیں بھی یہی ہیں۔ جب تک نقصان صرف ایک فرقہ کا ہوتا رہا یہ مسئلہ غور و فکر کے قابل نہ سمجھا گیا۔ اور اس قتل عام کی وجہ سے ساری دنیا میں اس کی جو بدنامی ہوئی اس کی تلافی وزارت صدارت کی کرسیوں پر چند لوگوں کو بٹھا کر کر لی گئی ـــ لیکن آہستہ آہستہ حالات بتائے گئے کہ دنیا کے لوگ اتنے بیوقوف نہیں ہیں جتنا یہاں عام طور سے سمجھا جاتا ہے ایران میں ہندوستان کے ایک سابق سفیر مسٹر ... کا کہنا ہے کہ مسلم ممالک میں ایک سفیر کے لئے سب سے مشکل کام حکومت کو ہندوستان میں ہونے والے فسادات کے سلسلہ میں مطمئن کرنا ہوتا ہے۔ گویا غیر ممالک بھی یہاں کی صورت سے بیزار نظر آتے ہیں ـــ وہ اس ملک کو ایک ترقی یافتہ ملک سمجھنے کے بجائے جنگلیوں یا وحشیوں کا دیش سمجھ رہے ہیں

دوسری وجہ جس نے مرکز کو پریشان کر رکھا ہے یہ ہے کہ وہ لوگ جو اب تک صرف مسلمانوں کا خون بہاتے رہے ہیں ان کی املاک کو تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔ اب آدم خور جانور کی طرح خون کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ اب مسلم اور غیر مسلم کے خون کی تمیز ان میں ختم ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے ـ ان جانور خصلت انسانوں کی وحشت و بربریت کہیں صوبائی تنازعہ کی شکل میں کہیں زبان کے جھگڑے میں اور کہیں علاقائی تعصب کی شکل میں اب بار بار محسوس کی جا رہی ہے۔ گویا وہ بیماری جو صرف مسلمانوں کے لئے پیدا کی گئی ـ اب ہر شعبۂ زندگی میں داخل ہو چکی ہے اور اس کے جراثیم ہندوستانی سماج میں اس طرح سرایت کر چکے ہیں کہ ہر فرد اس سے ہراساں اور خوف زدہ رہنے لگا ہے ـ

ان تمام وجوہات نے مرکز کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اور بیس برسوں کے بعد پہلی بار حکومت کو محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے نتائج کتنے خطرناک ہوں گے ـ یہی وجہ ہے کہ مرکز میں بھاگ دوڑ مچی ہوئی ہے۔ اور اسے اب خطرناک مرض خیال کیا جا رہا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فوری طور پر اس مرض پر جس کی جڑیں اتنی گہری ہو چکی ہیں قابو پایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس مرض کے اسباب اتنے وسیع ہیں اور اسے اتنی محنت اور جد و جہد کے بعد پھیلایا گیا ہے کہ اس کے آثار نظر نہیں آتے کہ سطحی تدبیروں سے اسے روک لیا جائے گا ـ بہر حال اگر واقعی حکومت اس مسئلہ پر سنجیدہ ہے تو ہمیں مسرت ہے کہ ملک کی مکمل تباہی کے قبل حکومت کو ہوش آ رہا ہے

یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے بھی غور طلب ہے ـ اس نئی صورت حال کا مطالعہ غور سے کر کے انہیں اپنی راہ منتخب کرنی ہے جو انہیں روزانہ کی ان پریشانیوں سے نجات دلا دے ـ

(ادارہ)

اولیاء اللہ

(جناب مولانا محمد حفیظ الرحمٰن صاحب پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ - پٹنہ)

(۳)

اولیاء اللہ کوئی ایسی ممتاز جماعت نہیں ہے جو بظاہر کوئی شان امتیازی رکھتی ہو اور نہ کوئی ایسا مخصوص گروہ ہے جو مسلمانوں سے الگ کوئی علامتی خصوصیت رکھتا ہو۔ حضرت شیخ سہروردی رح فرماتے ہیں:—

فالصوفی العالم الزاھد لا یمیز نفسہ بشئی دون المسلمین ولا یری نفسہ فی مقام تمییز یمیزھا بمجلس مخصوص ممیز	پس صوفی عالم، زاہد اپنے کو کسی چیز کے ساتھ مسلمانوں سے ممتاز نہیں سمجھتا اور نہ اپنی ذات کو ایسے مقام تمیز میں نہیں دیکھتا ہے جو اس کو کسی مخصوص مجلس کے ساتھ ممتاز کرے۔
(عوارف المعارف)	

ان کا کوئی مخصوص لباس ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں سے ممتاز ہوتے ہوں، نہ کوئی ایسی ہیئات ہے جو ان کے لئے مخصوص ہو اور نہ کوئی ایسی وضع ہے جو ان کو دوسروں سے نمایاں کرتی ہو بلکہ وہ ہر مباح ہیئات اور جائز وضع میں ہو سکتے ہیں حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں۔

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست درویش صفت باش وکلاہ تتری دار۔	تیری گدڑی اور پیوند لگا ہوا لباس اور تسبیح کیا کام دیگی اپنے کو برے اعمال سے علاحدہ رکھ۔ تجھ کو برکی ٹوپی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقیر صفت رہو اور تاتاری ٹوپی پہنو۔

حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے بارے میں ہے:—

ہر چہ میسر شد از جامہ و پیراہن و سراویل می پوشیدند۔ (تاریخ مشائخ چشت)	جو کپڑا، کرتا اور پائجامہ میسر ہوتا زیب تن فرماتے تھے۔

وہ ہر جماعت اور گروہ میں پائے جا سکتے ہیں اور ہر اس صنف و نوع انسانی سے وابستہ ہو سکتے ہیں جو ایمان رکھ

چنانچہ وہ کہیں مسندِ درس و تدریس پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور کہیں زیب سجادہ علم و عرفاں نظر آتے ہیں ۔

(۱) فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم — ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد کے لئے نکلے اور بقیہ لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں تاکہ وہ جماعت جب جہاد سے ان کے پاس واپس آئے تو یہ لوگ ان کو اللہ سے ڈرائیں ۔

(۲) انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء — اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں ۔

کبھی وہ میدان کارزار میں داد شجاعت دیتے ہیں اور کبھی رزق حلال کی طلب میں میدان سیاست میں گامزن ہوتے ہیں ۔

(۱) واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ واخرون یقاتلون فی سبیل اللہ — اور کچھ دوسرے لوگ سفر کرتے ہیں اور اللہ کا رزق تلاش کرتے ہیں اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں مقاتلہ کرتے ہیں ۔

(۲) انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون — مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک و اشتباہ میں نہیں پڑے اور اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں ۔

کبھی صنعت و حرفت سے ان کی وابستگی ہوتی ہے اور کبھی بیع و تجارت سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور کہیں ان کے مبارک ہاتھوں سے کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں اور کہیں ان کی محنت و سعی سے باغ سرسبز شاداب ہو جاتے ہیں ۔

(۱) رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار — وہ لوگ ایسے ہیں جن کو تجارت اور بیع اللہ کی یاد، اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی ہے وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی ۔

(۲) ان اللہ یحب المومن المحترف (طبرانی) — اللہ تعالیٰ صاحب حرفہ مومن کو محبوب رکھتا ہے ۔

(۳) التاجر الصدوق یبعث یوم القیمۃ مع الصدیقین والشھداء (ترمذی) — ایماندار اور سچا تاجر قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے ۔

(۴) ان اللہ یحب العبد یتخذ المھنۃ یستغنی — اللہ تعالیٰ اس بندہ کو محبوب رکھتا ہے جو اس لئے کوئی

بھا عن الناس (مسند الفردوس)

پیشہ اختیار کرتا ہے کہ لوگوں سے مخفی ہو جائے۔

(۵) قال ابو ھریرۃؓ ان اخوتی من المھاجرین کان یشغلھم الصفق بالاسواق....
وکان یشغل اخوتی من الانصار عمل اموالھم (اسوۂ صحابہ حصہ ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی مہاجرین تجارت میں مشغول رہتے تھے ...... اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی میں معروف رہتے تھے۔

امام غزالی کے زمانہ کے ایک صاحب حال بزرگ کا واقعہ اس طرح منقول ہے :۔

"حجۃ الاسلام امام غزالی کے زمانے میں ایک کاشتکار صاحب حال تھا ...... اس کی بہت سی کرامتیں مشہور تھیں، جب وہ دعا کرتا پانی برستا۔ جب موقوف ہونے کی دعا کرتا برسنا بند ہو جاتا ......

امام حجۃ الاسلام ...... اسکے پاس گئے۔ لوگوں نے اس بزرگ سے ان کی تعریف کی کہ یہ بڑے عالم دین ہیں ان کا لقب حجۃ الاسلام ہے۔ وہ کاشتکار عامی مسلمان دیہاتی تھا، حجۃ الاسلام کو کیا سمجھے اس وقت ٹوکری غلہ کی بغل میں لئے ہوئے زمین میں تخم ریزی کر رہا تھا، اس طرح بیج ڈالتا ہوا امام حجۃ الاسلام کے پاس باتیں کرنے کے لیے آیا، اس وقت ایک اور شخص نے کہا۔ تم ان سے باتیں کرو غلہ مجھ کو دو۔ اتنی دیر تخم زمین میں ڈالوں گا۔ اس بزرگ نے ٹوکری نہ دی۔ (اصرار کیا تو) کہا میں تخم زمین میں دل شاکر اور زبان ذاکر سے ڈالتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ جو کھائے اس کو نور و قوت عبادت حاصل ہو، اور یاد خدا میں صرف ہو اگر یہ غلہ اور کو دیدوں تو کیا معلوم وہ دل شاکر اور زبان ذاکر سے بوئے یا نہ بوئے، ڈرتا ہوں کہ بے برکتی واقع نہ ہو"۔ (تاریخ مشائخ چشت)

غرض ان کے لئے نہ کسی لباس کی قید ہے اور نہ کسی وضع کی خصوصیت، اور نہ کسی طائفہ کا التزام ہے اور نہ کسی عرف محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجتناب۔ بلکہ ہر رنگ و وضع مباح میں ان کی موجودگی اور ہر طائفہ مسلمہ سے ان کی وابستگی ممکن ہو سکتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

ولیس لاولیاء اللہ شیٔ یتمیزون بہ عن الناس فی الظاھر من الامور المباحات فلا یتمیزون بلباس دون لباس اذا کان کلاھما مباحا ولا بحلق شعر او تقصیرہ او ظفرہ اذا کان مباحا کما قیل کم من صدیق

اور اولیاء اللہ کے لئے مباح امور میں سے کوئی ایسی شئے نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں چنانچہ کسی لباس کو چھوڑ کر کسی دوسرے لباس کے ذریعہ ممتاز نہیں ہوتے ہیں جبکہ دونوں مباح ہوں اور نہ بال منڈانے یا چھوٹا کرنے یا ناخون کی وجہ سے ممتاز کئے جاتے ہیں جبکہ مباح ہو

فی قیام ولکن من زندیق فی عباء بل یوجدون
فی جمیع اصناف محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اذا لم یکونوا من اهل البدع الظاهرۃ
والفجور فیوجدون فی اهل القرآن واهل
العلم ویوجدون فی اهل الجهاد والسیف
ویوجدون فی التجار والصناع والزراع
(الفرقان لابن تیمیہ)

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کتنے صدیق قبا میں ہوتے ہیں اور کتنے زندیق کمبل میں ہوتے ہیں۔ بلکہ اولیاء اللہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اصناف میں پائے جاتے ہیں۔ جبکہ وہ بدعت ظاہرہ اور فسق و فجور والے نہ ہوں۔ چنانچہ وہ اہل قرآن اور اہل علم پائے جاتے ہیں۔ اور اہل جہاد و اہل شمشیر میں پائے جاتے ہیں اور اہل تجارت، اہل صنعت اور اہل زراعت میں پائے جاتے ہیں۔

اولیاء اللہ کسی حال میں رسول کی رسالت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اور نہ بلا واسطہ رسول کے اللہ تک پہونچنے کا کوئی طریقہ ان کے لئے ہے اور نہ وہ براہ راست اللہ سے اخذ کر سکتے ہیں اور نہ اس سے بلا کسی واسطہ کے متلقی ہو سکتے ہیں اور نہ بلا واسطہ رسول کے وہ حقائق باطنہ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور نہ شریعت سے ان کو بے نیازی ہوتی ہے۔ بلکہ ہر حال میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے محتاج ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرد واحد کی طرف رسول مبعوث ہوئے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے صدقے اور دین و شریعت حقہ کے طفیل ہی میں لوگوں کو اللہ کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ عقل و فہم کا نور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ظاہری و باطنی کمالات کا ذریعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات اقدس ہے اور شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی دی ہوئی شریعت مطہرہ کے علاوہ نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی طریقت۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی حقیقت ہی حقیقت ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا اللہ تک پہنچنے کا طریقہ ہی طریقت ہے۔ نبوت کی راہ ہی سے ولایت کی راہ نکلتی ہے۔ نبوت سے بے نیاز ہو کر ولایت کی کوئی راہ نہیں ہے۔

(۱) ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذین لا یعلمون
(۲) لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنهاجا
(۳) وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقیناهم ماء غدقا
(۴) قل هذه سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی

پھر ہم نے آپ کو (اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) امر دین کی ایک خاص شریعت پر کر دیا تو آپ اسی پر چلئے اور ان جاہلوں کی خواہش پر نہ چلئے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریقہ بنایا۔ اور اگر اہل مکہ (ہمارے) طریقہ پر مستقیم ہو جاتے تو ہم ان کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے۔
آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت پر ہوں میں اور جس نے میری اتباع کی۔

اللہ کا مقرر کردہ دین اور اس کی دی ہوئی شریعت ہی صراط مستقیم ہے جس پر چلنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کو اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله۔	بیشک یہ دین میری سیدھی راہ ہے تو اسی راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کیونکہ یہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔

اور یہ صراط مستقیم وہ شاندار راہ ہے جس پر خود پروردگار عالم ہے، جس پر اس کا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جس پر وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا ہے اور جس پر سارے اولیاء کرام ہیں۔

(۱) وما من دابة الا هو اخذ بناصیتها ان ربی علی صراط مستقیم	جو بھی زمین پر چلنے والا ہے اللہ نے اس کی چوٹی پکڑ رکھی ہے یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔
(۲) هل یستوی هو ومن یامر بالعدل وهو علی صراط مستقیم	کیا یہ گونگا بہرا شخص) اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں۔ اور جو عدل کی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور خود بھی صراط مستقیم پر ہو
(۳) قل اننی هدانی ربی الی صراط مستقیم	آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف میری ہدایت کی ہے۔
(۴) اهدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیهم	(اے اللہ) ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔
(۵) وان الله لهادی الذین امنوا الی صراط مستقیم۔	بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

اللہ کے ولی ہونے کی علامت یہ نہیں ہے کہ وہ ہوا میں اڑے اور اپنے یہاں کی مسجدوں کو چھوڑ کر حرمین شریفین جا کر پانچوں وقت کی نمازیں پڑھے۔ یا کسی کو نظر اٹھا کر دیکھے تو وہ لوٹ پوٹ کرنے لگے۔ نہ یہ علامت ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے یا پانی پر چلے۔ یا ہوا میں سے لوٹے میں پانی بھر لے یا کوئی آدمی دوسری جگہ سے اس سے فریاد رسی کرے اور وہ وہاں جا کر اس کی حاجت روائی کرے۔ یا چوری شدہ مال کا پتہ بتا دے۔ یا غائب شدہ اور مریض کے احوال کی خبر دے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو اللہ کے ولی ہونے کی علامت بن سکے۔ اللہ کے ولی ہونے کی پہچان صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور اوامر و نواہی میں آپ کی موافقت ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں ان چیزوں سے بہت بلند و برتر ہیں۔ اس قسم کے خوارق عادات کا صدور اولیاء اللہ سے بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ دھوکے کی چیزیں ہیں کیونکہ اس قسم کے اشیاء کا صدور اعداء اللہ شیطین سے بھی ہوتا ہے

اس لئے یہ چیزیں اولیاء اللہ کی علامت نہیں بن سکتی ہیں۔ بلکہ اولیاء اللہ اپنے ان صفات، افعال اور احوال سے پہچانے جاتے ہیں جو کتاب و سنت کی روشنی میں صادر ہوئے ہوں۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

قد اتفق اولیاء اللہ علی ان الرجل لو طار فی الهواء او مشی علی الماء لم یغتر به حتی ینظر متابعته لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وموافقته لامره ونهیه وکرامات اولیاء اللہ اعظم من هذه الامور وهذه الامور الخارقة للعادة وان کان قد یکون صاحبها ولیا للہ فقد یکون عدوا للہ فان هذه الخوارق تکون لکثیر من الکفار والمشرکین واهل الکتاب والمنافقین وتکون لاهل البدع وتکون من الشیاطین فلا یجوز ان یظن ان کل من کان له شیء من هذه الامور انه ولی للہ بل یعتبر اولیاء اللہ بصفاتهم وافعالهم واحوالهم التی دل علیها الکتاب والسنة ویعرفون بنور الایمان والقرآن وحقائق الایمان الباطنة وشرائع الاسلام الظاهرة

(الفرقان لابن تیمیہ)

اللہ کے اولیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ہوا میں اڑے یا پانی پر چلے تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے یہاں تک کہ اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور آپ کے امر و نہی میں اس کی موافقت کو دیکھا جائے اور اولیاء اللہ کی کرامتیں ان امور سے بہت بلند ہیں۔ اور یہ امور خوارق عادات گرچہ کبھی اللہ کے ولی سے بھی صادر ہوتے ہیں لیکن کبھی اللہ کے دشمن سے بھی صادر ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ خوارق بہت سے کفار و مشرکین، اہل کتاب اور منافقین سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ جس شخص سے ان امور میں سے کسی کا صدور ہو تو وہ اللہ کا ولی ہوگا۔ بلکہ اللہ کے اولیاء کا اعتبار ان کے ان صفات افعال اور احوال سے ہوتا ہے۔ جن پر کتاب اور سنت کی دلالت ہو۔ اور وہ نور ایمان و قرآن اور ایمان کے حقائق باطنہ اور اسلام کے شرائع ظاہرہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے :۔

کرم المومن تقواه ودینه وحسبه ومروته خلقه (اسوۂ صحابہؓ)

مومن کا فضل اس کا تقوی، اس کا دین، اس کا حسب، اس کی مروت اور اس کا خلق ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں :۔

قال ابو علی الجوزجانی کن طالب الاستقامۃ لا طالب الکرامۃ فان نفسک متحرکۃ فی طلب الکرامۃ وربک یطلب منک الاستقامۃ وھذا الذی ذکرہ اصل کبیر فی الباب وسر غفل عن حقیقتہ کثیر من اھل السلوک والطلب ۔ (عوارف المعارف)

ابو علی جوزجانی نے فرمایا ۔ استقامت کے طالب بنو کرامت کے طالب نہ بنو ۔ اس لئے کہ تیرے نفس میں طلب کرامت کی تحریک ہوتی ہے لیکن تیرا معبود تجھ سے استقامت چاہتا ہے اور یہ جو ذکر ہوا اس باب میں ایک بڑی اصل ہے اور ایک راز ہے جس کی حقیقت سے بہت سے سالک اور طالب غافل ہیں ۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں : ۔

لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر والنھی وحفظ الحدود واداء الشریعۃ (تعلیمات الغزالی)

اگر تم دیکھو کہ ایک شخص کو کرامت دے گئے یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ ۔ اس میں یہ دیکھو کہ امر و نہی کے بارے میں اس کا طرز عمل کیا ہے ۔ اور حفظ حدود کا کس درجہ پابند ہے اور شریعت کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کرتا ہے ۔

غرض اولیاء اللہ کوئی شان امتیازی نہیں رکھتے ۔ نہ ان کا رنگ و روپ علاحدہ ہوتا ہے ۔ نہ ان کی وضع قطع جداگانہ ہوتی ہے نہ ان کی چال ڈھال الگ ہوتی ہے نہ ان کی ہیئات مخصوص ہوتی ہے ۔ اور نہ ان کا لباس جاذب نظر ہوتا ہے یہ سب کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی شان نرالی ہوتی ہے ۔ ایمان ان کا نور ہے ۔ تقویٰ ان کا سر در ہے ۔ اخلاص ان کا شعار ہے صدق و صفا ان کی بہار ہے ۔ توحید ان کا کمال ہے ۔ معرفت ان کا جمال ہے ۔ وفا ان کی آن ہے ۔ محبت ان کی جان ہے خشیت ان کا ذعان ہے اور للّٰہیت ان کا ایقان ہے ۔ عبودیت ان کی زندگی ہے اور مراقبہ ان کی شان ہے یاد الٰہی ان کی غذا ہے اور معیت الٰہی ان کی قوت ہے ۔ وہ اللہ کے ہاتھ سے پکڑتے ہیں ۔ اللہ کے پاؤں سے چلتے ہیں ۔ اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔ اللہ کی زبان سے بولتے ہیں ۔ وہ پناہ کے طالب ہوتے ہیں تو اللہ کی پناہ ان کو اپنی آغوش میں لیتی ہے اور دعا مانگتے ہیں تو اجابت استقبال کو آتی ہے ۔ گویا ان کی سیرت خاص نوعیت کی ہے اور ان کی زندگی خاص اسلوب اور نہج کی ہے ۔ اللھم اجعلنا منھم

خدا کا کلام انسان سے

از مولینا محمد شفیع اللہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

قرآن مجید آسمانی اور الہامی کتاب ہے جو خداوند قدوس کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے جس میں دین و دنیا کی اصلاح و درستی کے لئے اور تمام انسانوں کی ہدایت و نجات کے لئے بہتر سے بہتر اصول و قواعد کو مکمل طریقہ پر بیان کیا گیا ہے اور قرآن ہی وہ مقدس کتاب ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی پوری پوری رہنمائی کرتی ہے اور جس میں انسانی قوی کی ساری شاخوں کی مکمل پرورش کے لئے اعلیٰ درجہ کی مکمل اخلاقی تعلیم دی گئی ہے اور جس کے بتائے ہوئے احکام و ہدایات پر عمل کرنے سے روح و قلب کی بیماریوں سے شفا ملتی ہے، اور دل و دماغ میں ایسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے کہ گمراہی کو ہدایت سے ثواب کو عذاب سے، حق کو باطل سے، نیکی کو بدی سے، حیا کو بے حیائی سے تمیز کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

لیکن یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے، اور خداوند تعالیٰ انسانوں سے کس طرح کلام کیا کرتا ہے، اس لئے سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ کلام بھی خداوند تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے مگر خدا کا کلام ہم انسانوں کے کلام کی مانند نہیں ہوتا ہے۔ ہم کو تو بات چیت کرتے وقت اپنی زبان و حلق اور ہونٹ کو کام میں لانا پڑتا ہے اور الفاظ و حروف کے بغیر ہم اپنے دل کا مقصد کسی کو اچھی طرح سمجھا نہیں سکتے ہیں۔ مگر خداوند قدوس کی صفت کلام ان تمام قیدوں سے قطعی پاک ہے۔ وہ ہماری طرح زبان و حلق نہیں رکھتا، اور وہ ہماری طرح الفاظ و حروف کا بھی محتاج نہیں ہے، اس لئے خدا کی صفت کلام میں اور ہم انسانوں کی صفت کلام میں صرف لفظی مشارکت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی حقیقت و ماہیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم حادث ہیں ہماری صفتیں بھی حادث ہیں اور خدا قدیم ہے اس کی صفتیں بھی ازلی و ابدی ہیں، ہم محتاج ہیں اور وہ بے نیاز ہے، ہم مخلوق ہیں اور وہ سب کا خالق ہے۔ لہٰذا خدا کی صفت کلام کی نوعیت و کیفیت بھی بالکل جداگانہ ہے۔ اور اس کی قدرت کی طرح اس کی صفت کلام بھی جملہ عیوب و نقائص سے پاک ہے، اب رہی بات یہ کہ خداوند قدوس اپنے بندوں کے ساتھ کس طرح کلام کرتا ہے تو اس امر کی وضاحت خود رب العالمین نے سورہ شوریٰ میں اس طرح فرمائی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ

قال ابو علی الجوزجانی کن طالب الاستقامة لا طالب الکرامة فان نفسك متحرکة فی طلب الکرامة وربك یطلب منك الاستقامة وهذا الذی ذکره اصل کبیر فی الباب وسر غفل عن حقیقته کثیر من اهل السلوك والطلب۔ (عوارف المعارف)

ابو علی جوزجانی نے فرمایا۔ استقامت کے طالب ہو کرامت کے طالب نہ ہو۔ اس لئے کہ تیرے نفس میں طلب کرامت کی تحریک ہوتی ہے لیکن تیرا رب تجھ سے استقامت چاہتا ہے اور یہ جو کچھ کہا اس باب میں ایک بڑی اصل ہے اور ایک راز ہے جس کی حقیقت سے بہت سے سالک اور طالب غافل ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں:—

لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی فی الهواء فلا تغتروا به حتی تنظروا کیف تجدونه عند الامر والنهی وحفظ الحدود واداء الشریعة (تعلیقات الغزالی)

اگر تم دیکھو کہ ایک شخص کو کرامت دیے گئے یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اس میں یہ دیکھو کہ امر و نہی کے بارے میں اس کا طرز عمل کیا ہے۔ اور حفظ حدود کا کس درجہ پابند ہے اور شریعت کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کرتا ہے۔

غرض اولیاء اللہ کوئی شان امتیازی نہیں رکھتے۔ نہ ان کا رنگ و روپ علیحدہ ہوتا ہے۔ نہ ان کی وضع قطع جداگانہ ہوتی ہے۔ نہ ان کی چال ڈھال الگ ہوتی ہے نہ ان کی ہیئات مخصوص ہوتی ہے۔ اور نہ ان کا لباس جاذب نظر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ نہ ہونے ہوئے بھی ان کی شان نرالی ہوتی ہے۔ ایمان ان کا نور ہے۔ تقویٰ ان کا سرور ہے۔ اخلاص ان کا شعار ہے صدق و صفا ان کی بہار ہے۔ توحید ان کا کمال ہے۔ معرفت ان کا جمال ہے۔ وفا ان کی آن ہے۔ محبت ان کی جان ہے۔ خشیت ان کا اذعان ہے۔ للہیت ان کا ایقان ہے۔ عبودیت ان کی زندگی ہے اور مراقبہ ان کی شان ہے۔ یاد الٰہی ان کی غذا ہے اور معیت الٰہی ان کی قوت ہے۔ وہ اللہ کے ہاتھ سے پکڑتے ہیں۔ اللہ کے پاؤں سے چلتے ہیں۔ اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اللہ کی زبان سے بولتے ہیں۔ وہ پناہ کے طالب ہوتے ہیں تو اللہ کی پناہ ان کو اپنی آغوش میں لیتی ہے اور دعا مانگتے ہیں تو اجابت استقبال کو آتی ہے ——— گویا ان کی سیرت ایک خاص نوعیت کی ہے اور ان کی زندگی خاص اسلوب اور نہج کی ہے۔ اللهم اجعلنا منهم

خدا کا کلام انسان سے

از مولینا محمد شفیع اللہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

قرآن مجید آسمانی اور الہامی کتاب ہے جو خداوند قدوس کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے جس میں دین و دنیا کی اصلاح و درستی کے لئے اور تمام انسانوں کی ہدایت و نجات کے لئے بہتر سے بہتر اصول و قواعد کو مکمل طریقہ پر بیان کیا گیا ہے اور قرآن ہی وہ مقدس کتاب ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی پوری پوری رہنمائی کرتی ہے اور جس میں انسانی خوبی کی ساری شاخوں کی مکمل پرورش کے لئے اعلیٰ درجہ کی مکمل اخلاقی تعلیم دی گئی ہے اور جس کے بتائے ہوئے احکام و ہدایات پر عمل کرنے سے روح و قلب کی بیماریوں سے شفا ملتی ہے، اور دل و دماغ میں ایسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے کہ گمراہی کو ہدایت سے ثواب کو عذاب سے، حق کو باطل سے، نیکی کو بدی سے حیا کو بے حیائی سے تمیز کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

لیکن یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے، اور خداوند تعالیٰ انسانوں سے کس طرح کلام کیا کرتا ہے اس لئے سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ کلام بھی خداوند تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے مگر خدا کا کلام ہم انسانوں کے کلام کی مانند نہیں ہوتا ہے۔ ہم کو تو بات چیت کرتے وقت اپنی زبان و حلق اور ہونٹ کو کام میں لانا پڑتا ہے اور الفاظ و حروف کے بغیر ہم اپنے دل کا مقصد کسی کو اچھی طرح سمجھا نہیں سکتے ہیں۔ مگر خداوند قدوس کی صفت کلام ان تمام بندشوں سے قطعی پاک ہے۔ وہ ہماری طرح زبان و حلق نہیں رکھتا، اور وہ ہماری طرح الفاظ و حروف کا بھی محتاج نہیں ہے، اس لئے خدا کی صفت کلام میں اور ہم انسانوں کی صفت کلام میں صرف لفظی مشارکت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی حقیقت و ماہیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم حادث ہیں ہماری صفتیں بھی حادث ہیں اور خدا قدیم ہے اس کی صفتیں بھی ازلی و ابدی ہیں، ہم محتاج ہیں اور وہ بے نیاز ہے ہم مخلوق ہیں اور وہ سب کا خالق ہے۔ لہٰذا خدا کی صفت کلام کی نوعیت و کیفیت بھی بالکل جداگانہ ہے، اور اس کی ذات کی طرح اس کی صفت کلام بھی جملہ عیوب و نقائص سے پاک ہے، اب رہی بات یہ کہ خداوند قدوس اپنے بندوں کے ساتھ کس طرح کلام کرتا ہے تو اس امر کی وضاحت خود رب العالمین نے سورہ شوریٰ میں اس طرح فرمائی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ

مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۔ یعنی کسی آدمی کی یہ بات نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی یعنی القا و الہام اور اشارے کے ذریعہ سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو اس کے پاس بھیجتا ہے اور وہ خدا کے حکم سے اس کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔ بیشک خدا بڑے علم و حکمت والا ہے۔ آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ خداوند قدوس اپنے انسانوں سے خاص طریقہ سے کلام کرتا ہے۔ پہلا طریقہ القا و الہام کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے دلوں میں سوتے جاگتے اپنی باتیں ڈال دیا کرتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پردے کے پیچھے سے انبیاء کرام کو آواز سنائی دیتی ہے مگر وہ خدا دکھائی نہیں دیتا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ خداوند عالم اپنے خاص بندے جبرئیل کو اپنے پیغمبروں کے پاس بھیج دیتا ہے اور یہ فرشتہ خدا کے حکم کے مطابق پیغمبروں کے پاس خدا کے احکام و پیغامات پہنچا دیا کرتا ہے۔ چنانچہ انبیاء کرام میں سے کسی سے تو خدا نے القا و الہام کے ذریعہ کلام کیا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں خدائے تعالیٰ نے القا کیا اور اسی القا کی مدد سے زبور شریف لکھی گئی اور کسی نبی سے خدا نے پردے کے پیچھے سے کلام فرمایا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت کے پیچھے سے خدا کا کلام سنا تیسرا طریقہ عام انبیاء کرام کے ساتھ عمل میں آیا یعنی خداوند قدوس نے عام طور پر حضرت جبرئیل کے ذریعہ اپنے نبیوں اور پیغمبروں سے کلام فرمایا۔ پیغمبروں پر خدا کی کتاب نازل ہونے کا مطلب یہی ہے کہ پہلے جبرئیل علیہ السلام پوری کتاب کو یا اس کے بعض اجزاء کو خداوند قدوس سے روحانی طور پر سیکھ لیتے ہیں یا لوح محفوظ سے یاد کر لیتے ہیں۔ پھر بحکم خدا اس کو پیغمبروں کے پاس لے کر آتے ہیں اور وہ انہیں خدا کا مقدس کلام بتا دیتے ہیں۔

نزول قرآن سے بھی یہی مراد ہے کہ جبرئیل امین خداوند قدوس کا کلام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، بخاری شریف میں باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نزول وحی کی کیفیت اس طرح مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی تو گھنٹہ کی آواز کی طرح مجھ پر وحی آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے پھر مجھ سے وہ وحی کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے اور کبھی فرشتہ جبرئیل آدمی کی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے پس میں یاد رکھتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔

قرآن مجید کے متعلق ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند قدوس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جن الفاظ و عبارت میں معانی کا القا اور افاضہ کیا ہے بعینہ ان الفاظ و عبارات کو آیتوں اور سورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبان وحی سے اس کی اصلی جگہ پر لوح محفوظ کی کتابت کے مطابق چمڑوں کے ٹکڑوں پر، پتھروں پر اور ہڈیوں وغیرہ پر لکھوا کر قرآن مجید میں داخل فرما دیا کرتے تھے چنانچہ تمام قرآن مجید اسی موجودہ ترتیب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام کے پاس متفرق چیزوں پر لکھا ہوا موجود تھا۔ سورتوں کی ترتیب بھی وہی تھی جس ترتیب سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام کو سورتوں کی اسی ترتیب کے مطابق جس کی تفصیل اوپر آئی یاد

ہو چکی تھیں اور بہت سے صحابہ کرام کامل قرآن کے حافظ بھی ہو چکے تھے اور کبھی بھی ایک سورہ کی آیتوں کو دوسری سورہ کی آیتوں سے وہ نہیں ملاتے تھے اور نہ کسی قسم کا انہیں تشابہ ہوتا تھا۔ اس لئے ہم تمام روئے زمین کے مسلمان ان تمام الفاظ و عبارات کو کلام الٰہی اور وحی آسمانی مانتے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے تمام الفاظ و عبارات بعینہ وہی ہیں جس کا القاء و افاضہ خداوند عالم کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا تھا۔ البتہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے صرف معانی کا بھی افاضہ و الہام ہوتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حسب منشاء الفاظ و عبارات میں بیان فرما دیا کرتے تھے۔ مگر ایسے الفاظ و عبارات کو نمازوں میں پڑھنے اور ان کو تلاوت کرنے کا یا ان کو قرآن مجید میں داخل کرنے کا آپؐ حکم نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اسی لئے ایسے الفاظ و عبارات کو کلام الٰہی بھی نہیں کہا جاتا بلکہ ان کو حدیث قدسی اور کلام نبویؐ اور وحی غیر متلو کہا جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید کے معانی کا اور مخصوص الفاظ و عبارات دونوں کا افاضہ، القاء اور الہام خداوند قدوس کی طرف سے ہوتا تھا۔ اس میں ایک حرف یا ایک لفظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ برخلاف حدیث قدسی کے کہ اس میں صرف معانی کا القاء و افاضہ خداوند قدوس کی طرف سے ہوتا تھا۔ لیکن الفاظ و عبارات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے تھے۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ و نور عرشہ

بقیہ ختم نبوت

صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی اضافہ یا کوئی کمی کریں گے۔ نہ ان کو تجدید دین کے لئے دنیا میں لایا جائے گا۔ نہ وہ آکر لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیں گے اور نہ وہ اپنے ماننے والوں کی ایک الگ امت بنائیں گے۔ وہ صرف ایک کار خاص کے لئے بھیجے جائیں گے اور وہ یہ ہوگا کہ دجال کے فتنے کا استیصال کر دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں آئیں گے تو اس وقت جو بھی مسلمانوں کا امام ہوگا انہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور جو بھی اس وقت مسلمانوں کا امیر ہوگا وہ اسی کو آگے رکھیں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی اللہ اس بات کو جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ آپ کی شریعت ہی کے مطابق عمل کریں گے۔ (ص ۶۶۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے مسلمانوں کے اندر کفر و ایمان کا کوئی سوال پیدا نہ ہوگا۔ ان کی سابقہ نبوت پر تو آج بھی اگر کوئی ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہو جائے۔ مسلمان کسی تازہ نبوت پر ایمان نہ لائیں گے بلکہ سابقہ نبوت ہی پر ایمان رکھیں گے جس طرح آج رکھتے ہیں۔ یہ خبر نہ آج ختم نبوت کے خلاف ہے نہ اس وقت ہوگی۔

ختمِ نبوت

(از جناب سید نعمان غنی صاحب دیوروی)

قرآن پاک میں ختم نبوت کے سلسلے میں یہ واضح آیت ہے کہ

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین ط

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔ (الاحزاب)

عربی لغت اور محاورے کی رو سے "ختم" کے معنی مہر لگانے، بند کرنے، آخر تک پہنچ جانے اور کسی کام کو پورا کرکے فارغ ہو جانے کے ہیں۔

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی مرجاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ بلکہ خلفاء ہوں گے۔ (بخاری)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی (ترمذی)

قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ علمائے امت کا بھی اسی پر اجماع ہے اور تمام علماء اس عقیدے پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو بھی آپ کے بعد اس منصب کا دعویٰ کرے یا اس کو مانے وہ کافر خارج از ملت اسلام ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھے موقع دو کہ میں اپنی نبوت کی علامت پیش کروں" اس پر امام اعظم نے فرمایا کہ "جو شخص اس سے نبوت کی کوئی علامت طلب کرے گا وہ بھی [illegible]

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے کہ لا نبی بعدی (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ)

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔" (ص۲۰۲)

سیاق وسباق کے تعلق سے "خاتم النبیین" کے معنی سلسلہ نبوت کو ختم کر دینے والے کے لئے مناسب اور درست ہے۔ سورہ الاحزاب میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اور جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دیدیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی حضرت زینبؓ سے عدت گزرنے پر نکاح کر لیا اس پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا" [واضح رہے کہ حضرت زیدؓ قبیلہ کلب کے ایک شخص حارث بن شراحیل کے بیٹے تھے۔ جب یہ آٹھ سال کے تھے اس وقت ان کی ماں اپنے ساتھ اپنے میکے لے گئیں۔ وہاں لوگوں نے حملہ کیا اور لوٹ مار کے ساتھ حضرت زید کو ساتھ لیتے گئے۔ ان لوگوں نے ان کو طائف کے قریب عکاظ کے میلے میں بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ انہوں نے حضرت زید کو اپنی پھوپھی کے نذر کر دیا۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہؓ کا جب نکاح ہوا تو آپ نے وہاں حضرت زید کو دیکھا اور ان کے عادات و اطوار آپ کو پسند آگئے اور ان کو حضرت خدیجہ سے مانگ لیا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ان کا بچہ مکہ میں ہے۔ وہ مکہ پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کیلئے تیار ہیں۔ آپ ہمارا بچہ ہمیں دیدیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اسی کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے گا ۔۔۔ تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔ حضورؐ نے زید کو بلایا۔ اور ان سے کہا ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ اب تمہیں پوری آزادی ہے کہ چاہو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو میرے ساتھ رہو۔ انہوں نے جواب دیا میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ حضورؐ نے اسی وقت زیدؓ کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیں آج سے زید میرا بیٹا ہے] اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں" یعنی جس شخص کی مطلقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہوتا؟ تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اچھا اگر منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہے تب بھی اس کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لینا زیادہ سے زیادہ بس جائز ہو سکتا تھا۔ آخر اس کا کرنا کیا ضرور تھا اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ "لیکن اللہ کے رسول ہیں" یعنی رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کی حلت کے معاملے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

پھر مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ "اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں" یعنی ان کے بعد کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک

آنے والا نہیں ہے کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح اس کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی اس کو پوری کر دے۔ لہٰذا یہ ادھی ضروری ہوگیا تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ وہ خود ہی کر کے جائیں۔

پھر سورہ مائدہ کی اس آیت سے جس میں دین کی تکمیل کی خوشخبری دی گئی ہے واضح ہو جاتا ہے کہ اب کوئی نبی نہ ہوگا کیونکہ تکمیل دین کے بعد کسی نبی کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ط (المائدہ)

آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کیا۔

دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظام فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظام تہذیب و تمدن بنا دینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ انعام تام کرنے سے مراد نعمت ہدایت کی تکمیل کر دینا ہے۔ اور اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میری اطاعت و بندگی اختیار کرنے کا جو اقرار کیا تھا اسکو چونکہ تم اپنی سعی و عمل سے سچا اور مخلصانہ اقرار ثابت کر چکے ہو اس لئے میں نے اسے درجہ قبولیت عطا فرمایا ہے۔ اور جب دین کی تکمیل ہو گئی تو پھر کسی نبی کے آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ کاذب اور کافر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے متعلق بھی جو غلط فہمی پھیلائی جا رہی ہے۔ اس کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم ط .... وما قتلوہ یقیناً ۱۵ بل رفعہ اللہ الیہ ۔ (النساء)

حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا .... اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا نے اپنی طرف اٹھا لیا۔

یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے جانے سے پہلے اٹھا لئے گئے تھے اور یہ کہ مسیحیوں اور یہودیوں دونوں کا یہ خیال ہے کہ مسیح نے صلیب پر جان دی محض غلط فہمی پر مبنی ہے جزم اور صراحت کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ اللہ نے اپنی طرف ان کو اٹھا لیا۔

احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ وہی عیسیٰ علیہ السلام جو آج سے دو ہزار سال پہلے باپ کے بغیر حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے دوبارہ دنیا میں واپس آئیں گے اور آپ کا دوبارہ نزول نبی مقرر ہو کر آنے والے شخص کی حیثیت سے نہیں ہوگا نہ ان پر وحی نازل ہوگی نہ وہ خدا کی طرف سے کوئی نیا پیغام یا نئے احکام لائیں گے نہ وہ شریعت محمدی

کسبِ حلال

جناب فضل الرحمٰن نشتر، باگ ڈوبی، پورنیوی

اسلام محض چند قسم کی عبادات مروجہ کے مجموعہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس نے عبادت سے کہیں زیادہ اصلاح معاملات اور حسن معاشرت پر زور دیا ہے۔ اسلام ایسے عبادت گذاروں کو بنظر تحسین نہیں دیکھتا جس کا کردار اجتماعی مفاد کے خلاف ہو۔ نہ اسلام اس بات کے حق میں ہے کہ انسان تارک الدنیا ہو کر گوشۂ اعتزال میں جا بیٹھے اس نے اپنے متبعین کو کسب معاش کی تلقین کرتے ہوئے میدان عمل میں مردانہ وار جد وجہد کے لئے ابھارا ہے اور رہبانیت تقشف اور بے عملی کی مذمت کی ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے عن انس جاء ثلثۃ رھط الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئلون عن عبادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما اخبروا بھا کانھم تقالوھا فقالوا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد غفر اللہ من ذنبہ ما تقدم وما تاخر (قرآن میں اس طرح وارد ہے لیغفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر) فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا وقال الآخر انا اصوم النھار ابدا ولا افطر وقال الآخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ ترجمہ۔ تین آدمی پر مشتمل ایک جماعت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئی اور آنجناب کی عبادت کا حال دریافت کی جب واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے اس عبادت کو تھوڑا سمجھا اور کہنے لگے کہ ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں پھر ایک شخص نے کہا کہ میں ہمیشہ پوری رات نماز پڑھتا رہوں گا دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزے رکھا کروں گا ایک دوسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا کبھی شادی نہ کروں گا۔ اتنے میں سرکار دو عالم ان لوگوں کی طرف تشریف فرما ہوئے اور کہا کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ خدا کی قسم میں تم لوگوں سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی اور عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں یہ میرا طریقہ ہے
جس نے میرے طریقے سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ شادی بیاہ کرنے گھر گرہستی سنبھالنے کے بعد کسب معاش کی ذمہ داریاں خود بخود عائد ہو جاتی ہیں اس ذمہ داری میں کوتاہی کرنے والا انسان سماج اور معاشرہ کا مجرم ثابت ہوگا۔ اس لئے حدیث نبوی میں وارد ہے جن لوگوں کی کفالت جس کسی کے ذمہ عائد ہو اگر اس کو ضائع کرتا ہے تو بڑا گنہگار ہے۔ کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت کیونکہ اس طرح معاشرہ روبہ زوال اور ہماری حیات اجتماعی انحطاط پذیر ہو جائے گی کہ آئندہ نسلیں صحت جسمانی اور قوائے عقلیہ کے لحاظ سے دیوالیہ بن جائیں گی جو مفید شہری نہ ہو کر ملک وقوم پر بار ثابت ہوں گی۔ شرافت اور عزت نفس کی جگہ دنائت و ذلت کا نمونہ پیش کریں گی۔ خوشحال ماحول سے تعلق ان کا پیشہ ہوگا تعلیم نفس تربیت ذات کی حرماں نصیبی کی وجہ سے دین ودنیا

میں باعث خسران و ہلاکت ہوں گی یہی وجہ ہے کہ ذات باری نے ارشاد فرمایا ہے یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا یعنی اے ایمان والو اپنے
اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ خاندان کے قائد و سربراہ کے پاس علاوہ فکری و عملی قوت کے ساتھ سرمایہ نقد
جنس بھی مہیا ہو اس وقت دنیا عالم ایسے خاندان بہت ہی کم ہیں جن کے پاس محنت شاقہ سے پایا ہوا مال متروکہ موجود ہو کہ بغیر کسب و تردد اور تگ و دو کے
فراغت و اطمینان کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کر سکیں جب یہ مسلم کہ بقائے حیات کے لئے ہر فرد قوم کو باستثنائے چند کسب معاش کے وسائل اختیار کرنا
ناگزیر ہے تو اس امر کی ضرورت لا محالہ روز روشن کی طرح واشگاف ہے کہ معاشرہ کو ہر طرح کی بددیانتی جھوٹ فریب مکر و دغا سود و جوا احتکار
...... سے پاک صاف رکھا جائے۔

ایسے عابد و مرتاض اسلام کی نظر میں نا محمود ہیں جو حرام خواری سے پرہیز نہیں کرتے چنانچہ ابن عمر سے مروی ہے من اشتری ثوبا بعشرۃ دراہم وفیہ درہم حرام لم یقبل اللہ صلوٰۃ ما دام علیہ۔ جس نے ایک کپڑا دس درہم میں خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا ہے تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر ہوگا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا احتیاط اس معاملہ میں قابل تقلید ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے عن عائشۃ قالت کان لابی بکر غلام یخرج لہ الخراج فکان ابو بکر یاکل من خراجہ فجاء یوما بشیء فاکل منہ ابو بکر فقال لہ الغلام تدری ما ہذا فقال ابو بکر ما ہو قال کنت تکہنت لانسان فی الجاہلیۃ وما احسن الکہانۃ الا انی خدعتہ فلقینی فاعطانی بذلک فہذا الذی اکلت منہ قالت فادخل ابو بکر یدہ فقاء کل شیء فی بطنہ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے باپ ابو بکرؓ کا ایک غلام جو انہیں حسب تقرر اپنی روزینہ آمدنی کا ایک حصہ دیا کرتا تھا اور ابو بکرؓ ان کی آمدنی میں سے کھاتے تھے چنانچہ ایک دن اس غلام نے کھانے کو کوئی چیز ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لا دی جسے آپ نے کھا لیا تو غلام نے کہا کہ آپ نے معلوم کیا کہ وہ کیا چیز تھی آپ نے پوچھا کیا چیز تھی غلام نے کہا کہ میں زمانہ جاہلیت میں کہانت کا پیشہ کرتا تھا (کہانت غیب کی باتیں بتانے کو کہتے ہیں جیسے پنڈت جوگی غیب کی باتیں جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں بسا اوقات یہ باتیں درست بھی ثابت ہو جاتی ہیں مگر اس کا اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ قرآن حدیث میں اس کی مخالفت آئی ہے جس سے ایمان جاتا رہتا ہے) اور کہانت کے اصول و ضوابط سے بخوبی واقف نہ تھا بلکہ لوگوں کو دھوکا دیا تھا آپ نے یہ سن کر اپنا ہاتھ حلق میں ڈال کر کھائی ہوئی چیز کو قے کر دیا۔ اس طرح کی ایک روایت حضرت عمر کے متعلق بھی ہے۔ عن زید بن اسلم قال شرب عمر بن خطاب لبنا واعجبہ قال للذی سقاہ من این لک ہذا اللبن فاخبرہ انہ ورد علی ماء قد سماہ فاذا نعم من الصدقۃ یسقون فحلبوا من البانہا فجعلتہ فی سقائی وہو ہذا فادخل عمر یدہ فاستقاء رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا جو آپ کو بھلا لگا آپ نے دودھ پلانے والے کو کہا کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے ملا پلانے والے نے کہا میں ایک چشمہ پر گیا ہوا تھا جس کا پتہ پہلے سے مجھے معلوم تھا وہاں دیکھا کہ لوگ صدقہ کا دودھ لوگوں کو دوہ کر پلاتے ہیں (وہ اونٹ صدقے کے تھے جس کو جمع کرتے حکومت اسلامیہ کے مقرر کردہ تھے) میں نے اپنا پیالہ اس دودھ سے بھر لیا یہ وہی دودھ ہے پس آپ نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈال کر قے کر دی غالباً وہ صاحب نصاب ہوں گے جس کو صدقہ حرام ہوگا ورنہ فقیر کے حسب مرضی صدقہ کی چیز کھانا حلال ہے جیسا کہ حدیث بریرہ سے واضح ہے یہ قے کرنا کمال تورع کی بنا پر تھا ورنہ مسئلہ ایسا نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود پیشہ کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص سے جس کے ہاتھ میں بھی کچھ ان [illegible] تمہارے ہاتھ میں کیا ہے اس نے کہا کہ یہ بھی [illegible] آپ نے فرمایا جب تک [illegible] درست نہیں [illegible]

یہ جو ملک میں تیار ہوتی ہیں ان سے کام چلے ایسی چیزوں کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے اس سے ملکی مصنوعات کو ترقی پانے کا موقعہ ملتا ہے اور ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ روزی کے دس شعبے ہیں جن میں نو شعبے تجارت کے ہیں اور ایک شعبہ دوسرے کاروبار کا ہے آپ نے زراعت کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کھیتی کا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا آپ نے فرمایا کہ تمہارے کھیت سے جو چرندے پرندے دانے کھائیں یا چگیں تمہیں اس میں صدقہ کا ثواب ہوگا چنانچہ قرآن شریف میں یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بھی کھیتی باڑی کی اہمیت کا تذکرہ ملتا ہے۔ ہمارے یہ بات قابل صد حیف افسوس ہے کہ ہم نے اپنی بڑائی کے زعم میں بہت سے پیشوں کو حقیر سمجھ لیا ایسا سمجھنا اسلامی اسپرٹ کے منافی ہے۔ اس سے بے روزگاری پھیلتی ہے اور قومی دولت گھٹ جاتی ہے۔ افراد قوم پہلے ہی محتاجی و درماندگی اور مفلوک الحالی کا تسلط ہو جاتا ہے۔ قوم ترقی کی دوڑ میں پچھڑ جاتی ہے مشہور عالم تجار کی سوانح عمریاں بتاتی ہیں کہ دنیا کے اکثر بیشتر کارخانہ دار تجار۔ ارباب صنعت ابتداً میں مفلس تلاش تھے انھوں نے اللہ کا نام لے کر جھوٹے غرور بے معنی احساس برتری کو تج کر معمولی سی تجارت شروع کردی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک دن محنت، مستعدی، بیدار مغزی، ایمانداری مقتضیات زمانہ کی سوجھ بوجھ کی بنا پر اپنی زبردست ساکھ قائم کرلی اور کروڑوں کی دولت سے کھیلنے لگے۔ اگر نیت بخیر ہو اور دولت سے رضائے الٰہی مطلوب ہو تو دولت بری چیز نہیں۔ چنانچہ آقا مولا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو شخص پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جسے علم دیا گیا اور وہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس کے مطابق حق و باطل کا فیصلہ کرتا ہے۔ ایک وہ جنہیں دولت دی گئی اور وہ اس دولت کو مرضیات خداوندی کی راہ میں صرف کرتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ارباب احتیاج کو کسی پیشہ کو اگر وہ جائز ہے تو حقیر سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ ذیل کی حدیث سے مترشح ہوگا۔ عن عائشۃ قالت صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فرخص فیہ فتنزہ عنہ قوم فبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخطب فحمد اللہ ثم قال ما بال اقوام یتنزہون عن الشیٔ اصنعہ فو اللہ انی لاعلمہم باللہ و اشدہم لہ خشیۃ۔ متفق علیہ۔

یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کارگیری کی پھر لوگوں کو اس کے کرنے کی اجازت دی تو لوگوں نے معمولی کام سمجھ کر پرہیز کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے قوم کو ایک خطبہ دیا پہلے خدا کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہا کہ قوم کا کیا حال ہے جس کام کو میں کرتا ہوں لوگ اس سے اپنے کو بچائے رکھتے ہیں حالانکہ خدا کی قسم میں ان لوگوں سے خدا کو زیادہ جانتا ہوں اور ان لوگوں سے خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہوں یعنی اسلام میں ذاتی تفاخر اور نسلی برتری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سیدہ نسبی شدی ترک نسب کن مرا آئی۔ کہ در دین راہ نیست فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔

یہ بات اس لئے کہی گئی کہ اکثر افراد قوم نسلی امتیاز کے مدنظر بہت سے پیشوں کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے آئمہ دین مقتدی ملت دھوبی۔ انگریزی، خیاطی، بڑھئی گری، تیلی اور چمڑا سازی کا کام کرتے تھے شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ مٹھائیاں بنا کر بیچا کرتے تھے متعدد صحابہ کرام نے قصابی کا پیشہ کیا ہے۔ بہتوں نے مزدوری کی ہے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایران کے گورنری کے زمانہ میں کھجور کے پتوں کی چٹائیاں بنا کر بیچا کرتے تھے اور اسی سے اپنا گذر بسر کرتے اپنی پوری تنخواہ جو انہیں ملتی محتاجوں پر صرف کر دیتے۔ حضور کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا چادریں بنایا کرتی تھیں جس سے ان کی آمدنی میں معقول اضافہ ہو گیا تھا اس رقم سے محتاجوں کی خبر گیری کیا کرتی تھیں۔ آنحضور نے فرمایا ہے کہ مسلمان عورتوں کو چکی اور چرخہ کا کام ضرور کرنا چاہیئے چرخہ سے شیطان دور بھاگتا ہے۔ یعنی عورتیں مشغولیت کار سے شیطان کے وسواس سے محفوظ رہتی ہیں مصرعہ کار آشیانہ شیطان باشد ایک مزید منفعت یہ ہے کہ خدا نخواستہ ایسی عورتوں کا شوہر یا سرپرست موجود نہ ہو تو عزت آبرو کے ساتھ چار پیسے کما کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتی ہیں خود در بدر کا ٹھوکر کھانے اور بال بچوں کو مارا

مارا پھرتے دیکھنے سے بچ رہتی ہیں یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ گھرانے کا کسی عورت کا شوہر مر جائے اور لڑکیاں ہی والدین میں سے کوئی بعید ہو تو انہیں چاہیے کہ حسب ضرورت ان کی سی وسیع ایسی بانصیب عورتوں کی خبر گیری کرتے رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین صدقات یہ ہے کہ تم اپنی ان لڑکیوں کی کفالت اپنے ذمہ لے لو جو شوہر کی وفات کے بعد تمہارے گھر لوٹ آئیں۔ ہم نے ابتدا مضمون میں کہا تھا کہ اسلام صداقت شعاری راستبازی، دیانت پسند دیتا ہے اور حرام خوری سے بچنے کو کہا ہے اس سلسلہ میں ایک حدیث ملحوظ خاطر رہنی چاہیے جو ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء یا رب یا رب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذالک رواہ مسلم۔ یعنی ایک شخص لمبے سفر میں سرگرداں ہے جس کا بال بغیر تیل اور کنگھی کے الجھا ہوا ہے مہینوں سے غسل نہ کرنے سے جسم پر میل جم گیا ہے ہاتھ پاؤں اور چہرہ گرد آلود ہے ایسی حالت میں قدرتی بات ہے کہ جو دعا مانگے گا اخلاص دل اور صمیم قلب کے ساتھ مانگے گا کیونکہ ایسی بے چارگی اور پریشان حالی کی دعائیں دل کی گہرائی سے نکلتی ہیں مگر چونکہ غذا، لباس کھانے پینے اور دوسرے تقاضائے حاجات کے معاملہ میں حرام خور ہوگا اس لئے ایسوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی یوں قضا وقدر کی بات دوسری ہے۔

اب صنعت وحرفت دست کاری کے متعلق ایک دوسری حدیث ملاحظہ کیجئے جس سے معلوم ہو کہ دست کاری کتنی محبوب تھی امت مسلمہ کو اس کی بابت کیسی اچھی تعلیم عطا فرمائی ہے چنانچہ مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ ان نبی اللہ داؤد علیہ السلام یاکل من عمل یدیہ رواہ البخاری روای کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی چیز کبھی نہیں کھایا حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ ملاحظہ ہو اس حدیث شریف میں دست کاری فروغ دینے کا کس قدر جذبہ شامل حال ہے کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی سلطنت میں بھیس بدل کر لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ کہو داؤد کیسا آدمی ہے ایک دن ایک فرشتہ بصورت آدمی آپ سے ملا آپ نے اس سے بھی یہی سوال دہرایا فرشتہ نے جواب دیا۔ داؤد تو بڑا اچھا آدمی ہے مگر اتنی بات ہے کہ مسلمانوں کے مال سے بطور روزینہ کھاتا ہے۔ یہ سن کر بہت افسوس ہوا آپ نے اللہ سے دعا فرمائی کہ مجھے کوئی دست کاری آ جائے جس سے اپنا اور اپنے متعلقین کا رفع حاجات کر سکوں بالآخر آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کو صنعت زرہ سازی آ گئی۔ اللہ نے آپ کے ہاتھ میں وہ تاثیر دی تھی جس سے لوہا آپ موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا آپ ایک ایک زرہ ساڑھے ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے جس کی رقم اپنے اور اپنے لواحقین اعزا کے علاوہ ضرورت مند فقراء پر بھی صرف کرتے تھے اسلام نے مزدور اور مالک کا تعلق منصفانہ بنیاد پر قائم کیا ہے مزدور پر فرض ہے کہ جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اس کو پوری محنت جانفشانی اور امانت داری سے انجام دے اچھے مزدور کی قرآن نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے ان خیر من استاجرت القوی الامین مزدور رکھنے کے لئے بہتر شخص وہ ہے جو مفوضہ کام انجام دینے کی صلاحیت ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے ہو ساتھ ہی محنتی اور امانت دار بھی ہو کام چور، بدباطن اور خائن نہ ہو یہ نہیں کہ صرف آقا یا مالک کی نگرانی میں تندہی اور چستی دکھلائے اور پیچھے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے یا مالک کے جان ومال عزت آبرو کے درپے ہو جائے بلکہ مالک کی عزت کو اپنی عزت سمجھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے پتہ حاصل ہوتا ہے آپ میں دونوں خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ قوت جسمانی کا حال تو اس طرح معلوم ہوا ہے کہ آپ نے کنوئیں کے منہ پر پڑا ہوا پتھر ہٹا کر بکریوں کو جنہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں کنوئیں سے پیچھے ہٹا کر کھڑی تھیں پانی پلا دیا یہ لڑکیاں بکریوں کو لے کر چرواہوں کا انتظار کر رہی تھیں تاکہ چرواہے جا کر کنوئیں کے منہ کا پتھر اٹھا دیں اور یہ اپنی بکریوں کو پانی پلا سکیں امانت کا پتہ اس طرح چلا کہ جب آپ پانی پلا کر ایک صاحب [illegible]

اپنے فقر و احتیاج کے دفعیہ کے لئے خدا سے دعا مانگ رہے تھے تاکہ اس بے سروسامانی کے عالم میں کوئی وجہ معاش کوئی جائے امن دستیاب ہو اور غریب الوطنی کی کلفت مبدل براحت ہو اتنے میں ایک لڑکی جو شعیب علیہ السلام کی تھی اور جسے حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا تھا آئی اور موسیٰ علیہ السلام کو پیغام سنا کر معاوضۂ احسان کے لئے چلنے کو کہا ایک تو یہ عفیفہ خود ہی شرماتی لجاتی آئیں ادھر آپ بھی ہونے کے پیغمبر نبی مرسل کی طبیعت خاص کے حامل تھے چلاکئے تو لڑکی سے فرمایا کہ میں آگے ہو لیتا ہوں تم پیچھے سے سمت کے پتہ پر مری رہنمائی کرو چنانچہ آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے حضور میں پہنچ گئے آپ دس سال تک اس شرط پر وہاں شعیب علیہ السلام کے ہاں بکریاں چراتے رہے کہ ان کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی ہو جائے گی چنانچہ حضرت حضور سے آپ کی شادی ہو گئی حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ہم بعہد سلطان مصر ایک عامل یا مزدور کی حیثیت سے دیکھ پاتے فرق یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جسمانی مزدور تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام دماغی وہاں علم و امانت کے ساتھ کے ساتھ وقار و تمکنت کی بھی ضرورت ہے جس سے رسوخ و اقتدار میں فرق نہ آنے پائے تاکہ عوام یہ محسوس نہ کریں کہ کسی کلیدی مقام کوئی ایسا شخص برسر عہدہ ہے جس کا طریقۂ کار یا پالیسی نظم مملکت کی بہبودی اور مفاد عامہ کے خلاف ہے یہ ہیں ایک اچھے مالک وصف خاص یہ ہے کہ شرح مزدوری فراخ دلانہ طور پر مقرر کی جائے جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے لا تنسوا الفضل بینکم آپس میں احسان اور رواداری کرنا مت بھولو نہ مزدور مالک کی شدید ضرورت محسوس کر کے ظالمانہ نامناسب مزدوری مانگے نہ مالک مزدور کی معاشی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بغیر واجبی طور پر کم مزدوری پر کام کرائے پھر کام کے بعد بھی مزدوری ادا کر دی جائے خواہ مخواہ ٹال مٹول کرنا اچھی عادت نہیں ہے مطل الغنی ظلم مزدور کی مزدوری چکانے کی گنجائش کے باوجود ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ آتوا اجر الاجیر قبل ان یجف عرقہ۔

مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے دے دو یہ ہے تعلیم اسلام کا خلاصہ۔

بقیہ الوسیلۃ والتوسل

تفعل ثم روی فی المنام
نسئل فقال لما وضعت
فی القبر جائتی ملائکۃ
العذاب فلما رؤا مکتوبا
علی جبہتی بسم اللہ الرحمن الرحیم
قالوا امنت من عذاب اللہ
... ...
... ...
... ...

یعنی از ایشاں کہ نوشتہ شود بر
پیشانی و سینہ او بسم اللہ الرحمن الرحیم
پس کردہ شد یعنی نوشتہ شد
بعض ازاں در خواب دیدہ شد و
پرسیدہ شد (از حال او) پس گفت ہرگاہ
در قبر نہادہ شدم بیامدند نزد من فرشتگان
عذاب پس چوں دیدند نوشتہ بر پیشانی
من بسم اللہ الرحمن الرحیم را گفتند امن یافتی
از عذاب اللہ تعالیٰ

لکھ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ پس ان کے
مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا، تو
انہوں نے کہا کہ جس وقت میں قبر میں رکھا گیا اور
عذاب کے فرشتے ہمارے پاس آئے تو یہ دیکھ کر
کہ ہماری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم
لکھا ہے، بولے کہ تو نے اللہ کے عذاب سے
امن پائی۔
... ...
... ...

اردو شاعری اور نعت گوئی

(از :- ش - م - عارف ماہر آروی)

ہر اس کلام کو جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور صفت و ثنا بیان کی جائے نعت کہتے ہیں۔

نعتیہ مضامین شاعری کے تمام اصنافِ سخن مثلاً مثنوی، قصیدہ، مدح، ثنا، مرثیہ، سراپا، سلام، مسدس، مخمس، مستزاد، قطعہ، رباعی، غزل وغیرہ میں موجود ہیں، مگر قصیدہ، غزل اور سلام کا انداز اردو شاعری میں زیادہ مقبول اور محبوب رہا ہے۔

نعت گوئی کی ابتداء کا سہرا میمون بن قیس (اعشیٰ) کے سر ہے۔ اس نے حضورؐ کی مدح میں پہلا قصیدہ لکھا، جو تاریخی اعتبار سے عربی کی پہلی "نعت" قرار پائی۔

فآلیت لا ارثی لہا من کلالۃ　　　ولا من حفیٰ حتیٰ تلاقی محمداً

اس کے بعد حضرت حمزہ رضؓ بن عبد المطلب، حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حضرت حسّان بن ثابتؓ تھے۔ جو حضور کی تعریف میں اشعار رقم کیا کرتے تھے اور سرکار دو جہاں کو خود سنا کر خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ حضرت حسّان انصار کے مشہور قبیلہ خزرج سے تھے۔ فارع کا قلعہ، جو مسجد نبویؐ سے جانب غرب باب الرحمۃ کے مقابل واقع تھا۔ ان کی سکونت گاہ تھی۔ آپ کی عمر ہجرت کے وقت ساٹھ برس کی تھی۔ حضرت حسانؓ کے پردادا حرام، دادا منذر، باپ ثابت سبھی شاعر تھے۔ خود حضرت حسانؓ بھی شاعر تھے اور آپ کے بیٹے عبد الرحمان بھی شاعر تھے۔ حضرت حسّانؓ شعرائے کفار کی ہجو کا جواب دیتے اور مشرکین کی ہجو کرتے۔ سنہ ۹ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا جس میں زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی فضیلت میں چند اشعار پڑھے، تو آنحضرت صلعم نے حضرت حسّانؓ سے کہا تم اٹھ کر اس کا جواب دو، چنانچہ انہوں نے اسی قافیہ اور ردیف میں برجستہ جواب دیا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد بھی عرصہ تک حضرت حسّانؓ زندہ رہے اور حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں ایک سو بیس (۱۲۰) برس کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی ایک نعت نمونتہً درج ذیل ہے، ملاحظہ ہو :-

متی یبد فی الداجی البہیم جبینہ　　　یلح مثل مصباح الدجی المتوقد

فشبہک بدر اللیل بل انت انور　　　ووجہک من تام الملاحۃ ازہر

ترجمہ :- آپ چودھویں کے چاند سے مشابہ بلکہ اس سے بھی زیادہ روشن و تابناک ہیں اور آپ کے چہرۂ اقدس کے سامنے روشنیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔

فیا زینۃ الدنیا و یا غایۃ المنی   فمن ذا الذی عن وجھک یصبر

ترجمہ :۔ اے خاک دان ہستی کی زینت اور اے مہر امید و آرزو کی غایت اس کارگاہ آب و گل میں اپنی مثال آپ خود ہیں

فثلثک کافور و ربعک عنبر   وخمسک یاقوت و باقیک جوھر

" آپ کے وجود گرامی میں ایک تہائی کافور اور ایک چوتھائی عنبر۔ پانچواں حصہ یاقوت اور باقی سب جوہر ہی جوہر ہے

فما ولدت حواء من صلب آدم   ولا بجنات الخلد مثلک آخر

" بنی نوع انسان میں آپ کا سا کوئی پیدا ہوا نہ باغ خلد میں آپ کا مثل و نظیر ہے۔

ثلاثۃ اضواء تضئی من السماء   وفی سر قلبک مثلھن مصورۃ

" آسمان میں نور کے تین چشمے ہیں اور اسی طرح آپ کے مقدس و پاکیزہ دل میں بھی

فاولہ شمس و ثانیہ کوکب   وثالثہ بدر منیر مدور

" آسمان کا پہلا حصہ چشمہ نور۔ آفتاب دوسرا ستارے اور تیسرا ماہ کامل ہے

علوم نجوم القلب والعقل شمسہ   ومعرفۃ الرحمن بدر منور

" اور علوم کے سپہر قلب کا آفتاب عقل و ستارے علوم اور ماہ کامل معرفت کردگار ہے

امامی کتاب اللہ والبیت قبلتی   ودینی من الادیان اعلیٰ وافخر

" اللہ کی کتاب قرآن میری رہنما اور خدا کا گھر (کعبہ) میرا قبلہ ہے اور میرا دین تمام دینوں سے افضل و اعلیٰ اور قابل فخر ہے

شفیعی رسول اللہ واللہ غافری   ولا رب الا اللہ واللہ اکبر

" میرا شفیع اللہ کا رسول اور میرا بخشنے والا اللہ ہے اور اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے

دربار نبوت کے دوسرے شاعر عبداللہ بن رواحہؓ بھی عربی نعتیہ گو شعراء میں نمایاں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ نمونتہً آپ کا ایک نعتیہ کلام کے چند اشعار مطبوعہ روزنامہ "سیاست" عید میلاد نمبر ۶۴ء کا پور سے ماخوذ ہے۔ ملاحظہ ہوں :۔

روحی الفداء لمن اخلاقہ شھدت   بانہ خیر مولود من البشر

ترجمہ :۔ میری روح اس ہستی پر فدا ہے جس کے اخلاق و اطوار اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے افضل ہے

عمت فضائلہ کل العباد کما   عم البریۃ ضوء الشمس والقمر

" اس کے فضائل و کمالات کا چشمہ فیض تمام بندوں کو بلا امتیاز اسی طرح سیراب کر رہا ہے جس طرح آفتاب و ماہتاب کی ضیا باریاں بلا تخصیص

لو لم یکن فیہ آیات مبینۃ   کانت بدیھتہ تنبئ عن الخبر

" اگر اس کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والی واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں، تو خود اس کی ذات اس کے پیغام کی صداقت کے لئے کافی ہوتی"

حضرت فاطمہؓ، حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی نعت گوئی کا حق ادا کیا۔

جب اسلام ایران پہنچا، تو وہاں بھی نعت گوئی کا رواج عام ہوا۔ حاجی جان محمد قدسی، شیخ سعدیؒ، ملا جامی، رومی، ہستانی، حافظ، عطار، نظامی گنجوی، خاقانی، عرفی، قاآنی نے اس صنف سخن کو بام عروج پر پہنچایا۔

شیخ سعدیؒ نے تو عربی میں بھی نعتیہ رباعی کہی اور ایسی کہی کہ آج بھی زبان زد خاص و عام ہے، ملاحظہ ہو:-

بلغ العلےٰ بکمالہٖ   کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ   صلّوا علیہ و آلہٖ

فارسی شعراء میں جامی صف اول کے نعت گو شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام ملاحظہ ہو:-

نسیما جانب بطحا گذر کن   ز احوالم محمدؐ را خبر کن
توئی سلطان عالم یا محمدؐ   ز روئے لطف سوئے من نظر کن
ببر ایں جان مشتاقم در آنجا   فدائے روضۂ خیر البشر کن
مشرف گرچہ شد بے چارہ جامی   خدایا ایں کرم بار دگر کن

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی (متولد ۲۳ نومبر ۱۴۱۴ء متوفی ۹ نومبر ۱۴۹۲ء) کی وہ نعت جو لیلۃ الاسراء کی یاد میں ربیع الاول کی ایک شب میں لکھی گئی۔ ملاحظہ ہو:-

ز مہجوری برآمد جان عالم   ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

بشوقت جاں بلب آمد تمامی   نظر فرما یا حبیبی کم تنامی
عمامہ برسر و جامہ بہ تن پوش   قد سرو، رخ ماہ تمامی
ہمہ پیغمبرانؑ در جستجو یند   خدا داند کہ تو در چہ مقامی
صبا گر تو سوئے بطحا گذر کن   بہ تعظیمے رساں ما را سلامی
بحسن اہتمامت کار جامی   طفیل دیگراں یابد تمامی

اور اب "سلام جامی" ملاحظہ ہو:-

سلامٌ علیک اے نبی مکرم   مکرم تر از آدم و نسل آدم
سلامٌ علیک اے ز آبائے علوی   بہ صورت مؤخر بہ معنی مقدم
سلامٌ علیک اے ز آغاز فطرت   طفیل وجود تو ایجاد عالم
سلامٌ علیک اے ز اسمائے حسنیٰ   جمال تو آئینۂ اسم اعظم
سلامٌ علیک اے بہ ملک رسالت   ترا خاتم المرسلین نقش خاتم
سلامٌ علیک اے شناسائے سدرہ   کہ روح الامین در یکے نیست محرم

سلام علیک اے زابر نوالت — ہرا کشت زار امل سبز و خرم
ہزاراں تحیت زحق بادہ نازل — بہ روح تو و آل و صحب تو ہر دم
اگر فیض نورت نبودے نمودے — یکے ملت کفر و اسلام باہم
ز سعی تو شد فتح ابواب مغلق — ز نطق تو شد کشف اسرار مبہم
جزاک الذی عم جودہ و برّہ — و ارضاک عنا وصلی وسلم
توئی یا رسول اللہ آں بحر رحمت — کہ باشد محیط از عطائے تو یکنم
جگر تشنگانیم از رہ رسیدہ — ترحم علینا بماءٍ ترحم
درونہا فگاریم و دلہا جراحت — ز لطف تو داریم امید مرہم
کشادیم بار سفر در زیارت — چو جامی زبادکند پشتیا خم!

حضرت جامی کی اس والہانہ عشق نبویؐ کی آواز بازگشت آج بھی اردو شاعری میں پائی جاتی ہے۔ ایک حضرت جامی پر ہی کیا منحصر ہے، فارسی کے اور بھی نعت گو شعراء کے تتبع کا سراغ اردو شاعری میں پایا جاتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ پہلے ہم ان تمام فارسی نعتیہ گو شعراء کا نمونہ دیکھتے چلیں۔

حضرت جامیؒ کے بعد نامور صوفی شاعر شیخ فریدالدین عطار کا نعتیہ کلام ملاحظہ ہو، جو عشقِ نبویؐ میں یوں نغمہ سرا ہیں۔

سہ — خواجہ دنیا و دیں گنج وفا — صدر و بدر ہر دو عالم مصطفٰی
آفتاب شرع و دریائے یقیں — نور عالم رحمت للعلمین
بہترین و بہترین انبیاء — رہنمائے اصفیاء و اولیاء
آفرینش را جز او مقصود نیست — پاک دامن تر از و موجود نیست
ختم کردہ حق نبوت را بدو — معجز و خلق و فتوت را بدو
یا رسول اللہ بسی درماندہ ام — باد بر کف خاک بر سر ماندہ ام

مولانا روم کی شخصیت چونکہ تمام تر قرآن پاک ہی کی تفسیر ہے۔ اس لئے ان کی مثنوی کو "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" بھی کہتے ہیں۔ مولانا نعتؐ رسول میں یوں ہدیۂ نیاز پیش کرتے ہیں ؎

نور احمدؐ باعث آفاق شد — نور احمدؐ شورش عشاق شد
گر نبودے نور احمدؐ در جہاں — کے شدے پیدا زمین و آسماں
حق معبودے کہ در جملہ صور — شد بہ انوار محمدؐ جلوہ گر
او وسطا ایجاد جہاں را واسطہ — درمیان خلق و خالق را سفر

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب آں یار کن

اور اب جناب شمس تبریزؒ کا عشق رسولؐ ملاحظہ ہو: ؎

یا حبیب اللہ حبیب خالقِ یکتا توئی
برگزیدہ ذوالجلال پاک و بے ہمتا توئی

نازنین حضرت حق صدر و بدر کائنات
نور چشم انبیاء چشم و چراغ ما توئی

در شب معراج بودہ جبرئیل اندر رکاب
پا نہادہ بر سر گنبد اعلیٰ توئی

یا رسول اللہ تو دانی امت تو عاجز است
عاجزان و بیکساں را رہبر اعلیٰ توئی

شمس تبریزی چہ داند نعت پیغمبرا
مصطفیٰؐ و مجتبیٰؐ و سید و اعلیٰ توئی

اب حضرت قدسیؒ کی معروف و مشہور نعت ملاحظہ ہو:۔ ؎

؎ مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

شب معراج عروجِ تو ز افلاک گذشت
بمقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی!

نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

ذاتِ پاک تو دریں ملکِ عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگِ کوے تو شد بے ادبی

بردہ فیض تو استادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی یمنی و حلبی!

عاصیانیم ز ما نیکی اعمال مخواہ
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی

ما ہمہ تشنہ لبانیم توئی آبِ حیات
رحم فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی

چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

ایران کی نعت گوئی کا اثر ہندوستان پر بھی ہوا اور یہاں بھی صوفیائے کرام، بزرگانِ دین اور دیگر حضرات علم و ادب نے بھی اس صنف سخن میں حق سخنوری ادا کیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے حب رسولؐ کا اظہار یوں فرمایا: ؎

در جان چو کرد منزل جاناں ما محمدؐ
صد در کشاد در دل از جان ما محمدؐ

از درد زخم عصیاں مارا چہ غم چو سازد — از مرہم شفاعت درمان ما محمدؐ
مستغرق گناہیم، ہر چند عذر خواہیم — پژمردہ چو گیاہیم باران ما محمدؐ
طالب خدائیم بر دین مصطفائیم — بر درگہش گدائیم سلطان ما محمدؐ
در باغ و بوستانم دیگر مجو معنے — باغم بس است قرآں بستان ما محمدؐ

پھر حضرت امیر خسروؒ (متوفی یکم جولائی ۱۳۲۵ء) کی یہ نعت بھی کچھ کم الہامی نہیں۔ ملاحظہ ہو:

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری — ہر چند وصفت می کنم لیکن ازاں بالاتری
تو از پری چابک تری وز برگِ گل نازک تری — وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری
آفاق را گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام — بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزی دیگری
شمس ندانم یا قمر یا زہرہ یا مشتری — حورے ندانم یا ملک فرزند آدم یا پری
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی — تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا یہ نعت:-

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم — بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رخسارے — سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز من ترساں — سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو — محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

حضرت امیر خسروؒ کی ایک اور نعتیہ غزل ملاحظہ ہو:-

کردہ سنبل را پریشاں کوئے تو — سحر دارد نرگسِ جادوئے تو
ترک من آئے مہ غلام روئے تو — جملہ ترکانِ جہاں ہندوئے تو
در فراق تو نہادم جان و دل — ہر دو بر طاقِ خم ابروئے تو
خونِ من گر ریخت در کویت چہ باک — خوں بہائے ماست اندر کوئے تو
چند می پرسی کہ خسرو را کہ کشت — غمزۂ تو، چشم تو، گیسوئے تو، ابروئے تو

حضرت امیر خسروؒ دہلوی کے پیر و مرشد محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے بھی ایک نعت عالم وجد میں یوں تحریر فرمائی:-

صبا بسوئے مدینہ رو کن، ازیں دعا گو سلام برخواں
بگرد شاہ رسلؐ بگرداں، بصد تضرع پیام برخواں

بشنودہ من صورتِ مثالی، نماز بگزار اندران جا ہاں

بہ لحن خوش سورۂ محمد، تمام اندر قیام برخواں

بہ بابِ رحمت گہے گذر کن، بہ بابِ جبرئیل گہہ جبیں سا

سلام ربی علی نبی گہے بہ بابُ السلام برخواں

بہ لحن داؤدؑ ہمنوا شو، بہ نغمۂ دردآشنا شو

بہ بزم پیغمبرؐ ایں غزل را زشیدا عاجز نظام برخواں

فارسی شاعری میں بھلا غالبؔ "حبِ رسولؐ" کا اظہار نہ کرتے یہ کیسے ممکن تھا، لیجئے ان کی نعتیہ غزل بھی ملاحظہ کیجئے: ؎

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است | آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ است
آئینہ دار پرتوِ مہر است ماہتاب | شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است
تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است | اما کشاد آں ز کمانِ محمدؐ است
دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی | خود ہر چہ از حق است ازانِ محمدؐ است
ہر کس قسم بدانچہ عزیز است میخورد | سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ است

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

فارسی ہی میں سرسید احمد خاں کی بھی ایک نعتیہ غزل کا سراغ ملتا ہے۔ جس کا مطلع ہے: ؎

فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم | مسیحا رشک می آرد ز درمانے کہ من دارم

اور ایک شعر ملاحظہ ہو: ؎

خدا دارم دلِ بریاں ز عشقِ مصطفےٰ دارم | نہ دارد ہیچ کافر سازو سامانے کہ من دارم

یہاں تک تو فارسی شاعری میں نعت گوئی کا ذکر خیر رہا۔ اب آیئے ذرا اُردو شاعری میں نعت گوئی کے مختلف گوشوں میں بھی جھانک لیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اردو نظم گوئی کا دور نویں صدی ہجری سے ہی ہو گیا تھا۔ اُردو کی سب سے پہلی منظوم تصنیف جس کا اب تک سراغ لگا ہے، فخرالدین نظامی کی ایک مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے، جو بہمنی دور میں تصنیف ہوئی۔ گویا یہ ۸۲۵ھ سے ۸۳۸ھ کے درمیان سنسکرت اور پراکرت کے سیکڑوں الفاظ کے استعمال کے ساتھ ٹھیٹھ ہندی زبان میں لکھی گئی۔ نظامی نے اس مثنوی میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار بھی لکھے ہیں۔ نظامی سے میر باقر آگاہ (متوفی ۱۲۲۰ھ) معاصرین غلام علی آزاد بلگرامی تک تقریباً ہر مثنوی نگار نے بغرض تو اب ہی سہی نعت ضرور ہی لکھی ہے۔ مگر شمالی ہندوستان میں باضابطہ نعت گوئی کا سراغ مثنوی کے ماسوا دیگر اصناف سخن میں مولانا الطاف حسین حالیؔ پانی پتی کی "مسدس حالی" کے پہلے مشکل سے ہی ملتا ہے "مسدس حالی" کے چند بند اس سلسلے میں ملاحظہ ہوں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔۔۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ۔۔۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگذر کرنے والا ۔۔۔ بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا ۔۔۔ قبائل کا شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا ۔۔۔ کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا ۔۔۔ پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

اردو شاعری میں سوائے چند اِنے گنے شعرائے کرام کے سبھی کے یہاں نعت گوئی کا ایک ہی فارم یعنی صنف غزل ہی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ شاید ہی کوئی شاعر اردو شاعری کا ایسا گذرا ہو جس نے کم از کم ایک شعر بھی نعت کا نہ کہا ہو۔ داغ سے لے کر آج تک کے کچھ مشہور شعراء کے نعتیہ کلام کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں: ؎

داغ: ؎ آپ کی شان ہے کیا شانِ رسولِ عربیؐ ۔۔۔ آپ پر جان ہے قربان رسولِ عربیؐ

حسرت موہانی: روزِ محشر سایہ گستر ہے جو دامانِ رسولؐ ۔۔۔ تابِ دوزخ سے ہیں بے پروا غلامانِ رسولؐ

اسمعیل: السلام اے شاہِ شاہاں السلام ۔۔۔ السلام اے نورِ امکاں السلام

اے نبی دستوں کے حامی مرحبا ۔۔۔ اے شفیع اہلِ عصیاں السلام
السلام اے سجدہ گاہِ قدسیاں ۔۔۔ اے رسولِ خاصِ یزداں السلام
اے تری باتیں کلامِ کردگار ۔۔۔ اے ترا دل عرشِ رحماں السلام
افتخارِ آدمؑ و نوحؑ و خلیلؑ ۔۔۔ اے عرب کے ماہِ تاباں السلام

سیماب اکبرآبادی: پیام لائی ہے بادِ صبا مدینے سے ۔۔۔ کہ رحمتوں کی اٹھی ہے گھٹا مدینے سے

انیس کے معاصرین شعراء میں امیر مینائی اور ظفر علی خاں بھی تھے۔ ان دونوں نے عشق رسول میں سرشار ہو کر ایسی ایسی نعتیں تحریر کی ہیں، جو اردو شاعری میں ایک نئے باب کے اضافہ کی مستحق ہیں۔ امیر مینائی اور ظفر علی خاں نے یوں تو بے شمار نعتیں تحریر کی ہیں۔ ہم نمونے از خروارے پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:-

امیر:- جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

ع یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

ع محمدؐ کا دیکھو وقار اللہ اللہ

شجر اور حجر کلمہ پڑھتے ہیں ان کا دو عالم ہیں جن پر نثار اللہ اللہ

کیا چاند دو ٹکڑے، سورج کو پھیرا ملک فلک پر جو ہے اختیار اللہ اللہ

ع آستانے شہ لولاک پہ ہے سر اپنا واہ کیا اوج پہ ہے نجم مقدر اپنا

قسمت اپنی ہے، رسا بخت ہے یاور اپنا فخر ہے سارے رسولوں کا پیمبر اپنا

میکشو! عشق مئے الفت حضرت ہے بہت یہی شیشہ ہے، یہی خم، یہی ساغر اپنا

سامنے چشم تصور کے ہے وہ چہرۂ صاف آئینہ ہم کو دکھاتے ہیں ستمگر اپنا

یہ بھی حضرت کی محبت کا تصرف ہے امیر غرق دریا ہوئے دامن نہ ہوا تر اپنا

مولانا ظفر علی خاں کی وہ نعتیہ غزل مشہور زمانہ ہے، جس کا مصرعہ اول یہ ہے " دل جس سے ہے زندہ وہ تمنا تم ہی تو ہو"

مولانا کی ایک نعتیہ غزل ملاحظہ ہو: ع

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں "لولاک لما" کا شور نہ ہو یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں، یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبیؐ، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

داغ سے مولانا ظفر علی خاں تک تقریباً سبھی نعتیہ گو میں ہم آہنگی اور یکسوئی کارفرما ہے۔ ماہر القادری، اختر شیرانی، مقبول شفائی، شکیل بدایونی، نازش پرتاپگڑھی اور جگن ناتھ آزاد نے نعتیہ کلام میں تنوع اور رنگارنگی عطا کی، چونکہ دعویٰ دلیل کھوجتا ہے اس لئے ہم تذکرۂ شعراء کا نمونہ کلام ہی پیش کرتے ہیں۔ انصاف آپ خود کریں:- ع

ماہر القادری:—

جس کا مشتاق ہے، خود عرش بریں آج کی رات امّ ہانیؓ کے وہ گھر میں ہے مکیں آج کی رات

قاب قوسین تو ہے، قرب کی پہلی منزل بندہ اللہ سے اتنا ہے قریں آج کی رات

ایک ہی سطح پہ ہے مرتبۂ غیب و شہود اٹھ گئے سارے حجابات حسیں آج کی رات

ہوش و ادراک کی تکمیل ہوئی جاتی ہے اپنی معراج پہ ہے علم و یقیں آج کی رات

یہ فضا اور یہ معراج اگر اس پر بھی — اپنی امت کو نہ بھولے شہِ دیں آج کی رات
در کی زنجیر بھی جنبش میں ہے بستر بھی ہے گرم — رک گئی گردشِ افلاک و زمیں آج کی رات

اختر شیرانی :-

دنیائے ہست و بود کی زینت تمہیں تو ہو — اس باغ کی بہار کے ساماں تمہیں تو ہو
صبحِ ازل سے شامِ ابد تک ہے جس کا نور — وہ جلوہ زارِ حسنِ درخشاں تمہیں تو ہو
شادابیٔ صنوبر و نسریں تمہیں سے ہے — بوئے گل و بہارِ گلستاں تمہیں تو ہو

قتیل شفائی :-

شکستِ سطوتِ اصنام کی ضرورت ہے — ہر ایک دور کو اسلام کی ضرورت ہے
جنھیں بتانِ سیاست کا پیار لے ڈوبا — اب ان لبوں کو ترے نام کی ضرورت ہے
جہاں جہاں پہ بھی انسانیت ہے خطرے میں — وہاں وہاں ترے پیغام کی ضرورت ہے
شبِ سیاہ سے لرزاں ہے کائناتِ خیال — اسے چراغِ سرِ شام کی ضرورت ہے
کریں گے ضابطۂ فقر پھر سے ہم رائج — نظامِ زر کو اب آرام کی ضرورت ہے

شکیل بدایونی :-

سکوں کی ساعتوں میں کون ان کو بھول سکتا ہے — دمِ مشکل جو ہر اک بے نوا کے کام آتے ہوں

اب جگن ناتھ آزاد کا مشہور سلام ملاحظہ ہو:-

جگن ناتھ آزاد :-

سلام اس ذاتِ اقدس پر سلام اس فخرِ دوراں پر — ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمیں بن کر — پیامِ دوست لے کر صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں — کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر جو ہے آسودہ زیرِ گنبدِ خضریٰ — زمانہ آج بھی ہے جس کے در پہ ناصیہ فرسا
سلام اس ذاتِ اقدس پر حیاتِ جاودانی کا — سلام آزاد کا آزادؔ کی رنگیں بیانی کا

متذکرہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نعت گوئی کا سلسلہ خداوند کریم سے شروع ہو کر قدسیوں کی جماعت میں ہوتا ہوا صحابہ کرامؓ، اولیاء اللہ اور صوفیوں کی خانقاہوں سے گذرتا ہوا شعراء کی جماعت میں پہنچ کر عام انسانوں کے اخلاق کو سنوارنے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کے پیغام پیدا کرتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ نعت گوئی جذب و سجود کی حقیقتوں کو سمجھے بغیر اور ان منزلوں سے بغیر گذرے تقریباً ناممکن ہے۔ اردو شاعری میں خصوصاً ان دونوں عدم احترام بہت نمایاں ہے۔ آپ کے

افادات

الوسیلة والتوسل

(۱۵)

حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور عالم قادری پھلواروی قدس سرہٗ

مترجمہ

(از حضرت مولانا حکیم محمد شعیب نیر قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ)

در کتاب الانتصاح عن ذکر اہل الصلاح مولوی شاہ علی انور قلندر کاکوری رحمۃ اللہ علیہ چنیں نوشتہ است د میگویند کہ صاحب فوائد اسمعیلیہ در کتاب خود نوشتہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الم نشرح لک صدرک تا آخر بنویسد و بامیت در گور نہد کہ بہ برکت آن نجات از عذاب و رفعت درجات گردد۔ و ہم او نوشتہ کہ اگر کسے بر کفن میت این دو اسم باری تعالیٰ بنویسد آن میت در گور رنز یزد اورا عذاب بند شد و سوال منکر و نکیر براد آسان گردد و چہل دریچہ بہشت در گور او کشایند۔ بفرمان خدائے عز و جل و آن دو اسم اینست یا کبیرا العفو والعدل انت الذی ملاء کل شئی عدلہٗ یا کریم اما اقوال فقہا، پس ایشان درین مسئلہ مختلف اند بعضے جائز داشتہ اند و بعضے ناجائز در کبیری شرح منیۃ المصلی گفتہ صفحہ ۶۵۹ مطبوعہ لاہور

کتاب الانتصاح عن ذکر الصلاح میں مولوی شاہ علی انور قلندر کاکوری رحمہ اللہ نے اس طرح لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ صاحب فوائد اسمعیلیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ الم نشرح بالتسمیہ آخر تک لکھ کر مردہ کے قبر میں میت کے ساتھ رکھ دیں، تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے عذاب سے نجات دے اور اس کے درجات بلند ہوں۔ اور بھی انہی صاحب فوائد اسمعیلیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کفن میت پر اللہ تعالیٰ کے یہ دو اسماء لکھ کر قبر میں ساتھ کر دے تو عذاب اس پر نہ ہو اور منکر نکیر کے سوالات اس پر آسان ہو جائیں اور بہشت کی چالیس کھڑکیاں اس کی قبر میں کھول دی جائیں۔ اللہ کے حکم سے۔ وہ دو اسماء یہ ہیں یا کبیرا العفو و العدل انت الذی ملاء کل شئی عدلہ یا کریم۔ اب رہ گئے فقہائے اقوال۔ پس اس مسئلہ میں یہ لوگ مختلف ہیں۔ بعض اس کو جائز رکھتے ہیں اور بعض ناجائز سمجھتے ہیں۔ کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۶۵۹ مطبوعہ لاہور میں لکھا ہے:

وفی فتاوی البزاز ذکر الامام | و در فتاوے بزازیہ ست کلام | فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ امام ابو القاسم صفار نے ذکر

الاصفار لو کتب علی جبهة
المیت او عمامته او کفنه عهد
نامه یرجی ان یغفر الله سبحانه للمیت
وفی کفایة الشعبی حکی عن بعض
المتقدمین انه اوصی ابنه اذا مت
وغسلت فاکتب فی جبهتی و
صدری

....

بسم الله الرحمن الرحیم
قال ففعلت ثم رأیته فی
المنام وسألته عن حاله فقال
بما وضعت فی القبر جاءتنی
ملائکة العذاب فلما رأوا
مکتوبا علی جبهتی وصدری
بسم الله الرحمن الرحیم قالوا
امنت من العذاب ذکره فی
تاتارخانیة - والله سبحانه اعلم

(ابوالقاسم) صفار ذکر کردہ ست
اگر نوشتہ شود بر پیشانی مردہ یا
عمامہ یا کفن وے عہد نامہ امید کردہ
می شود کہ بخشد اللہ پاک میت
را و در کفایہ شعبی ست کہ از بعضے
متقدمین حکایت کردہ شد بلا تشکیک
او وصیت کرد پسر خود را کہ
چوں بمیرم و غسل دادہ شوم بر
پیشانی و سینہ من نویسی

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم
پسرش گفت چنیں کردم بعد ازاں
او را بخواب دیدم و از حال او پرسیدم
گفت کہ چوں در قبر نہادہ شدم
فرشتگان عذاب پیش من آمدند -
ہرگاہ کہ بر پیشانی و سینہ بسم اللہ
الرحمن الرحیم را مکتوب دیدند
گفتند امن یافتی از عذاب ذکر
کرد ایں را در کتاب تاتارخانیہ

کہا ہے کہ اگر مردہ کے پیشانی یا عمامہ یا کفن پر
عہد نامہ لکھا جائے، تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ
تعالی اس مردہ کو بخش دے اور کفایہ شعبی میں
بعض اگلوں سے حکایت کی گئی ہو کہ انہوں نے
وصیت کی اپنے بیٹے کو کہ جب میں مرجاؤں تو غسل
دینے کے بعد ہماری پیشانی اور سینہ پر

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا
ان کے بیٹے بیان کرتے ہیں کہ میں نے
ایسا کیا کہ اس کے بعد خواب میں دیکھا اور ان
سے ان کا حال پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ میں جس وقت
قبر میں لٹایا گیا، تو عذاب کے فرشتے آئے -
جس وقت ان لوگوں نے پیشانی اور سینہ پر ہمارے
بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا دیکھا، تو ان لوگوں نے کہا
کہ تو نے امن پائی عذاب سے (اس روایت کو کتاب
تاتارخانیہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

و ہمچنیں ست در شرح دیگر منیۃ المصلی کہ صغیری مشہور ست
ست و در فتاوی درمختار نیز بصفحہ ۱۳۰ مطبوعہ کلکتہ

اور اللہ پاک بزرگ خوب جانتا ہے اسی طرح منیۃ المصلی
کی دوسری شرح میں ہے، جس کا نام صغیری مشہور ہے اور فتاوی
درمختار صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ کلکتہ میں لکھا ہے :-

کتب علی جبهة المیت او
عمامته او کفنه عهد نامه
یرجی ان یغفر الله للمیت اوصی
بعضهم ان یکتب فی جبهته و
صدره بسم الله الرحمن الرحیم

اگر نوشتہ شود بر پیشانی مردہ
یا عمامہ یا کفن وے عہد نامہ
امید کردہ می شود کہ بیامرزد
اللہ تعالی آں مردہ را وصیت کرد

اگر مردہ کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ
لکھا جائے۔ امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالی اس مردہ کو
بخش دے۔ ان میں سے بعض نے وصیت کی کہ
(مرنے کے بعد) ان کی پیشانی یا سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم

افادات

مکاتیب حضرت سید العرفاء مخدوم شاہ مجا قلندر لاہرپوری قدس اللہ سرہ

مکتوب بست ونہم باسم شیخ عبداللطیف اکبرآبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ مشیخت پناہ شیخ عبداللطیف اکبرآبادی سلمہ اللہ تعالیٰ من الآفات ۔ ای برادر مرشد ما باید کہ گوہر شناس باطن طالبان باشد کہ بداند کدام ذکر گنجینۂ اسرار اورا خواہد کشاد و کدام زنگ آئینہ باطن وی را خواہد زدود وہر کہ مناسب حال وی باشد فرماید ای برادر بعضی اولیا کبار در شب ہا سیصد و بعضی پانصد و بعضی ہزار رکعت نماز می گزاردند و بداں مقرب آنحضرت گشتند چنانکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خبر داد از جبرئیلؑ و جبرئیلؑ از حق سبحانہ تعالیٰ لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعا وبصرا ویدا ولسانا فبی یسمع وبی یبصر وبی ینطق وبی یبطش نقل است کہ چوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز گزاردی اندرونش جوشی بودی چوں جوش دیگ روئین کہ در زیر آں آتش افروختہ باشد و چوں امیر المومنین علیؓ قصد نماز کردی موہای او از جامہ سر بیروں کردی و لرزہ بروی افتادی و گفتی آمد وقت گزاردن امانتی کہ آسمانہا و زمین

انیسواں خط شیخ عبداللطیف اکبرآبادی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ مشیخت پناہ شیخ عبداللطیف اکبرآبادی سلمہ اللہ تعالیٰ من الآفات ۔ اے برادر بعض بڑے اولیاء اللہ راتوں میں تین سو اور بعضے پانچسو اور بعضے ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے ۔ اور اس کے باعث مقرب بارگاہ ایزدی ہوئے جیسی کہ خبر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے اور جبرئیل نے حق تعالےٰ سے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببت کنت لہ سمعا وبصرا ویدا ولسانا فبی یسمع وبی یبصر وبی ینطق وبی یبطش ۔ نقل ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے تو آپ کے دل میں ایک جوش ہوتا دھات کی دیگ کے مانند جوش جس کے نیچے آگ جلتی ہو اور جب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ کے جسم کے بال جامہ سے باہر نکل آتے اور کل بدن کانپنے لگتا ۔ اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آتا ہے کہ سب آسمان اور زمین اس کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہوئے تھے ۔

از محل رنگی عاجز شدند سہل بن عبداللہ گوید علامة
الصدق ان یکون با عنا من الحق اذا دخل
وقت الصلوۃ یبعثه علیها و یبعثه ان
کان نائماً بر صادقان حق سبحانہ تعالیٰ فرشتہ را قیض
کند کہ چون وقت نماز درآید برگزاردن آن بعث کند
واگر خفتہ باشد بیدار کند صاحب کشف المحجوب گوید
گروہی گویند کہ نماز آلہ حضور است و گروہی گویند کہ آلہ
غیب است گروہی کہ غائب بودہ اند حاضر شدہ اند و
گروہی کہ حاضر بودند اندر نماز غائب شدند چنانکہ اندر آن
جہان اندر محل رویت گروہی کہ خدا را ببینند غائب
باشند حاضر شوند و گروہی کہ حاضر باشند غائب شوند
و من گویم کہ علی ابن عثمان جلابی ام کہ نماز امر است نہ
آلہ حضور است و نہ آلہ غیب است از آنچہ امر ہیچ
چیز را آلہ نگردد کہ علت حضور عین حضور بود و علت غیبت
عین غیب است امر خداوند تعالیٰ را ہیچ چیز سبب و تعلق
نیست کہ اگر نماز علت حضور بودی بایستی کہ جز حاضر نکردی
و اگر علت غیبت بودی بایستی کہ غائب بترک آن حاضر
شدی و چون حاضر و غائب را بترک آن عذر نیست
پس نماز در نفس خود سلطانی است اندر غیبت و حضور نہ
بستہ است پس نماز اہل مجاہدت و اہل استقامت بیشتر
کنند و فرمایند چنانکہ مشائخ مریدان را اندر شبان روزے
چہار صد رکعت نماز فرمایند و عادت تن را بر عبادت
و مستقیمان نیز نماز بسیاری کنند و شکر قبول اند و حضرت
باید این چہار باب احوال و ایشان بر دو گونہ بودہ اند
و گروہی آنکہ نمازہای ایشان در ملک سر بجای مقام

سہل بن عبداللہ کہتے ہیں علامۃ الصدق ان یکون
باعنا من الحق اذا دخل وقت الصلوۃ یبعثه
علیها و یبعثه ان کان نائماً (ترجمہ) صادقوں
پر حق سبحانہ تعالیٰ فرشتہ مقرر کرتا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے
تو اس کے ادا کرنے میں وہ مدد کرے اور اگر سوتا ہو تو جگائے۔
کشف المحجوب کے مصنف کہتے ہیں کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ
نماز حضوری باری تعالیٰ کا آلہ ہے اور دوسرا گروہ
کہتا ہے کہ نماز غیب کا آلہ ہے۔ جو گروہ کہ غائب تھے
حاضر ہوئے ہیں اور جو گروہ کہ حاضر تھے وہ نماز کے اندر
غائب ہوئے جیسا کہ اس جہان میں رویت کے مقام میں
جو گروہ کہ خداوند تعالیٰ کو نہیں دیکھتے ہیں۔ اگر غائب ہیں
تو حاضر ہو جاتے ہیں اور جو گروہ کہ حاضر ہیں غائب ہو جاتے
ہیں۔ اور میں کہ میرا نام علی بن عثمان جلابی ہے کہ نماز امر ہے
نہ آلہ حضور ہے اور نہ آلہ غیب ہے۔ اس واسطے کہ حکم
کسی چیز کا آلہ نہیں ہوتا ہے کیونکہ حضوری کا سبب عین حضوری
ہے اور غیب کا باعث عین غیب ہے یعنی حقیقت ہے کہ
خداوند تعالیٰ کے حکم کے لئے کوئی چیز سبب اور تعلق نہیں
ہے کیونکہ نماز اگر حضوری کا سبب ہوتی تو چاہئے تھا کہ
گنہگار نہ ادا کرتا۔ اور اگر نماز آلہ غیب ہوتی تو چاہئے تھا
کہ غائب اس کے چھوڑنے سے حاضر ہوتا اور جبکہ حاضر
و غائب کو اس کے ترک کرنے کے لئے کوئی عذر نہیں ہے
پس نماز بذات خود ایک سلطان ہے جو کہ غیب اور
حضوری کی پابند نہیں پس نماز اہل مجاہدت و اہل
استقامت زیادہ ادا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں یعنی
مشائخ مریدوں کو زیادہ حکم دیتے ہیں کہ رات دن میں

جمع بودید آں مجتمع شوند و گروہی آنانکہ نماز ہای شان اندر انقطاع مسرت بجاے مقام تفرقہ بداں متفرق شوند و آنانکہ اندر نماز مجتمع باشند روز و شب اندر نماز باشند و آنانکہ متفرق باشند بجز فرائض و سنت نماز کمتر کنند۔

اے برادر درویش را باید کہ ہر وقت کہ وضو تازہ کند دوگانہ بگذارد۔ واگر بسبب خارجی دوگانہ گذاردن نتواند آیۃ الکرسی بخواند واگر آیۃ الکرسی ہم خواندن نتواند چہار مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم بگوید تا مقصود دوگانہ حاصل شود نقل است از امام اعظم کہ چہل سال نماز بامداد بوضوی نماز خفتن گذاردہ است و حسین منصور چہار صد رکعت نوافل در شب و روز برخود فرض کردہ بود۔ گفتند دریں درجہ کہ توئی ایں ہمہ رنج است۔ گفت ایں ہمہ رنج و راحت در حال تو نشان کند دوستان فانی الصفت باشند نہ رنج در ایشاں اثر کند و نہ راحت و جنیدؒ در پیری ہم ایچ وردی از اوراد جوانی فرو نگذاشت گفتند ایہا الشیخ پیر گشتی از بعضی ازیں نوافل دست بدار گفت ایں چیزہای است کہ در بدایت آنچہ یافتم بدیں یافتم محال باشد کہ در نہایت ازاں دست باز دارم۔ سبحان اللہ امام اعظمؒ و بایزید و جنید و منصور و شبلی چندیں صد سال گذشتہ اند کہ ازیں عالم نقل کردہ اند۔ چناں معلوم می شود کہ ہم دریں وقت ازیں عالم رحلت فرمودند ای برادر ایں ثمرہ حسن معاملہ کہ عبارت از حیات معنویست و چندیں ہزار علماء بودند ہیچ یکے ہم نداند کہ بودہ اند۔ نقل است کہ امام شافعیؒ در مدح

چار سو رکعت نماز پڑھا کرو اور عبادت ہی ان کے جسم کو مادی بناتے ہیں اور راہ راست پر آئے ہوئے ہوگ (مستقین) بھی بہت نماز ادا کرتے ہیں اور تقویت نماز کا شکریہ ادا کا ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس جگہ ارباب احوال دو گروہوں میں ہوگئے ہیں ایک گروہ وہ ہیں کہ ان کی نماز بعید کے ملک میں مقام جمع پر ہوتی ہے اور اس سے وہ مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ ان کی نماز خوشی سے کٹ جانے میں تفرقہ کی جگہ پر ہوتی ہے اس سے وہ متفرق ہو جاتے ہیں اور وہ گروہ کہ جو نماز میں مجتمع ہوتے ہیں رات دن نماز پڑھا کرتے ہیں اور جو گروہ کہ علیحدہ ہو جاتے ہیں بجز نماز فرض اور سنت کے اور نمازیں کم پڑھتے ہیں۔

اے برادر درویش کو چاہیے کہ جس وقت تازہ وضو کرے دوگانہ ادا کرے اور اگر کسی سبب سے دوگانہ نہ ادا کر سکے تو آیۃ الکرسی پڑھے اور اگر آیۃ الکرسی نہ پڑھ سکے تو چار مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے۔ تاکہ دوگانہ کا مقصد حاصل ہوئے۔ (حضرت) امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل ہے کہ چالیس سال تک صبح کی نماز رات کی نماز کے وضو سے ادا کی ہے۔ اور حسین منصور نے دن رات میں چار سو رکعت نفل اپنے اوپر فرض کرلی تھی لوگوں نے کہا کہ جس درجہ میں کہ آپ ہیں اس قدر نوافل تکلیف و دکھ ہیں منصور نے جواب دیا کہ یہ سب رنج و راحت تم پہ اثر کرتی ہے۔ دوست صفت کے فانی ہوتے ہیں ان پر نہ تکلیف اثر کرتی ہے نہ آرام۔ (حضرت) جنید علیہ الرحمۃ بڑھاپے میں بھی وہ وظائف پڑھتے تھے جو کہ جوانی میں پڑھتے تھے

امام اعظم گفته است ؎

حسبی من الخیرات ما اعددته یوم
القیمة فی رضی الرحمان × دین النبی
محمد خیر الوری × ثم اعتقادی مذهب
النعمان وایضا ؎ لقد زان البلاد
ومن علیها × امام المسلمین ابوحنیفة
بآیات واسناد وفقه × کآیات
الزبور علی الصحیفة × اما ما صادقاً
فی الاسلام نوراً + امینا للرسول
وللخلیفة × فما فی المشرقین له نظیر
ولا بالمغربین ولا یکوفه × فلعنته
ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفة

اگر کسی گوید که چون شافعی چنیں اعتقاد داشت چرا پیروی
امام اعظم نکرد بگو که امام شافعی مجتهدی بود و مجتهد
را روا نیست که تقلید و پیروی مجتهد دیگر بکند
عاقبت وخاتمت این برادر و جمیع مسلمانان بخیر باد
بحرمة النبی وآله الامجاد

.. ..

اس میں ذرا بھی کمی نہ کی ۔ لوگوں نے کہا کہ اے شیخ اب آپ بڈھے ہوگئے ہیں ان نفلوں میں بعضوں کو چھوڑ دیجئے فرمایا کہ یہ وہ چیزیں ہیں کہ ابتدا میں جو کچھ میں نے پایا انہیں کی بدولت پایا ۔ اب یہ محال ہے کہ آخر عمر میں ان کو چھوڑ دوں سبحان اللہ کہ امام اعظمؒ ۔ بایزید بسطامیؒ ۔ جنیدؒ ۔ و منصورؒ و شبلیؒ (قدس سرہم) کو اس جہاں سے انتقال کئے ہوئے کئی سو سال گذرے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا سے ابھی رحلت کی ہے ۔ اے بھائی اس حسن معاملہ کا بوریا کہ جس سے حیات معنوی مراد ہے اور کئی ہزار علماء تھے ۔ مگر ایک بھی نہیں جانتا ہے کہ ہوئے ہیں ۔ نقل ہے کہ امام شافعی نے امام اعظم کی تعریف میں کہا ہے ؎

اشعار (عربی)

حسبی من الخیرات ما اعددته
یوم القیمة فی رضاء الرحمن
دین النبی محمد خیر الوری
ثم اعتقادی مذهب النعمان
لقد زان البلاد ومن علیها
امام المسلمین ابوحنیفه
بآیات واسناد وفقه
کآیات الزبور علی الصحیفه

اما ما صادقا فی الاسلام نورا ؛ امینا للرسول وللخلیفه
فما فی المشرقین لـه نظیر ؛ ولا بالمغربین ولا بکوفه
فلعنته ربنا اعداد رمل ؛ علی من رد قول ابی حنیفه

اگر کوئی کہے کہ جب امام شافعی ایسا اعتقاد رکھتے تھے تو انہوں نے امام اعظم کی پیروی کیوں نہ کی تو جواب دے کہ امام شافعی ایک مجتہد تھے اور مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے مجتہد کی پیروی کرے ۔ نبی صلی اللہ

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ

(۷۵)

(از جناب مولانا مفتی ابوالقاسم محمد عتیق صاحب، بحرالعلوم فرنگی محل)

اور ایک حدیث قدسی میں مروی ہے، حضرت ابو ذر غفاری روایت کرتے ہیں کہ آنحضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان فرمایا کہ اے میرے بندو، پس یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں نے تمہارے لئے شمار کر رکھا ہے۔ پھر میں تمہیں ان اعمال کا (صلہ) پورا کر دوں گا پس جو شخص بھلائی پائے، تو اُسے اللہ کی حمد و ثنا کرنا چاہیئے اور جو شخص اس کے خلاف (برائی) پائے، تو وہ اپنے نفس کے سوا (کسی کو) ملامت نہ کرے) اس کو مسلم نے روایت کیا ہے[1]۔

ان سے واضح ہوتا ہے کہ:۔

(۱) اعمال کے نتائج خود اپنی ہی ذات پر مرتب ہوتے ہیں، رب العزت جل شانہٗ کا ان نتائج سے کوئی علاقہ نہیں

(۲) ان نتائج کا ظہور اسی روز جزا میں ہوگا، جس کو قیامت کہتے ہیں۔

(۳) یہ اعمال ہی اللہ کی خوشنودی و غضب کا سبب بنتے ہیں اور خوشنودی پر ثواب ملتا اور ناراضگی پر عذاب ہوتا ہے ایسا ہرگز نہیں کہ اللہ محض قہار و جبار ہے۔ ظالموں اور منکروں کے حق میں اسی طرح رحمان و غفار ہے۔ مومنوں اور پرہیزگاروں کے حق میں چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

نبئ عبادی أنی انا الغفور الرحیم وانّ عذابی ھو العذاب الالیم	آپ میرے بندوں کو خبردار کر دیں کہ میں ہی بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور یہ کہ میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے۔

سورۃ الحجر ۴۹ و ۵۰)

پس یہ امر ثابت ہو گیا کہ اعمال خیر انسان کے حق میں سبب حصول مغفرت و رحمت ہیں اور اعمال بد ہی وجہ عذاب و نقمت ہیں اور اعمال خیر کی ترغیب اور اعمال بد سے ترہیب اس لئے فرمائی گئی کہ ہلاکت و نقصان سے بچا جا سکے، پس جس نے اعمال خیر اختیار کئے اس کو رحمت و رضوان حاصل اور جس نے اعمال شر اختیار کئے اس پر غضب و عذاب نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی عدالت:۔ اس صفت سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مالک روز جزا ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ

[1] شرح عقیدہ طحاویہ

عادل ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس نے بار بار ارشاد فرمایا کہ ما انا بظلام للعبید اور وما ربک بظلام للعبید۔

عدل اور اس کے اضداد کی حقیقت

عدل کے معنی برابر ہونا، کم و بیش نہ ہونا۔ اسی وجہ سے معاملات و مخاصمات میں فیصلہ کر دینے کو عدالت کہتے ہیں کہ حاکم دونوں فریقین کی باہمی زیادتیاں رد کر دیتا ہے اور ترازو کی تول کو معادلت کہتے ہیں کہ وہ دونوں پلّوں کا وزن برابر کر دیتا ہے۔

اس کے برخلاف ظلم[1] ہے، جس کے معنی وضع الشئ فی غیر محلہ ہیں یعنی کسی چیز کا اپنی جگہ کے خلاف رکھنا، جس کی تفصیلی حقیقت اوپر کی جا چکی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا اپنی صحیح جگہ میں اور برمحل نہ ہونا ایسی حالت ہے، جو حقیقت عدل کے قطعاً منافی ہے۔

اسی طرح طغیان[2]ہے، جس کے معنی کسی چیز کا اپنی حد سے گذر جانا ہیں۔ اہل عرب طغی الماء اس وقت کہتے ہیں جب دریا کا پانی حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی معصیت ہے اور اس کی سزا بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے۔

فاما من طغیٰ واثر الحیوٰة الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ (نازعات ۳۷ - ۳۹)	جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بیشک دوزخ اس کا ٹھکانا ہے۔

یہی معنی عدوان[3] کے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا عدوان الا علی الظالمین

اور اعتدا[4] کے معنی بھی یہی ہیں۔ کیونکہ عدوان و اعتدا ایک ہی مادہ سے ماخوذ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (مائدہ ۸۷)	اور حد سے آگے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پس یہ تمام حقائق عدالت کے منافی ہیں، اسی طرح فساد کے معنی خروج الشئ عن الاعتدال ہیں۔ یعنی کسی شئے کا اعتدال سے نکل جانا اور ظاہر ہے کہ اعتدالی کیفیت سے باہر ہو جانا خلاف حقیقت عدالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ولا تفسدوا فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین	اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ، بیشک اللہ فساد انگیزوں کو پسند نہیں کرتا۔

ایسے ہی اسراف و تبذیر بھی عدالت کی ضد ہیں۔ کیونکہ اسراف کے معنی بلا ضرورت خرچ کرنا اور تبذیر کے معنی بے محل خرچ کرنا ہیں۔ اور عدل چاہتا ہے کہ چیز ضرورت کے مطابق برمحل خرچ کی جائے۔

اسراف و تبذیر کی حقیقت اور اس کی صورتیں اور حکم

جب اسراف کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جس موقع پر جس مقدار میں خرچ کرنا چاہیئے اس سے زیادہ مقدار میں خرچ کیا جائے اور تبذیر کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں اسے خرچ نہ کرنا چاہیئے، تو دونوں کے درمیان فرق صرف مقدار و محل کا ٹھہرا۔ مثلاً کھانے اور کپڑے میں صرف کرنا خرچ کا صحیح محل ہے۔ لیکن ضرورت سے زیادہ پکوا لینا اور سلوا دینا اسراف ہے اور ممنوعات میں خرچ کرنا تبذیر ہے۔

اسراف کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:-

وَّكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (اعراف - ۳۱)

کھاؤ، پیو اور بیجا خرچ مت کرو۔ بیشک اللہ بیجا خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

تشریح:- اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو کھانے اور پینے کی (حلال) چیزیں تم کو مرغوب ہوں انہیں کھاؤ اور پیو۔ اس ضمن میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو چاہے کھاؤ، پیو، جو چاہے پہنو۔ دو خصلتوں یعنی اسراف کرنے اور تکبر کی خلاف ورزی کرنا۔ اور لا تسرفوا کے معنی یہ ہیں کہ حلال کو حرام کرنے کے ساتھ تجاوز مت کرو۔ کیونکہ حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے مال کا ضائع و برباد کرنا متحقق ہوتا ہے اور یہی اسراف ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حرام کی طرف تجاوز مت کرو کہ کھانے پینے اور پہننے کی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ انہیں استعمال کرنے لگو۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ کھانے کی چیزوں میں زیادتی اور اس پر تکبر مت کرو کہ جن چیزوں کے استعمال کی بدن کو احتیاج لیے تو اس میں نہ ہو، انہیں استعمال کرتے رہو کہ یہ بھی اسراف کے قبیل سے ہے (جیسے وہ دوائیں وغیرہ طاقت کی جن کے استعمال کی ضرورت و احتیاج نہیں ہے۔ بلا ضرورت ان کا استعمال کرتے رہنا) اور بعض کہتے ہیں کہ اسراف یہ ہے کہ آدمی ہر وہ چیز کھاتا ہے جس کی اس کو خواہش ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اپنی پوری ہمت کے ساتھ کھانے پینے کی فکر میں مصروف رہتا ہے، وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خسیس ہے ؎

خواجہ را بیں کہ از سحر تا شام | دارد اندیشۂ شراب و طعام
شکم از خوش دلی و خوش حالی | گاہ پر میکند گہے خالی
فارغ از خلد و ایمن از دوزخ | جائے او فربلست و یا مطبخ

شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں کہ اگر ساری دنیا کا ایک لقمہ بنا کر کسی درویش کے منہ میں رکھ دے تو اسراف نہیں۔ اسراف یہ ہے کہ خلاف رضائے حق تعالیٰ صرف کیا جائے۔

بعض لوگوں نے اپنا مال امر خیر میں خرچ کیا اور بکثرت خرچ کیا، تو ان سے کہا گیا کہ بیجا خرچ کرنے میں کوئی خیر نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ کار خیر میں اسراف نہیں ہے ؎

یک جواں را کہ خیر دائم داشت | پند میداد راہبے در دیر
کاے پسر خیر نیست در اسراف | گفت اسراف نیست اندر خیر

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسراف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک افراط (زیادتی کرنا) دوسرے تفریط (کمی کرنا) افراط کا معنی ہے کہ ضرورت و حاجت سے بڑھ کر ہو یا خلاف شریعت ہو، یا طبیعت و خواہش کی موافقت پر ہو، یا برخلاف ... ہو، یا تکبر کی راہ سے ہو، وغیرہ اور تفریط کی صورت یہ ہے کہ حاجت ضروریہ سے کمی کی جائے یا ادائے حقوق عبودیت کی طاقت کے تحفظ میں کمی کی جائے، یا ادائے حق ربوبیت میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ اپنے نفس کو ہلاک کر دے اور اس کا حق ضائع کر دے یا حظوظ نفس و خواہشات نفسانی کے ذریعہ حقوق ربوبیت یا حقوق قلب و روح و سر ضائع کر دے۔ پس لا تسرفوا کے ...

کہ تم دوسروں کے حقوق ضائع کرو اور نہ اپنے حقوق اپنی خواہشات کے لئے برباد کرو۔[1]

پس ان تفاسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہر وہ نفقہ جس سے مال کی ہلاکت اور ضائع کرنا پایا جائے اور ہر وہ خرچ جو واقعی ضرورت سے زیادہ ہو یا جس سے اپنے نفس و قلب و روح کے حقوق برباد ہوتے ہوں یا جس سے اپنے رب کے حقوق ضائع ہوتے ہوں، یا جس سے ان عزیزوں کے حقوق تلف ہوتے ہوں، جن کے حقوق کی ادائیگی دو محافظ شریعت مطہرہ نے واجب کیا ہے۔ ایسے تمام مصارف داخل اسراف ہیں اور اس طرح خرچ کرنے والوں کے لئے وعید شدید آئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم حضرت سعد کے پاس گزرے، جو وضو کر رہے تھے، تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ یہ کیا فضول خرچی ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں اگرچہ بہتی ہوئی نہر پر تم ہو

فقہا فرماتے ہیں کہ مختلف اقسام کے کھانے دسترخوان پر جمع کرنا اسراف ہے، مگر حاجت کے وقت اس ضرورت سے کہ ایک ہی قسم کے کھانے میں رغبت کم ہوتی ہے، تو وہ مختلف اقسام کے کھانے اس لئے جمع کر لے۔ تاکہ ہر قسم سے کچھ کھا کر اتنی مقدار پوری کرے جس سے طاعت و عبادت میں قوت حاصل ہو یا اس کا مقصد مہمانوں کی ضیافت ہے، جو یکے بعد دیگرے جماعت کی جماعت کھانے کے لئے آتے ہوں۔ تاکہ ان کے آخر تک وہ کھانا کفایت کر سکے۔ اسی طرح دسترخوان پر اتنا کھانا اور روٹیاں جمع کر دینا، جو ضرورت سے زیادہ ہو اسراف ہے۔ مگر آنے والے مہمانوں کی ضیافت کے لحاظ سے کہ آخر تک سب کو کفایت کر سکے جمع کرنا اسراف نہیں ہے اسی طرح روٹی کے بیچ کا حصہ کھانا اور کناروں کو ڈال دینا بچا ہوا حصہ کھا لینا اور بقیہ چھوڑ دینا اسراف ہے کیونکہ اسکو حقیر پایا جاتا ہے۔ ہاں اس صورت میں اسراف نہ ہوگا کہ اس بقیہ حصہ کو استعمال کرنے والا موجود ہو۔

(۵) [illegible]

یہ چند مثالیں ہیں اسراف کی، اسی طرح ضرورت سے بہت زائد لباس تیار کرنا اور حاجت سے زیادہ سامان عیش و نشاط جمع کرنا بھی اسراف ہے۔ لیکن اس نیت سے کہ دوسرے لوگ بھی اس سامان سے فائدہ راحت حاصل کر سکیں اسراف نہ ہوگا۔

تبذیر کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (بنی اسرائیل ۲۶، ۲۷)	اور ناحق خرچ مت کرو کہ ناحق خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ بیجا خرچ کر کے مال جدا کرنا، یعنی جن کاموں میں خرچ کرنا مناسب و لائق نہیں اس میں خرچ کرنا تبذیر ہے اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنا مال فخر اور دکھاوے کے لئے خرچ کیا کرتے تھے اور اشعار میں اس کا ذکر کیا جاتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایسے کاموں میں خرچ کیا کرو، جو اللہ سے نزدیک کر دیں اور بارگاہ احدیت میں پسندیدہ ہوں اور کہا جاتا ہے کہ جو ادھوس پر مال خرچ میں ہاتھ کشادہ کر دینا تبذیر ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تبذیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ناحق میں مال خرچ کرنا تبذیر ہے اور حقوق مالی میں اللہ کے حکم کی پیروی جود و سخاوت ہے اور حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ اگر کوئی انسان امر حق میں اپنا پورا مال خرچ کرے تو تبذیر نہیں ہے اور اگر باطل میں ایک مُد کے بقدر بھی خرچ کرے تو وہ تبذیر ہے۔[2] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دکھاوے اور نام و نمود

[1] روح البیان [2] سراج المنیر

وتفاخر کے لئے اور ممنوعات شرعیہ میں مال خرچ کرنا تبذیر ہے اور یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ ہر وہ امر جو منافی عدل ہو مذموم و معصیت ہے۔

کائنات میں عدل کی اہمیت

اور ہر خوبی کا سرچشمہ عدالت و عدل ہے، جو کائنات کی ہر چیز میں پایا جاتا ہے اور یہ عدالت ہی ہے، جو اشیاء کی کمیت و کیفیت میں تناسب و موزونیت پیدا کر دیتی ہے اور حسن و خوبی کے تمام مظاہر اسی عدالت کا کرشمہ ہیں۔ دیکھو اگر عناصر کی ترتیب میں اعتدال نہ ہوتا، تو تمہارا وجود ہی برقرار نہیں رہ سکتا، اگر کروں کے جذب و انجذاب سے اعتدال کیفیت نہ پائی جاتی، تو نظام شمسی درہم و برہم ہو جاتا، اگر مزاج اعتدال پر نہ رہے، تو قوائے عملی کا نظام درہم برہم، اخلاط کا اعتدال برقرار نہ رہے، تو صحت و تندرستی مفقود، اعضاء کا تناسب اور قامت کا اعتدال نہ پایا جائے، تو حسن و جمال رخصت۔ اسی طرح جبل کا نغمہ اور سرود کی لذت مفقود ہو جائے اگر سروں میں تناسب و اعتدال نہ ہو۔ پھول محض اس وجہ سے خوشنما ہے کہ اس میں اعتدالی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ پھر جب کائنات کی ہر چیز میں اپنی خوبی و جمال میں اعتدال کی محتاج ہے، تو یقیناً اعمال میں بھی اعتدال کی احتیاج ضروری ٹھہری اور علمی قوتوں میں عدل لازم قرار پایا، قوائے شہوانیہ و غضبیہ کا اعتدال ہی خوش اخلاقی کا سبب اور انسانیت کے ظہور اتم کا باعث ہے، انہی قوتوں کے اعتدال سے اعمال صالحہ کا صدور ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسی عدل و اعتدال کا نام عمل صالح ہے۔ جس سے حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:-

من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینه حیوۃ طیبة ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (نحل، ۹۷)	اور جو مرد و عورت نیک عمل کرتا ہے اس حالت میں کہ وہ مومن ہے، تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی سے زندہ رکھیں گے اور ان کا عمل سے بہتر صلہ دیں گے، جو وہ کرتے رہے تھے۔

تشریح:- اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی ہنسی خوشی پاکیزہ طور پر گذارے گا۔ کیونکہ اگر مالدار و دولتمند ہے۔ تو ظاہر ہی ہے کہ اُس کی زندگی خوشگوار ہوگی اور اگر مفلس و نادار ہے تو وہ قناعت اور تقدیر و قسمت الٰہی پر اور آخرت میں اس کے اجر عظیم کی توقع پر راضی رہے گا، جیسے ایک روزہ دار کا دن رات کی نعمتوں کا لحاظ کرتے ہوئے خوشگوار رہتا ہے۔ برخلاف بدکار و فاجر کہ اگر وہ مالدار ہے، تو فسق و فجور کے باعث اس کی زندگی تلخ رہتی ہے اور اگر نادار ہے تو اس کو حرص اور سامان عیش و نشاط کے فوت ہو جانے کا خوف اس کی زندگی کو تلخ کر دیتا ہے۔ پھر دوسرا انعام و صلہ ان نیک کاروں کو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا، جو ان کے نیک اعمال سے کہیں بہتر ہوگا۔ اس سلسلہ میں یہ حکایت ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عز وجل کے بعض اصحاب نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ عجیب نازو انداز سے چل رہے ہیں انہوں نے پوچھا کہ اے برادر محترم آپ کی چال کا یہ انداز کیا ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دار السلام میں خدام کی چال ہے انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ فرمایا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس نے مجھ کو بخش دیا اور سونے کی دو نعلین مجھ کو پہنا دیں اور فرمایا کہ تیرے اس قول کی جزاء ہے کہ اللہ کا نازل فرمایا ہوا کلام غیر مخلوق ہے۔ پھر فرمایا کہ جہاں چاہے وہاں کھڑا ہو۔ پس میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے سفیان ثوری کو دیکھا کہ ان کے دو سبز پنکھے لگے ہوئے ہیں، جن سے وہ

الحستے ہیں اور اس شاخ سے اس شاخ پر جا پہنچتے ہیں اور یہ آیت الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ و اورثنا الارض نتبؤ من الجنۃ حیث نشآء فنعم اجر العاملین (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور سرزمین جنت کا ہم کو وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں ہم چاہیں ٹھکانا بنالیں۔ پس عمل کرنے والوں کا صلہ کتنا اچھا ہے) پھر انہوں نے پوچھا کہ عبد الواحد وراق کا کیا حال ہے، تو انہوں نے کہا کہ میں نے انہیں ملک غفور کے نور کے سمندر میں پائے ہوئے چھوڑا، پھر انہوں نے پوچھا کہ بشر بن حارث کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، تو انہوں نے کہا واہ واہ میں نے انہیں خداوند جلیل کے سامنے کہ وہ بشر پر توجہ فرما تھا اور ارشاد ہو رہا تھا کہ اے کچھ نہ کھانے والے تو کھا اور اے نہ پینے والے تو پی اور اے عیش و تنعم نہ پانے والے تو عیش و تنعم پا۔ نیز بعض اخیار کا بیان ہے کہ میں نے شیخ ابو اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف شیرازی کو خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت سفید لباس میں ملبوس ہیں اور ان کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ سفیدی کیسی ہے انہوں نے کہا کہ یہ شرف طاعت ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ تاج کیسا ہے، تو انہوں نے کہا عزت علم۔ ان حکایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر عمل صالح کرنے والے کو اس کے عمل کی جزا پہنچنا ضروری ہے، جو جنس عمل ہی سے ہوتی ہے۔ البتہ عامل کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حسن اعمال صالحہ پر حیات طیبہ کا دار و مدار ہے۔ ان کے لئے ایمان شرط ہے۔ کیونکہ استحقاق ثواب میں کافروں کے اعمال کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس وجہ سے کہ ایمان ہی اساس ہے اعمال صالحہ کی۔ اس لئے کہ جبتک توحید و رسالت اور معاد پر ایمان وایقان نہ ہو کوئی عمل قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا اور یہی دین ہے، جو سرتاسر عدل ہے۔

یہ عدل ہی تو ہے جس کو قرآن عظیم نے میزان کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:-

ووضع المیزان الا تطغوا فی المیزان — اور اس نے ترازو بنایا تاکہ تم تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو

تشریح :- یہ میزان کیا ہے۔ یہ وہ عدل ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں جہاں کی تدبیر فرمائی۔ یہ موازنہ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی معادلہ (باہم برابر کرنا) ہیں۔ اس لئے مقرر کرنے کی مصلحت ہمارے امور کا انتظام ہے، جیسا کہ آنحضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا بالعدل قامت السموٰت والارض عدل ہی کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں،

فقیر خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس ارشاد نبوی میں عدل سے مراد وہ قانون عدالت الٰہی ہے، جو زمین و آسمان تھامے ہوئے ہے اور اسی قانون کی بنا پر تمام اجرام سماویہ و اجسام ارضیہ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کے توازن کا پلہ کسی طرف جھک پڑے اور آسمانوں کی بغیر ستون والی چھت گر سکے، یہ تعادل و توازن کا قانون الٰہی ہے، جو مضبوطی کے ساتھ روکے ہوئے ہے۔ پھر جب وہ اس قانون کو اٹھالے گا، تو نہ آسمان قائم رہیں گے، نہ زمین، اور یہی دن قیامت کا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ قانون عدالت ہو جو اس نے اپنے بندوں میں جاری فرمایا، جس کے بدولت امن و سکون میسر آیا۔ جب تک انسان قانون عدل و انصاف پر عمل پیرا رہے گا، آسمان و زمین برقرار رہیں گے اور جب یہ قانون انسانوں کے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور ظلم و طغیان کا کامل دور دورہ ہو جائے گا، تو عذاب الٰہی ان سب کو فنا کر دے گا نہ یہ آسمان نظر آئے گا اور نہ زمین اور یہ معنی مراد لیے

کی صورت میں وہ قانون عدالت قرآن ہے جس کی تعلیم و تکمیل کی ہوئی ہے جس اور ان ہے۔

ادبیات

غزل

(از جناب حکیم سید محمد یوسف صاحب پھلواروی)

ہوائے فصلِ گل ہر سمت نکہت بیز ہے ساقی
ہمارے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہے ساقی

زمانہ تیرے لطف عام کا ہر سو ثنا خواں ہے
تو کیا ہم بادہ خواروں سے فقط پرہیز ہے ساقی

پھنسی ہے ناؤ گرداب بلا میں ناخدائی کر
تلاطم ہے غضب کا، موج طوفاں خیز ہے ساقی

یہ کن ہاتھوں میں سونپا ہے نظام میکدہ تو نے
کوئی قیصر، کوئی کسریٰ، کوئی پرویز ہے ساقی

چمن میں آشیاں بندی کو اب طائر ترستے ہیں
کہ ہر شاخِ گلِ تر خود بلا انگیز ہے ساقی

دو قطرے بھی جو مل جائیں تو ہوشیار اک عالم
پرانی تیرے شیشے کی بہت ہی تیز ہے ساقی

کوئی رنگت پہ مرتا ہے کوئی نکہت کا دلدادہ
جمال لالہ و گل کیا جنوں انگیز ہے ساقی

یہ کیسی شمعیں روشن ہیں جو آنکھوں ہی کو لے ڈوبیں
بلا کی روشنی محفل میں تیری تیز ہے ساقی

گل و لالہ کی رنگینی، مہ و اختر کی تابانی
ہماری طبع جولاں کے لئے مہمیز ہے ساقی

یہ رندوں میں کوئی اچھا مقام اپنا بنا لیتا
طبیعت ہی مگر یوسف کی کم آمیز ہے ساقی

غزل

(از جناب کلیم عاجز، پٹنہ)

بلا سے ہم تری محفل سے اشکبار چلے
تو خوش تو ہے کہ ترے دل کا بوجھ اُتار چلے

وفا پرست - مبارک ہو - سوئے دار چلے
ستم کا جس طرح چلتا تھا کاروبار چلے

جہاں تک اب ترا جادو لے زلفِ یار چلے
تجھے سنوارنے والے تجھے سنوار چلے

یہ بے کسی! کہ مری داستانِ غم سُن کر
انہیں کی مدح سرائی کو غمگسار چلے

کہاں تک اب مئے و مینا کے انتظار بیٹھیں
یہ کہدو پیرِ مغاں سے کہ بادہ خوار چلے

دعا گزارِ چمن کچھ قفس نصیب بھی ہیں
ذرا ادھر سے بھی ہوتی ہوئی بہار چلے

چمن میں لائے تھے دامانِ آرزو عاجزؔ
چمن سے لے کے گریبان تار تار چلے

غزل

(از جناب کلیمی، پورنوی)

جاہ و حشم نہ دولت و ثروت لئے ہوئے
نازاں ہوں شوقِ دید کی نعمت لئے ہوئے

آئی تھی روح تن میں محبت لئے ہوئے
نکلے گی بھی تو وصل کی چاہت لئے ہوئے

عارض جمیل، زلفِ سیہ، چشمِ پُرخمار
ہوں اس سماں میں دیدۂ حیرت لئے ہوئے

اُس چشمِ مست کا ہے تصور شبِ الم
جامِ خیال ہے مئے عشرت لئے ہوئے

چہرہ اداس، آنکھ میں آنسو، جگر فگار
پھرتا ہوں درد، دُکھ کی علامت لئے ہوئے

تابانیٔ سرشکِ شبِ ہجر واہ واہ
آنسو ہیں لمعۂ مہِ الفت لئے ہوئے

چشمِ کرم اُٹھائیے، ورنہ ستم زدہ
کب تک جئے گا جَور کی کلفت لئے ہوئے

فتنہ کہیں بپا ہے، کہیں حشر رونما
ہر چال آپ کی ہے قیامت لئے ہوئے

ہے مشعلِ علوم کلیمیؔ کا راہبر
یہ راہ رَو ہے شمعِ ہدایت لئے ہوئے

نعتِ پاک

(از جناب شبنم کمالی مظفر پوری)

پیام دل مریضِ ہجر کا ان سے صبا کہنا
گذرتی ہے جو مجھ پر رات دن صبح و مسا کہنا

شہِ کونین کے روضہ پہ ہو تیرا گذر جس دم
بہ اندازِ محبت میرے دل کا مدعا کہنا

بلائیں کیوں نہ لوں گا رات دن میں تیرے قدمونکی
مری قسمت سے جس دن ہو گیا پورا مرا کہنا

غلامِ شاہِ دیں ہوں ناز ہے اُن کی غلامی پر
جہاں والو مجھے ہرگز نہ تم دل سے بُرا کہنا

مرے سرکار تیرا نام وجہِ زندگانی ہے
وظیفہ ہے مرا شاہِ زمن تیری ثنا کہنا

عروج و ارتقا پہ آپ کے معراج شاہد ہے
وہاں پہنچے جہاں پہنچا نہ کوئی اُن کا کیا کہنا

عنایت آپ کی مجھ پر نہ ہو پیارے نبی جب تک
سُنے گا حق تعالیٰ میرے مُنہ سے کب مرا کہنا

مدینہ کے گل و گلزار کی شاخوں سے مل مل کر
پھلیں پھولیں ابد تک اے صبا میری دعا کہنا

کبھی تو شاہِ دیں مجھ پر کرم فرمائیں گے شبنم
بلائیں گے مدینہ وہ سنیں گے جب ترا کہنا

واقعات و حوادث

نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم
راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے

کچھ اپنی ——— کچھ دوسروں کی

ایک فوجی کا سیاسی تدبّر

پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل ایوب خاں اس طرف کچھ عرصہ تک عوام سے بالکل علحدہ رہے دنیا کے اخبارات میں ان کے متعلق طرح طرح کی افواہیں آتی رہیں۔ ان کی علالت کو مختلف رنگ دیا گیا اور یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ واقعی وہ پیچیدہ مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی حال میں روسی وزیر اعظم کی پاکستان میں آمد کے موقع پر وہ عوام کے سامنے آئے تو اہل پاکستان کو دیکھ کر اطمینان ہوا کہ وہ پوری طرح چاق چوبند ہیں۔

ایک سپاہی ہوتے ہوئے بھی ان میں جتنی سیاسی سوجھ بوجھ ہے اس کی مثال کم ہی ملے گی۔ عوام کے سامنے آنے کے لئے انہوں نے ایک ایسے وقت کا انتخاب کیا جس سے ان کی سیاسی وقعت میں بہت اضافہ ہوا۔ اور ان کی علالت کا سن کر جو سیاست کے اکھاڑے میں جان آ گئی تھی وہ ان کی اس کامیابی سے سرد پڑ گئی۔ پہلی بار روس کی سب سے بڑی شخصیت کو پاکستان بلا لینا ہی ان کا کم کمال نہ تھا چہ جائیکہ اقتصادی اور ٹیکنیکل میدان میں بہت بڑی امداد بھی حاصل کر لی۔ اگر وہ روسی وزیر اعظم کو ہندوستان کو فوجی امداد بند کر دینے پر آمادہ نہ کر سکے۔ تو اپنے لئے اتنی بڑی اقتصادی امداد حاصل کرنے میں ضرور کامیابی پالی جس کے ذریعہ ہر طرح کا فوجی سامان وہ کسی بھی ملک سے خرید سکتے ہیں۔

ان کی ڈپلومیسی کی ایک اعلیٰ امثال اس وقت بھی دیکھنے میں آتی ہے جب روس سے پینگ بڑھانے پر بھی امریکہ اور چین کی خفگی کا سامنا انہیں نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ ان تین عظیم ممالک میں جو آپس میں بدترین دشمن دکھلائی دیتے، اس بات کی ریس جاری ہے کہ کون پاکستان کی زیادہ سے زیادہ امداد کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے دور اقتدار میں اتنے دوست پیدا

کئے ہیں کہ تلاش کرنے پر بھی کوئی ان کا دشمن نہیں ملتا۔ اقوام متحدہ میں اسرائیل عرب جنگ کے مسئلہ پر پاکستان کی کامیابی ان کے طاقتور خارجہ پالیسی کی ایک دلیل ہے۔ اس طرح سیاست کے میدان میں ایک فوجی نے وہ جوہر دکھلائے ہیں ـــــ کہ لوگ حیران ہیں۔

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جہاں سیاست کا اکھاڑا بہت وسیع ہے لیکن اس وسیع ترین اکھاڑہ میں بھی کوئی اتنا بڑا اکھاڑیہ نظر نہیں آتا ہے۔ یہ بہت افسوس کی بات ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہ العالی کے مشاغل واسفار :-

۲۴، ۲۵ رذی الحجہ مدرسہ فیض الغربا آرہ کے جلسہ دستاربندی کی شرکت اور اس کی صدارت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری نے فرمائی جس میں ملک کے نفقدر علماء کرام بھی شریک تھے۔

۱۳، ۱۴ رمحرم الحرام کو مدرسہ اسلامیہ امانیہ لوآم دربھنگہ کے جلسہ سیرت النبی کی شرکت اور اس کی صدارت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری نے فرمائی۔

۱۰، ۱۸، ۱۱ مدرسہ بدرالعلوم حیدرنگر ضلع پلاموں کے جلسہ دستاربندی کی شرکت اور اس کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری نے فرمائی جس میں مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی نے خاص طور پر شرکت فرمائی اور معزز نوجوان مولانا محمد فائق صاحب متعلم دارالعلوم مجیبیہ نے بھی شرکت کی اور تقریر کی۔

۲۱ رمحرم الحرام سے جنوبی ہند اور مدراس کے سفر پر تشریف لے گئے ہیں۔ توقع ہے کہ مختلف مقامات کے اسفار سے فارغ ہو کر ۷ رصفر تک پھلواری شریف واپس آجائیں گے۔

حضرت اقدس بدرالکاملین قدس اللہ سرہ کا سالانہ عرس وفاتحہ :-

۱۵، ۱۶ رصفر مطابق ۱۴، ۱۵ رمئی روز منگل، بدھ کو حضرت اقدس سیدنا الامام مولانا شاہ محمد بدرالدین نور اللہ مرقدہ قدس سرہ کے سالانہ فاتحہ وایصال ثواب کی تقریب آستانہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہوگی۔

ماہ صفر ۱۳۸۸ھ ـــ چاند کی اطلاع :-

۲۹ رمحرم الحرام اتوار کو چاند نہیں دیکھا گیا اور باہر کہیں سے چاند کی اطلاع بھی نہیں آئی ہے۔ اس لئے ۳۰ کے حساب سے یکم صفر مطابق ۳۰ اپریل روز منگل ہوئی اور ۱۱ رصفر مطابق ۱۰ رمئی روز جمعہ ہوگی۔ (ادارہ)

بقیہ اردو شاعری

اسم گرامی کو اللہ تعالیٰ نے بہت احترام سے پیش کیا ہے اور بجائے نام سے مخاطب کرنے کے ان کی جگہ اسماء صفات سے مخاطب فرمایا ہے۔ مگر اردو شاعری میں ایسے ضمائر جن سے خاطر خواہ تعظیم نہیں ہو پاتی بے دریغ استعمال کئے جاتے ہیں جیسے تو اور تم۔

دار الاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

موسوم بہ

اعیان وطن

پھلواری شریف کے دو سو چوالیس علماء، صوفیاء، محدثین، عہدیداران حکومت، قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندگان کی سوانح حیات و آثارات و تبرکات و اسناد سلاسل و احادیث اور مقابر و مساجد و خانقاہوں کی جامع تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت صر

نعمت کبریٰ

انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفات حیات جسمانی کے ثبوت میں ایک محققانہ تصنیف۔ قیمت :- عمر

عطر الوردین

شیوخ سلسلہ مجیبیہ کی دو ذات گرامی کا مجموعۂ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت :- ۱۲ر

محی الملۃ والدین

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مولانا الحاج شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہٗ، سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ کی مکمل سوانح حیات جس میں اُن کے علمی و عملی کارنامے بتفصیل درج ہیں اور اکابر پھلواری کے حالات ضمناً مرقوم ہیں۔ اس کے نسخے سب ختم ہو گئے۔ دوبارہ طباعت کی توقع ہے۔

MAY 1968] [Regd. No. P. 1874

Phone No : 23289

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIFF (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سیّد لطف احمد قادری دفتر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

هو الفرد المجیب ولی النعمۃ

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دینی وعلمی

ماہنامہ

المجیب

مدیر مسئول سید احمد حسین بی اے سہسرامی

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف۔ پٹنہ

فی پرچہ
٦٢ پیسے

سالانہ
چھ روپے

نظام نامہ قواعد

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجلس دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ کا نظام عمل

(۱) بالعموم صوبہ بہار اور بالخصوص پھلواری شریف کے فضلا، صوفیا، شعرا اور اہل قلم حضرات کی تصنیفات اور علمی نوادر کی طبع و اشاعت اور اکابر پھلواری شریف کے سوانح حیات کی ترتیب و اشاعت۔ اہل ذوق اور ارباب ہمت حضرات کی اس میں شرکت اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے

قواعد

لائف ممبر قسم اول :- جو صاحب نقد ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں گے۔ ایسے علم دوست حضرات کو دار الاشاعت کی جملہ مطبوعات بلا قیمت پیش کی جائیں گی اور ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوگا۔

لائف ممبر قسم دوم :- جو صاحب پچاس روپیہ عطا فرمائیں گے ان حضرات کو اعیان وطن مفت اور بقیہ مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

لائف ممبر قسم سوم :- جو صاحب پچیس ۲۵ روپیہ عطا فرمائیں گے۔ انکی خدمت میں اعیان وطن نصف قیمت پر اور پانچ سال تک جو کتابیں شائع ہوں گی وہ بھی نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

(۲)

مقام اشاعت :- دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

ضروری اعلان

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی جائے، منی آرڈر کوپن پر اس کی صراحت ہونی چاہیئے کہ مرسلہ رقم کس مد کی ہے۔ جن رقوم میں مد کی صراحت نہیں ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے خط لکھنے پڑتے ہیں اور ظاہر ہے ایسی صورت میں کام کرنے والوں کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں اور تعمیل حکم میں تاخیر الگ ہوتی ہے۔ بار بار اعلان کے باوجود لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ لازم ہے کہ منی آرڈر کوپن پر صاف طور پر لکھیں اور کام کرنے والوں کو مشکلات سے بچائیں۔

محمد عبد الدیان قادری مجیبی ۔ مہتمم دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

فون نمبر ۲۳۲۸۹ — ھو الفرد المجیب ولی النعمۃ — رجسٹرڈ نمبر پی ۱۰۷۲

قیمت سالانہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۲ پیسے

ماہنامہ
المجیب
پھلواری شریف (پٹنہ)

پاکستان و غیر ممالک سے ۸ روپے

جلد ۹ — ماہ شعبان ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۸ء — شمارہ ۱۲

• مدیر مسئول:- سید احمد حسین سہسرامی

• مدیران:- سید یوسف رضوی، ظفر حسنین، اسماعیل حسنین نقوی

• پرنٹر پبلشر:- سید لطف احمد قادری

• مطبع:- نیشنل لیتھو پریس، ہرمندر روڈ، پٹنہ ۶

• مقام اشاعت:- دائرۃ الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

لمعات

آزادی کے بعد —— ملک کو جن ترقی کی راہوں پر چلنا ہوتا ہے، ان میں ایک اہم چیز اس کی خارجہ پالیسی ہے۔ خارجہ پالیسی جتنی بہتر ہوتی ہے، ملک کے لئے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور دوسرے ممالک سے تعلقات بہتر قائم ہوتے ہیں۔

شروع میں —— جس میں زیادہ اثر پنڈت نہرو کی شخصیت کا تھا، یہاں کی خارجہ پالیسی بہت حد تک نمایاں کام کرتی رہی۔ دوسرے ممالک سے تعاون بڑھتا رہا اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا —— مگر اب نظر اٹھا کر دیکھئے، تو ملک کے دوستوں کی تعداد بڑھنے کے بجائے گھٹتی جارہی ہے۔

کیا یہ اچانک ہوگیا ہے - یہ سوال بار بار ذہن میں گونجتا ہے۔ لیکن بیس سال کے اس طویل دورے پر نظر ڈالنے سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ ملک کی خارجہ پالیسی اب مثبت بنیاد پر نہیں رہی، بلکہ اس کے عوض منفی رجحان ہمارے رہنماؤں کے ذہن میں پرورش پا رہا ہے اور اسی رجحان نے اس پالیسی کی بنیاد رکھی ہے۔ اس رجحان کو ہم سرسری طور سے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا حصہ اس رجحان کا یہ ہے کہ ہم کمزور ہیں - اتنے کمزور کہ جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے - اس لئے بہتر یہ ہے کہ دنیا کو جنگ سے پرہیز کرنے کی تلقین کی جائے اور اسی طرح بیچ بچاؤ کرکے اس ملک کو کسی بھی خطرہ سے دور رکھا جائے۔ تصور اچھا ہے لیکن آج کی دنیا میں ناقابل عمل ثابت ہوا۔ پھر بھی کچھ دنوں اس تصور کی وجہ سے یہ ملک ساری دنیا کے توجہ کا مرکز رہا۔ اس کا خاص وجہ پنڈت نہرو کی عظیم شخصیت، ان کا خلوص اور ان کا وقار تھا۔

دوسرا حصہ اس رجحان کا پاکستان کو زک دینے کا ہے۔ چونکہ پاکستان کی بنیاد ہی ایسے ماحول میں پڑی تھی —— کہ حقیقت بیانی سے کام لے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کبھی ایک کی نیت دوسرے کی طرف سے صاف نہیں رہی۔ اس لئے یہاں کی خارجہ پالیسی اس سمت سے ٹھیک مخالف سمت چلائی گئی، جدھر پاکستانی پالیسی کا گزر ہوتا ہے۔

لیکن نتیجہ کے طور پر اس میدان میں ہمارے رہنما مات کھا گئے —— کچھ دن ضرور پاکستان کو روس چین اور عرب ممالک سے ہم نے الگ رکھا، افریقہ میں بھی اس کی نہیں چلنے پائی۔ لیکن یہ صورت حال آہستہ آہستہ بالکل بد(ل)

گئی ۔ اب یہ حال ہے کہ حدِ نگاہ تک ہمارا کوئی دوست نہیں ۔ اور روزانہ ایک دوست کی جدائی پر صفِ ماتم بچھتی ہے کبھی چین کو برا بھلا کہنا پڑتا ہے ۔ کبھی روس کو صلواتیں سنانی پڑتی ہیں ۔

دراصل بنیاد ہی اس پالیسی کی غلط ہے ۔ یہی اصول بنا لیا گیا کہ جس نے بھی پاکستان اور چین کی طرف دوستی کی نظر سے دیکھا ، وہ ہمارا دشمن ہو گیا ۔ اس طرح دشمنوں کی تعداد بڑھتی رہی اور دوست ختم ہوتے رہے ۔ یہ بات سمجھنا بہت مشکل ہے کہ آخر یہاں کے لوگوں نے کن بنیادوں پر یہ سمجھ لیا تھا کہ روس اور دوسرے بڑے ممالک ہمارے اشارے پر ناچیں گے ۔ ظاہر ہے کہ روس ہو یا امریکہ سب ہی دوکان لگائے بیٹھے ہیں ۔ جہاں پیسے دوستی اور مفاہمت کا سودا ہوتا ہے ۔ جو بھی بدلے میں یہ چیزیں دے گا وہ اس دکان سے استفادہ کر سکتا ہے ۔ چاہے وہ پاکستان ہو ، نیپال ہو ، یا کوئی اور ملک لیکن ہماری خوش فہمی یہ ہے کہ یہ ممالک وہی کریں گے ، جو ہم چاہیں گے ۔

خارجہ پالیسی کی اس کشمکش اور ناکامی میں برسرِ اقتدار طبقہ سے زیادہ مخالف جماعتوں کا ہاتھ ہے ۔ جمہوریت کا سہارا لے کر مخالف پارٹیاں حکومت کے ہر اچھے ، بُرے فیصلہ پر وہ ہنگامہ کرتی ہیں کہ حکومت کا فیصلہ بھی لرز جاتا ہے ۔ بھانت بھانت کی پارٹیاں ہیں اور ایک سے ایک خیالات ہیں ۔ اس لئے حکومت بھی پریشان رہتی ہے کہ کیا فیصلہ کرے اور کیا نہیں ۔ نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے ممالک بھی سمجھ گئے ہیں کہ یہاں کی حکومت کوئی فیصلہ کرنے میں آزاد نہیں ہے ۔

ان تمام صورتِ حال سے یہ نتیجہ پیدا ہوا ہے کہ ملک کی بڑی بڑی شخصیتوں کو ہزاروں ، لاکھوں روپے خرچ کر کے دنیا کے دور دراز کونے میں جانا پڑتا ہے ، تاکہ وہ دوستی و تعلقات استوار کر سکیں ۔ لیکن نتیجہ خاطر خواہ برآمد نہیں ہو رہا ہے ۔

(ادارہ)

خط و کتابت یا منی آڈر کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ۔ بار بار کے اعلان کے بعد بھی خریداران حضرات دھیان نہیں دیتے ہیں ۔ جن منی آڈر کوپن پر صراحت نہ ہوگی وہ واپس کر دیا جائے گا ۔

(مینجر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مکرمین ناجی وجنتی ہیں

جناب مولانا محمد شفیع اللہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف

(۴)

الغرض عبدالمطلب خاندان کے سب سے بزرگ اور باا ثر شخص تھے۔ انہوں نے جن پاکیزہ خیالات وعقائد کا اظہار فرمایا ہے وہی ان کے گھر کے تقریباً تمام افراد کا عقیدہ تھا۔ ان کے کفر کا ماحول ہی اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ لوگ دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ شرک وبت پرستی سے کوسوں دور تھے خصوصیت کے ساتھ خاندان کے چشم وچراغ حضرت عبداللہ والد مکرم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو قطعی طور پر نہ صرف بت پرستی اور شرک وکفر سے مجتنب وکنارہ کش تھے۔ بلکہ تمام لہو ولعب اور رکیک وخفیف کاموں سے بھی محترز وعلاحدہ رہتے تھے۔ کیونکہ آپ کے قلب و دماغ پر گھر کے موحدانہ وملت حنفیہ کے ماحول کے اثرات بھی تھے اور جس نور مقدس کے آپ امانت دار تھے وہ بھی آپ کا مونس ورہبر تھا، پھر ایسے شائستہ خدا پرست دین ابراہیمی کو ماننے والے، مبدء ومعاد اور بعث ونشر کے قائلین ومعتقدین گھرانے والے اپنے محبوب ترین فرزند کے لیے کبھی بھی مشرکہ، کافرہ بت کی پجارن شریک حیات کو منتخب نہیں کر سکتے اس لئے آپ کی والدہ مکرمہ حضرت بی بی آمنہ کی توحید پرستی، دین ابراہیمی پر قائم ہونے میں بھی کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔

انہیں قرائن قویہ اور دلائل واضحہ کی روشنی میں ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین موحد، دین ابراہیمی کے ماننے والے جنتی تھے۔ امام رازی تفسیر کبیر میں الوین مکرمین کے موحد اور جنتی ہونے پر دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ آذر بت فروش ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ قرآن مجید میں چچا کو باپ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام کے والدین موحد، اور مومن ہوتے ہیں ان میں سے کوئی کافر نہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وتقلبک فی الساجدین جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کو سلسلہ بہ سلسلہ عابد وسجدہ گذار بندوں میں منتقل فرماتا رہا ہے۔ اسی سے واضح ہوا کہ آپ کے تمام آباء کرام مومن ومسلم تھے۔ احادیث شریفہ میں وارد ہے کہ اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ تک منتقل ہوتا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما المشرکون نجس سے واضح ہوتا ہے کہ مشرک نجس ہوتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی بھی مشرک وبت پرست نہ تھا، اور سب ہی نجاست وشرک سے پاک تھے۔

آیت مذکورہ میں نجس سے مراد اعتقادی نجاست کفر و شرک ہے۔ اس کے برعکس طاہرین و طیبات سے مراد اعتقادی طہارت توحید پرستی اعمال و عقائد کا دین فطرت کے مطابق ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کفر و شرک کی اعتقادی نجاستوں سے پاک تھے اور وہ توحید پرستی و عمل صالح کی طہارت پر قائم و متمکن تھے وذالک ما اردناہ

اگرچہ میں نے سابق میں واضح کر دیا ہے کہ مسلم شریف کی حدیث بھی منسوخ ہے یہاں اتنی مزید تفصیل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مکرمین کے جنتی ہونے کی بابت طلبہ کو جس بات سے سب سے زیادہ جو شبہ ہوتا ہے وہ مسلم کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ایک اعرابی نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کہاں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا باپ جہنم میں ہے جب وہ پشت پھیر کر جانے لگا تو آپ نے اس کو بلوایا اور فرمایا کہ ان ابی واباک فی النار۔ یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے باپ اور تمہارے باپ جہنم میں ہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ اس اعرابی کی شکستہ دلی کو ملاحظہ فرما کر اس کی تسلی کے لئے آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے ورنہ درحقیقت آپ کے والدین کریمین ناری نہیں ہیں۔ مگر شبہ ہوتا ہے کہ کچھ بھی ہو۔ اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ والدین کریمین جنتی نہیں ہیں۔ اس لئے یاد رکھا جائے کہ حدیث مذکورہ کی صحت میں محدثین نے کلام کیا ہے۔

امام سیوطی نے فرمایا ہے کہ اس میں دو علتیں ہیں پہلی سند کے لحاظ سے بھی یہ حدیث معلول ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حدیث مذکور بخاری شریف میں نہیں ہے، امام مسلم اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔ اور ایسی تمام حدیثوں پر ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے۔ امام بخاری کے علاوہ صرف امام مسلم نے روایت کی ہے۔ چنانچہ حدیث ہذا میں بھی مندرجہ ذیل خامیاں موجود ہیں۔

(۱) حضرت ثابت۔ اگرچہ معتبر تابعی ہیں۔ لیکن علامہ ابن جوزی نے انہیں ضعفا میں شمار کیا ہے کیونکہ ان کی حدیث منکر ہوتی ہیں۔ ان سے جن لوگوں نے روایت کی ہے وہ اصحاب جرح و تعدیل کے نزدیک ضعفا میں شمار کئے گئے ہیں لہذا حدیث مسلم ضعف راوی سے مروی ہونے کی وجہ کر ضعیف قرار پائے گی۔

(۲) حضرت حماد بن سلمہ اگرچہ امام اور عابد و عالم تھے، مگر محدثین کی ایک جماعت کثیرہ نے ان کی مرویات میں کلام کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں کی ہے۔ امام ذہبی نے فرمایا کہ حماد کے لئے اوہام مناکیر کثرت سے ہیں اور ان کا حافظہ بھی درست نہ تھا۔ چنانچہ ان کی بہت سی مرویات کو علما نا قدین نے موضوعات میں داخل کیا ہے، لہذا یہ حدیث ان ابی واباک فی النار بھی منکر ہے اور قابل اعتبار نہیں ہے۔

دوم یہ کہ حدیث مذکور میں باعتبار متن کے بھی علت موجود ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی اعرابی یا بدوی سوال کیا کرتا تھا اور آپ کو اس امر کا اندیشہ ہوتا تھا کہ اگر واضح اور کھلم کھلا جواب دے دیا جائے گا تو سائل فتنہ و آزمائش اور اضطراب و بے چینی میں مبتلا ہو جائے گا تو

ایسی صورت میں ایہام و توریہ کے طور پر آپ جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اسی اسلوب بیان سے سوال کنندہ کی دل شکنی بھی نہ ہونے پاتی تھی اور جواب بھی مکمل ہو جایا کرتا تھا۔ حدیث ہذا میں بھی آپ نے یہی انداز بیان اختیار فرمایا ہے

علاوہ ازیں حدیث مذکور الصدر میں راوی نے روایت بالمعنی سے کام لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایہام و توریہ کے طریقہ پر کلام فرمایا تھا۔ اور راوی کو وہم ہو گیا اور اپنے الفاظ میں روایت کر دیا جس سے مقصد کچھ کا کچھ ہو گیا۔

چنانچہ اسی حدیث کو حضرت ثابت سے حضرت معمر نے روایت کیا ہے تو اس میں ان ابی و اباک فی النار کا جملہ موجود نہیں ہے اور یہ روایت بہ نسبت پہلی روایت کے زیادہ معتبر و معتمد ہے۔ کیونکہ حضرت معمر کے حفظ و اتقان میں کسی نے کلام نہیں کیا ہے اور ان کی مرویات میں کوئی منکر بھی نہیں ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔

مسند بزاز میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سعد بن وقاص رضؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور اس نے دریافت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کہاں ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آتش دوزخ میں اس نے پھر پوچھا اور آپ کے والد کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا حیث مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار یعنی جس جگہ کسی کافر کی قبر کے پاس سے تیرا گذر ہو تو اس کو آتش دوزخ کی خوشخبری دیدینا۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اس کی سند و متن میں کوئی علت وخرابی نہیں ہے اور اس حدیث سے کئی فوائد بھی اخذ کئے گئے ہیں۔

سب سے زیادہ قابل ملاحظہ یہ امر ہے کہ سائل ایک اعرابی شخص ہے جو کفر و نفاق میں نہایت شدید ہونے کے علاوہ سخت مزاج اور اجڈ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے اوپر کسی کو ترجیح دینا پسند بھی نہیں کرتے ہیں۔ اگر اپنے والد کرم کے متعلق صراحتہً جواب عنایت فرما دیا جاتا کہ وہ جنتی ہیں تو اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ وہ مرتد ہو جاتا اس لئے اس کی دل جوئی اور تطییب خاطر کے لئے آپ نے جواب میں ایہام و توریہ کا اسلوب اختیار کیا اسی لئے آپ نے صراحتہً یہ بھی نہیں فرمایا کہ میرے والد بھی معاذ اللہ نار جہنم میں ہیں۔ بلکہ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تو یہ فرمایا کہ جہاں تم کسی کافر کی قبر کے پاس گذرو تو اس کو جہنم کی خوشخبری دیدینا تاکہ وہ اعرابی باعتبار سیاق کلام اور قرائن کے یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ صرف تمہارا باپ ہی نار جہنم میں نہیں ہے۔

اب رہا یہ شبہہ کہ جبکہ اہل فترت کے متعلق یہ طے ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی نہیں ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کے باپ کے لئے ناری ہونے کا حکم کیوں صادر فرما دیا۔

علامہ سیوطیؒ نے اس شبہہ کا جواب یہ دیا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور اہل فترت کے بارے میں جو احادیث وارد

ہیں وہ اس کی ناسخ ہیں ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہل فترت کے بارے میں مطلقاً یہ طے نہیں ہوا ہے کہ وہ جہنم میں جانے سے قطعی محفوظ رہیں گے ۔ بلکہ جیسا کہ اوپر مسند امام احمد کی روایت سے واضح ہو چکا ہے کہ آخرت میں ان کا امتحان لیا جائے گا ۔ جو لوگ امتحان میں پورے اتریں گے وہ جنت میں جائیں گے ۔ ورنہ پھر جہنم رسید ہوں گے ۔ اس اعرابی کے باپ کے متعلق خصوصی طور پر بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بوقت امتحان ناکامیاب ہو گا اور جہنم میں جائے گا ۔ اس لئے آپ نے اس کے متعلق ناری ہونے کا حکم صادر فرما دیا ۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس اعرابی کا باپ ان لوگوں میں سے ہو جو شام وغیرہ مقامات میں آنے جانے والا ہو جہاں وہ اہل کتاب سے ملتا رہتا تھا اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات اس کو پہنچتی رہی تھیں اس کے باوجود بھی وہ شرک و کفر پر قائم رہا اس لئے وہ ناری قرار دیا گیا ۔ ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک کو پایا ہو اور پھر بھی کفر و جہالت پر قائم رہا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ وہ نار میں ہے ۔

اندریں صورت یہ بھی شبہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مکرمین بھی مدینہ ، شام وغیرہ بلاد میں آئے گئے تھے اس لئے اہل کتاب سے ان کی ملاقاتیں ضرور ہوئی ہوں گی اور انبیاء سابقین کا پیغام رسالت ان کو بھی پہنچا ہو گا اور پھر بھی معاذ اللہ کفر و شرک پر قائم رہ گئے ہوں ۔ لہٰذا ان کے ناری ہونے کا حکم فرما دیا گیا ۔

مگر ادنیٰ تامل سے اس شبہہ کا ازالہ کیا جا سکتا ہے وہ اس طرح کہ محض احتمال ملاقات کافی نہ ہو گا بلکہ یہود و نصاریٰ سے ان کی ملاقات کا ثبوت ہونا چاہئے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ والدین مکرمین محض چند دن کے لئے مدینہ میں قیام فرمایا ہو موسوی و عیسوی دعوۃ کا نہ پہنچنا ہی اغلب ہے

والد ماجد حضرت عبداللہ شام کا سفر کرتے وقت مدینہ سے گزرے ۔ واپسی میں مدینہ پہنچ کر بیمار ہو گئے اور ایک ماہ بعد ہی انتقال ہو گیا ۔ ظاہر ہے کہ حالت سفر میں چند روزہ قیام کسی مریض کے لئے انبیاء سابقین کے پیغامات کو سمجھنے کے لئے کسی دینی مذہبی اجتماع کی گنجائش ہی کب نکل سکتی ہے ۔

یہی حال حضرت آمنہ کا ہوا کہ وہ عہد طفولیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لے کر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے اور اپنے اعزہ سے ملنے کے لئے مدینہ تشریف لے گئیں اور ایک ماہ کا مختصر قیام کرنے کے بعد واپس ہوئیں ۔ اور اثناء راہ ہی میں وفات پا گئیں ایسی حالت میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی دینی مذہبی گفتگو کا موقع ہی کیا آ سکتا ہے ۔ لہٰذا والدین مکرمین کے متعلق یہ شبہہ کرنا کہ انہیں بھی دعوت حق پہنچ گئی ہو گی جو محض احتمال ہی احتمال ہے ۔ اس کا کوئی واقعی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا ۔

اور اگر کسی روایت سے والدین مکرمین کی ملاقات اہل کتاب سے ثابت بھی ہو جائے تو یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہ ہو گا بلکہ عین مطابق ہو گا ۔ کیونکہ بصورت ملاقات انہوں نے اہل کتاب کی دعوت حق کو قبول کر لیا ہو گا ۔ کیونکہ کاہنوں ، نجومیوں اور دیگر قرائن کے باعث عام شہرت ہو ہی چکی تھی کہ ان کے لخت جگر نور چشم نبی و رسول ہوں گے ۔ خاص کر حضرت آمنہ کو ولادت سے پہلے

اقبال اور صنفِ نازک

از جناب ظفر حبیب

عورت ایک ایسا موضوع ہے، جس پر دنیا کے تقریباً سبھی مفکروں نے کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے۔ ارسطو، افلاطون اور سقراط سے لے کر عہد حاضر تک کے ان تمام اہل نظر نے جن کی نگاہ دنیا کے تمام پہلوؤں پر پھیلی ہے، اس موضوع پر کچھ نہ کچھ خامہ فرسائی ضرور کی ہے۔ لیکن جتنے اہل قلم ہیں۔ اتنی ہی متنوع باتیں ہیں۔ سبھوں نے اپنی بصیرت کے لحاظ سے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔

اقبال بھی ایک عظیم مفکر تھا، ایک حساس دل رکھنے والا انسان، ایک ہمہ گیر نقطۂ نظر کا مالک۔ اپنے وقت کا فلسفی اور محسنِ انسانیت تھا اس نے نہایت تعمق نگاہ سے زندگی کو دیکھا تھا، پرکھا تھا اور جائزہ لیا تھا۔

صنف لطیف سے اثر پذیر ہونا ایک فطری امر ہے، جو ہر مردوں میں خدا کی طرف ودیعت ہے۔ اقبال بھی عورت سے متاثر ہوئے۔ حسین عورت کے پاس رہ کر وہ محو بھی ہوئے، اس کے حسن جہاں سوز میں کھوئے بھی اور کیوں نہ ہو۔ کسی نے صحیح کہا ہے "حُسن کو ادز میں ہو یا تاج محل میں، حُسن بہرحال ہے اور اپنا فطری مطالبہ رکھتا ہے"۔ پھر اگر اقبال اس حسن سے متاثر ہوئے، تو یہ کوئی غیر فطری بات نہیں۔ اقبال کا یہ پہلو ان کے کردار سے بھی متعلق ہے اور ہمارے معرض بحث سے خارج، اس لئے اس کی تفصیل سے دامن کشی کرتے ہوئے میں آپ کا ذہن اس طرف پھیرنے کی کوشش کروں گا۔ جہاں اقبال نے عورت، اس کی تعلیم، اس کی میانہ روی اور اس کے حسن کردار کا جائزہ لیا ہے۔

اقبال ایک وسیع النظر اور ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے شرق تا غرب کی عورتوں کے حالات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے ایک طرف مشرق میں یہ دیکھا کہ عورتیں گھر کی چہار دیواری میں اس طرح محبوس کر دی جاتی ہیں اور ان کے حقوق ان سے اس طرح چھین لئے جاتے ہیں کہ وہ حبس دوام میں گھٹ گھٹ کر اور سخت پابندیوں کی زنجیر میں مقید ہو کر خون تھوکتے ہوئے اپنی زندگی کے دن گزار دیتی ہیں اس کے برعکس مغربی ممالک پر بھی ان کی نظر پڑی ہے۔ جہاں عورتیں کلب کی زینت بنتی ہیں، جہاں وہ مردوں کے ساتھ تمام جہت سر کرنا چاہ رہی ہیں جہاں وہ فرض امومت سے کنارہ کش ہونا چاہتی ہیں۔ جہاں وہ بے مرد کی زندگی گزارنا چاہتی ہیں۔ جہاں ان کا مقصد عورتوں کی ایک الگ

دینا چاہتا ہے ۔ اس جگہ جہاں مردوں کا طائر تخیل بھی پر نہ مار سکے ۔ اس طرح دونوں فریق انتہا پسندی کو اپنا مسلک بنائے ہوئے ہیں ۔ اقبال ان دونوں کے درمیان کی راہ اختیار کرنا چاہتا ہے ، وہ عورتوں کو اس طرح مقید اور زیور تعلیم سے غیر آراستہ نہیں رکھنا چاہتا ہے اور نہ ہی کلبوں کی زینت اور مردوں کی تعیش پسندی کا آلۂ کار بنتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے ۔ در اصل عورتوں سے متعلق اقبال کا نظریہ تقریباً اسلامی نظریہ ہے ۔

یہ ہمیشہ سے ایک بڑا اہم مسئلہ رہا ہے کہ معاشرتی زندگی میں نظام عائلی کی کیا حیثیت ہو ۔ چونکہ اقبال کے تصورات تمدن اسلامی تعلیم پر مبنی ہیں ۔ اس لئے یہ کوئی مشکوک امر نہیں کہ اقبال کا صنف نازک سے متعلق تصور بھی اسلامی نقطۂ نظر کا حامل ہو ۔ اس کے باوجود اقبال نے اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت اپنا انفرادی رنگ بھی قائم رکھا ہے ۔ لیکن اقبال نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس میں شاعرانہ رنگ و آہنگ اور فلسفیانہ نکتہ سنجی کو کم دخل ہے ۔ اس باب میں انھوں نے اسلام کی صاف اور سادہ تعلیمات کا اعادہ کر دیا ہے ۔

وہ مشرقی عورتوں کی ظلمت و جہل پر کف افسوس بھی ملتے ہیں اور مظلومیٔ نسواں سے غمناک بھی ہیں ؎

نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود   میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت

آں حضرت صلعم کی سماجی تعلیم کا سب سے بڑا پہلو سماج میں مساوات اور اخوت پیدا کرنا تھا اور نسلی شرافت و فضیلت کے تصور کا گلا گھونٹنا تھا ۔ حضور صلعم اس میں بہت زیادہ کامیاب بھی ہوئے ۔ انھوں نے ایسے سماج کی بنیاد رکھی جو نسلی امتیازات سے بالاتر ہو کر محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دینے والا تھا ۔ حضورؐ نے عورت کو ان کے جائز حقوق دلائے اور مردوں کے لئے ان کے مادرانہ قدموں کے نیچے پوشیدہ جنت کی بشارت دی ۔ اقبال بھی حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی تعلیم کو عام کرنا چاہتے ہیں ۔ پھر ایسی حالت میں ناممکن ہے کہ وہ عورتوں کو ان کے حقوق دلانے سے گریز کریں ۔

اقبال نے عورتوں کی تعلیم کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا تھا ۔ وہ مشرقی عورتوں کو انتہائی غیر تہذیب یافتہ سمجھتے تھے اس لئے وہ انھوں کو زیور تعلیم سے مرصع دیکھنا چاہتے تھے ۔ لیکن ہندوستانی معاشرے نے عورتوں کو ایسا پابند کر دیا تھا کہ وہ ناقص العقل کہلانے کی مستحق بنی رہیں ۔ مشرق کی بہ نسبت مغرب نے عورتوں کو زیادہ آزادی دی ۔ لیکن اس کی آزادی حد اعتدال سے تجاوز کر کے معاشرے کے لئے ناسور بن گئی ۔ کبھی کبھی اقبال مشرقی اور خاص طور سے ہندوستانی معاشرے سے بہت زیادہ گھبرا جاتے ہیں اور راہ فرار اختیار کر لینا چاہتے ہیں ۔ چنانچہ ایک بار انھوں نے عطیہ فیضی کو لکھا تھا " میری خواہش تو یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس ملک کو چھوڑ جاؤں ۔ اس کی وجہ آپ کو معلوم ہے " ۔ اس کی وجہ صرف عطیہ فیضی ہی کو معلوم نہیں تھی ۔ بلکہ ہر وہ شخص ، جو اقبال سے قریب تھا ۔ اقبال کے اس گھاؤ کو دیکھ چکا تھا ۔ جس کی ٹیس رہ رہ کر اسے تڑپا دیتی تھی ۔ وہ گھاؤ اس کی ابتدائی ناکام ازدواجی زندگی کی ضرب کاری سے پیدا ہوا تھا ۔ وہ تو اقبال ہی کی شخصیت تھی ، جو ایسے نامساعد حالات میں بھی زندگی کی ناؤ کھیتی رہی ۔ ورنہ دوسرے یا تو خود کو گرداب کے حوالے کر کے خود کو فنا کر دیتے یا ساحل پر پہنچ کر محض تماشائی بن جاتے ۔ اقبال ایک عزم بلند رکھنے والا انسان اس کرب سے کراہ اٹھتا ہے ۔ لیکن ہمت نہیں ہارتا تھا ۔ اقبال خود اپنی زندگی کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں " میری زندگی نہایت تلخ ہے ۔ یہ لوگ میری بیوی کو زبردستی میرے سر چپکانا چاہتے ہیں ۔ میں نے

والد ماجد کو لکھ دیا ہے کہ انہیں میری شادی کر دینے کا کوئی حق حاصل نہ تھا خصوصاً جبکہ میں نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ میں بیوی کی کفالت پر ہر وقت آمادہ ہوں۔ لیکن اسے اپنے پاس رکھ کر اپنی زندگی کو عذاب بنانے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے بھی مسرت کا حق حاصل ہے۔ اگر معاشرہ یا فطرت میرے حق سے انکار کریں گے، تو میں دونوں کے خلاف بغاوت کر دوں گا۔ میرے لئے ایک ہی چارۂ کار ہے کہ میں اس بدبخت ملک کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ جاؤں، یا پھر شراب نوشی میں پناہ ڈھونڈوں کہ خودکشی کا مرحلہ آسان ہو جائے کتابوں کے یہ بے جان خشک بوسیدہ اوراق میرے لئے وجۂ مسرت نہیں بن سکتے۔ میری روح کی گہرائیوں میں اس قدر آگ بھری ہے کہ میں ان کتابوں کو اور ان کے ساتھ سماجی رسم و روایات کو بھی جلا کر خاکستر بنا سکتا ہوں"

اس طرح اقبال کے اس خط سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اقبال کو عورت سے کتنا دکھ پہنچا تھا۔ لیکن اقبال نے سقراط اور افلاطون کی طرح عورت کو عیار و مکار نہیں۔ بلکہ اس کی اس ایذا رسانی کی وجہ تلاش کی، پھر اس کا جواب ڈھونڈا اور عورتوں کو اسی پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی۔

اقتباس بالا اگرچہ اصل موضوع سے کچھ پرے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت اقبال نے عورت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کی زندگی کے اس گوشے کو بہت گہرا لگاؤ ہے۔

اقبال نے شدت سے محسوس کیا تھا کہ ہندوستانی عورتوں کی جہالت نہ صرف ان کے لئے بلکہ مردوں کے لئے بھی باعث شماتت و وجہ تکلیف ہے۔ عورت معاشرت انسانی کے لئے کوئی الگ اور علاحدہ چیز نہیں، بلکہ وہ تعمیر معاشرت میں ایک نمایاں کام انجام دیتی ہے۔ اس لئے اس کا غیر ترقی یافتہ رہ جانا پورے سماج کے لئے نقصان دہ اور نفرت رساں ہے۔ چنانچہ اقبال نے مشرق و مغرب کی تمام مصلحانہ کوششوں کاوشوں اور راہوں کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عورتوں کے لئے جو اصول اسلام نے قائم کیا ہے وہ افضل ترین و بہترین ہے۔

اقبال عورتوں کو خدا کی حسین ترین، موزوں ترین اور اعلیٰ ترین تخلیق قرار دیتا ہے۔ انہیں کائنات کی وجہ تخلیق بتاتا ہے۔ اسے عورتوں کے وجود سے تصویر کائنات میں رنگ نظر آتا ہے۔ اسی لئے جسم معاشرہ میں خون حیات دوڑتا نظر آتا ہے۔ یعنی قدرت کا حسین شاہکار دنیا میں چہل پہل کا سبب ہے۔ ؎

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ   اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اسکی   کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنون

اقبال کے نزدیک عورت سرمایۂ ملت کی نگہدار ہے۔ ہر تمدن کے اعلیٰ ترین اوصاف اس کی ذات میں پوشیدہ ہیں۔ عورت لذت تخلیق کا پیکر مجسم ہے۔ لیکن اس کا اپنا محور حیات ہے۔ اپنا دائرہ عمل ہے اور اپنے فرائض ہیں، جو مردوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اقبال اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

آب بند نخل جمعیت توئی   حافظ سرمایۂ ملت توئی

از مہر سود و زیاں سودا مزن — گام جز بر ملت آبا مزن

ہوشیار از دستبرد روزگار — گیر فرزندان خود را در کنار

دو جنس کی تخلیق کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ دونوں کے ذمہ ایک طرح کے فرائض ہوں۔ دونوں کے دائرۂ عمل الگ الگ ہیں معاشرے کی گاڑی اسی وقت حسن و خوبی چل سکے گی جب دونوں پہیئے اپنی اپنی جگہ پر کام کر رہے ہوں۔

دور حاضر میں آزادیٔ نسواں کا شور بہت سنائی دے رہا ہے۔ اقبال اس تحریک کے حامی نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی سخت مخالفت پر کمربستہ ہیں کیوں؟ اس لئے نہیں کہ وہ عورتوں کے حقوق غصب کر لینا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ عورتوں کی آزادی اسے کس منزل پر پہنچا دے گی۔ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ عورتیں ان آزادیوں کی متحمل نہیں ہو سکتیں، جو مردوں کا مقسوم ہیں چنانچہ اقبال نے اس تحریک آزادی پر اپنے مخصوص انداز میں سخت تنقید کی ہے۔

اقبال ایک دن عالم بالا کی سیر کو نکلے، تو ایک جگہ انہوں نے بہت سی عورتوں اور مردوں کو جمع دیکھا۔ جن میں ان کی نگاہ ایک حسین و جمیل عورت پر جا پڑی۔ وہ عورت حسین تو ضرور تھی۔ لیکن اس کے حسن میں کوئی جاذبیت نہیں تھی، کوئی کشش نہیں تھی، اس کی آنکھیں بے سوز و بے غم تھیں، وہ مردوں کی آرزو دستہ تمنا سے محروم تھی۔ اس کا سینہ جوش شباب سے عاری اور عشق و شوق کی لذتوں سے بے خبر تھا۔ استفسار پر حکیم مریخ نے اقبال کو بتایا کہ یہ ایک فرنگی عورت ہے، جو نبوت کی مدعی ہے اور اس نے عورتوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ آج کے دور میں عورتوں کو مادرانہ فرائض کی انجام دہی کی قطعی ضرورت نہیں۔ اب سائنس نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ مصنوعی طریقے سے بچے پیدا کرائے جا سکتے ہیں۔ یعنی بغیر مضراب کے رگ ساز سے ترنم پھوٹ سکتا ہے۔ لیکن اقبال اس کے قطعی مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کا معرض وجود میں آنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے ذمہ ایک خاص کام ہے، جسے انجام دینا ہی اس کا منتہائے کمال ہے۔ اس کا مقصد نسل انسانی کو برقرار رکھنا ہے۔ اس کے سارے قویٰ فطرت نے اسی مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے بنائے ہیں۔ یہ اتنا عظیم الشان مقصد ہے کہ دوسرے تمام مقاصد اس کے آگے ہیچ ہیں۔ عورتوں کی تخلیق کے پیچھے فطرت کا مقصود یہ کبھی نہیں ہے کہ وہ ارسطو اور افلاطون جیسے مقالات قلمبند کرے بلکہ اس کا کام ارسطو اور افلاطون کو جنم دینا ہے۔

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن

اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرار افلاطوں

عورتوں کا دائرہ عمل الگ متعین کرنا اس امر کی دلالت نہیں کرتا کہ اقبال عورتوں کو مردوں کے برابر حق دینے سے گریز کرتے ہیں۔ بلکہ اقبال نے بہ صاف لفظوں میں کہا ہے کہ عورتوں کو بھی وہی انسانی حقوق حاصل ہیں، جو مرد کو۔ عورت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق مرد کے ساتھ تعاون کر کے تمدن کی خدمت انجام دے۔ اس طرح وہ عورت و مرد کی مساوات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان معنوں میں نہیں، جن میں اہل فرنگ اسے استعمال کرتے ہیں۔ اپنے ایک لکچر میں انہوں نے اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے "میں مرد اور عورت کی مساوات مطلق کا حامی نہیں ہوں۔ قدرت نے ان دونوں کی تفویض جدا جدا خدمتیں کیں اور ان فرائض

جداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادۂ انسانی کی صحت اور فلاح کے لئے لازمی ہے۔ مغربی دنیا میں جہاں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے اُلٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظام معاشرت میں اس سے بجید پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک کہ افراد قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے، جو نتائج مترتب ہوں گے۔ وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے خاندانی وحدت کے رشتے کو جو بنی نوع انسان کی روحانی زندگی کا جزو اعظم ہے۔ یہ توحریت توڑ دیتی ہے۔

موجودہ دور کی عورتیں سب سے پہلے تو مادرانہ فرائض کی انجام دہی سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتی ہیں۔ دوسری خواہش جو آج شدت اختیار کرتی جا رہی ہے، نکاح کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنی الگ دنیا بسانے کی ہے۔ اقبال چاہتے تو ہیں، کہ عورت کو آزادی کا حق دیدیا جائے، لیکن وہ فطرت کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مرد کا جوہر تو عورت کی شمولیت کے بغیر کھل جاتا ہے۔ لیکن عورت مرد کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتی۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے۔ جس کے آگے اقبال بھی بے دست و پا ہیں

نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی — نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ — آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند
جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر — غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

تقریباً انہیں خیالات کے غماز ان کے یہ فارسی اشعار بھی ہیں۔

مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند
کائنات شوق را صورت گر اند

زن نگہدارندۂ نار حیات
فطرت او لوح اسرار حیات

آتش ما را بجان خود زند
جوہر او خاک را آدم کند

در ضمیرش ممکنات زندگی
از تب و تابش ثبات زندگی

ارج ما از ارجمندی‌ہای او
ما ہمہ از نقش بندی‌ہای او

لیکن عورت کے مرد کے ہاتھوں اس طرح مجبور ہونے کا یہ مقصد بھی ہرگز نہیں ہے کہ عورت کو لونڈی اور باندی سمجھا

جیسا کہ یہ نقص آج کے ہندوستانی معاشرے میں نظر آتا ہے۔ اقبال نے اس سے منع کیا ہے۔ ؎

مسلمے کا ورا پرستار سے شمرد   بہرۂ از حکمت قرآں نہ برد

مادرانہ فرائض اور نکاح کی بندشوں سے آزاد ہونے کے بعد عورتوں کی آزادی کا ایک دوسرا مظہر بے پردگی ہے۔ اقبال اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں پردے کی کیا نوعیت ہے۔ آج مسلم ممالک میں اسلامی پردہ سے متعلق اسی نقطۂ نظر کو لے کر بے پردگی کی وبا عام ہورہی ہے۔ اقبال زمانے کی نظروں سے نظریں ملا کر اس کی دل کی اتھاہ گہرائیوں کو دیکھ چکے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آج کا دور کسی طور پر اس لائق نہیں ہے کہ "عورتیں اسلامی پردے کے مطابق بھی منظر عام پر آئیں۔ آج کی اخلاقی حالت ایسی نہیں ہے کہ مرد عورتوں کا احترام کریں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ عورتیں گھر کی چہار دیواری کے اندر رہ کر ہی اپنی خودی کو بالیدگی بخشیں۔ یہ تنگ نظروں کا خیال ہے کہ خلوت میں خودی کی بالیدگی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اقبال تو خلوت ہی کے متلاشی ہیں' جہاں ان کی خودی فطری ارتقا پاسکے۔ خاص کر عورتیں تو خلوت کے اندر رہ کر ہی اپنی خودی کی ترقی و تکمیل کا کام انجام دے سکتی ہیں۔ چنانچہ اقبال کا خیال ہے: ؎

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے   روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے   ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے   وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر و لیکن   خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر

یہی ذوق نظر جب اپنی حدوں سے تجاوز کرتا ہے، تو خیالات کو پراگندہ و ابتر بنا دیتا ہے۔ عورتوں کو زیب و زینت، بے پردگی و بے باکی، خودستائی اور خود نمائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اسلئے اقبال عورتوں کو اس مرض مہلک سے بچنے کو کہتے ہیں۔ ان کا نیک مشورہ ہے: ؎

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا   مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرورد   بیاموز از نگہ غارت گری ہا

تیر و خنجر کا زخم دوبارہ مندمل ہوجاتا ہے۔ لیکن تیر نظر کے صید کا کوئی علاج نہیں۔ اقبال عورتوں کو اس حسن کی نمائش سے سختی سے منع کرتا ہے۔ جو غازہ و حنا کا پروردہ ہے، حسین تو وہ شئے جو اپنے فطری حسن سے غارتگری کا کام انجام دے۔ اقبال عورتوں سے کہتا ہے کہ آج کی دنیا رنگ و رامش کی دنیا ہے' جس میں حقیقی تابناکی مفقود ہے۔ اگر انسان اس نور کی طرف اپنا دھیان مرکوز کرے جس سے سارا جہاں روشن ہے تو اس کے لئے اس نکتے کی وضاحت میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ خلوت نشینی سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ اقبال عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ؎

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است   کشادش در نمود رنگ و آب است
جہاں تابی ز نور حق بیاموز   کہ او با صد تجلی در حجاب است

ہر بڑے آدمی کا انداز فکر جداگانہ ہوتا ہے۔ لیکن نتیجۂ فکر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اقبال سے قبل سرسید اور اکبر نے بھی پردہ کے متعلق تقریباً انہیں خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سرسید جن کا دماغ مغربی لالٹین کی روشنی سے منور تھا۔ جب عورتوں کے پردہ کے متعلق سوچنے بیٹھے، تو انہیں بھی یہی مناسب معلوم ہوا کہ عورتوں کو پس پردہ رہنا ہی اچھا ہے۔ اکبر کو ناقدین کے سامنے رجعت پسند بتانے میں اس پردہ کا بھی ایک ہاتھ ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کی مشہور و معروف رباعی کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

اقبال کے ان تمام خیالات کا جائزہ لینے کے بعد معترضین کو ایک نکتہ ہاتھ آجاتا ہے کہ اقبال نے مردوں کو تو خودی کی تعلیم دی ہے۔ لیکن عورتوں کے معاملے میں کوتاہ نظری سے کام لیا ہے۔ لیکن اوپر اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ اقبال عورتوں کی ترقی کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صرف ان طریقوں کے مخالف ہیں، جو آزادیٔ نسواں کی تحریک نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کئے ہیں۔ اقبال کے نزدیک خودی کی ترقی کا ذریعہ یہ ہے کہ ہر فرد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں آزاد ہو۔ عورتوں کی صلاحیتیں مردوں سے مختلف ہیں۔ ان صلاحیتوں کو ایک تابناک فطرت کا مظہر ہے۔ عورت کا اثبات خودی اس میں پوشیدہ ہے کہ فرائض امومت کی انجام دہی کے لئے اسے پورے مواقع فراہم کئے جائیں اور عورت تہذیب و تمدن کی اس سے بڑی خدمت اور کیا انجام دے سکتی ہے کہ اپنی عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے نسل انسانی کی بقاء کی باگ ڈور اپنے نازک ہاتھوں میں اٹھالے۔ اقبالؒ نے امومت کو رحمت قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عورتوں کو صرف یہی فرض نبوت کے قریب کر دیتا ہے۔

نیک اگر بینی امومت رحمت است — زانکہ او را با نبوت نسبت است
شفقت او شفقت پیغمبر است — سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما
در خط سیمائے او تقدیر ما

اس طرح عورتوں کی خودی فرض امومت کی انجام دہی کر کے ہی خود کو استحکام بخش سکتی ہے

آزادیٔ نسواں کی تحریک کا ایک مقصد عورتوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ بنانا ہے۔ اس موضوع پر قبل تفصیل سے بحث ہو چکی ہے کہ اقبال کی شدید خواہش تھی کہ ہندوستان کی سبھی عورتیں تعلیم یافتہ ہو جائیں۔ لیکن تعلیم ایسی نہ ہونی چاہیئے، جو انہیں جادۂ اعتدال سے ہٹا کر بے راہ روی و غلط کاری کی طرف مائل کر دے، جو انہیں اپنے حسن کی نمائش کے لئے شارع عام پر لا کھڑا کرے اور جس سے پردہ و حجاب یکسر مرتفع ہو جائے۔ اقبالؒ عورتوں کو خاتون خانہ بنا رکھنا چاہتے تھے، نہ کہ سبھا کی پری۔ آج کی تعلیم عورتوں کو شمع محفل بنانے کا کام انجام دے رہی ہے۔ انہیں ان

حقیقی مسلک سے پرے ہٹا رہی ہے جس کی نہایت مکاتبانہ اور مبنی بر حقیقت مثال اکبر نے پیش کی ہے۔ ؎

ان سے بیوی نے فقط اسکول ہی بات کی — یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

جس امر کی طرف اکبر نے اشارہ کیا ہے، وہ کوئی تمسخر و استہزا نہیں۔ یہ عورتوں کی ذمہ داری سے بھاگنے کا ایک سچا ثبوت ہے۔ آج کی تعلیم کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ عورتوں کے فرض امومت کی انجام دہی میں مانع آتی ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ اس سے پیچھا چھڑانے کی تلقین کرتی ہے۔ اس لئے اہل بصیرت کے سامنے کبھی بھی قابل ستائش نہیں ہو سکتی ؎

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت — ہے حضرت انسان کے لئے اس کا ثمر موت

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبالؒ عورتوں کو تعلیم دینا بھی چاہتے ہیں، ان کی ترقی بھی چاہتے ہیں، ان کے حقوق کی پاسداری بھی کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں زن مومناں بنا کر بھی رکھنا چاہتے ہیں اور پھر تمام وسائل ترقی سے روکتے بھی ہیں آخر یہ ترقیاں کیونکر ممکن ہو سکتی ہیں۔ بادی النظر میں اقبالؒ کی یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن نگاہ ژرف بیں سے اگر دیکھا جائے، تو اقبال نے عورتوں کے لئے جس راہ کا تعین کیا ہے، وہی سب سے بہتر ہے۔ اقبال نے حضرت فاطمہ زہراؓ کی سیرت پاک کو عورتوں کے لئے بطور نصب العین پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ کام فطرت، قوت، حریت، صدق اور سادگی سے ہو سکتا ہے اور یہ تمام اوصاف حضرت فاطمہ زہراؓ کی ذات میں مجتمع ہیں۔ اس لئے انھوں نے عورتوں کے سامنے ان کے اسوۂ حسنہ کو پیش کیا ہے: ؎

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ — مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گرداں و لب قرآں سرا

مسلمان عورتوں کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی گود میں شبیرؓ جیسا درنایاب پالے اور حسینؓ جیسا پھول اس کی شاخ میں پھولے: ؎

اگر پندے ز درویشے پذیری — ہزار امت بمیرد تو نہ میری

بتولؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر — کہ در آغوش شبیرے بگیری

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند — چشم ہوش از اسوۂ زہراؓ مبند

تا حسینے شاخ تو بار آورد — موسم پیشیں بہ گلزار آورد

اس طرح اقبال نے حضرت فاطمہ زہراؓ کے ان اوصاف کو گنا کر عورتوں کو انہیں کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرنے کی دعوت دی ہے۔ اقبال کے اشعار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے عورتوں کی خودی کو آزادانہ بے راہ روی سے صرف اس لئے روکا ہے کہ وہ ایک مکمل فطری خودی کی آفرینش کر سکیں اور یہی عورتوں کا سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

ہر بڑے آدمی کا انداز فکر جداگانہ ہوتا ہے۔ لیکن نتیجہ فکر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اقبال سے قبل سرسید اور اکبر نے بھی پردہ کے متعلق تقریباً انہیں خیالات کا اظہار کیا ہے بہر سید جن کا دماغ مغربی لالٹین کی روشنی سے منور تھا۔ جب عورتوں کے پردہ کے متعلق سوچنے بیٹھے، تو انہیں بھی یہی مناسب معلوم ہوا کہ عورتوں کو پس پردہ رہنا ہی اچھا ہے۔ اکبر کو ناقدین کے سامنے رجعت پرست بتانے میں اس پردہ کا بھی ایک ہاتھ ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کی مشہور و معروف رباعی کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں ۔۔۔ اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا ۔۔۔ کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

اقبال کے ان تمام خیالات کا جائزہ لینے کے بعد معترضین کو ایک نکتہ ہاتھ آجاتا ہے کہ اقبال نے مردوں کو تو اثبات خودی کی تعلیم دی ہے۔ لیکن عورتوں کے معاملے میں کوتاہ نظری سے کام لیا ہے۔ لیکن اوپر اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ اقبال عورتوں کی ترقی کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صرف ان طریقوں کے مخالف ہیں، جو آزادئ نسواں کی تحریک نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کئے ہیں۔ اقبال کے نزدیک خودی کی ترقی کا ذریعہ یہ ہے کہ ہر فرد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں آزاد ہو عورتوں کی صلاحیتیں مردوں سے مختلف ہیں۔ ان صلاحیتوں کو ایک تیا نا فطرت کا منہ چڑھانا ہے۔ عورت کا اثبات خودی اسی میں پوشیدہ ہے کہ فرائض امومت کی انجام دہی کے لئے اسے پورے مواقع فراہم کئے جائیں اور عورت تہذیب و تمدن کی اس سے بڑی خدمت اور کیا انجام دے سکتی ہے کہ اپنی عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے نسل انسانی کی بقا کی باگ ڈور اپنے نازک ہاتھوں میں اٹھالے۔ اقبالؒ نے امومت کو رحمت قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عورتوں کو صرف یہی فرض نبوت کے قریب کر دیتا ہے۔

نیک اگر بینی امومت رحمت است ۔۔۔ زانکہ اورا با نبوت نسبت است
شفقت او شفقت پیغمبر است ۔۔۔ سیرت اقوام را صورت گر است

از امومت پختہ تر تعمیر ما
در خط سیمائے او تقدیر ما

اس طرح عورتوں کی خودی فرض امومت کی انجام دہی کر کے ہی خود کو استحکام بخش سکتی ہے

آزادئ نسواں کی تحریک کا ایک مقصد عورتوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ بنانا ہے۔ اس موضوع پر قبل تفصیل سے بحث ہو چکی ہے کہ اقبال کی شدید خواہش تھی کہ ہندوستان کی سبھی عورتیں تعلیم یافتہ ہو جائیں۔ لیکن تعلیم وہ ہونی چاہیے، جو انہیں جادۂ اعتدال سے ہٹا کر بے راہ روی و غلط کاری کی طرف مائل کر دے، جو انہیں اپنے حسن کی نمائش کے لئے شارع عام پر لا کھڑا کرے اور جس سے پردہ و حجاب یکسر منقطع ہو جائے۔ اقبالؒ عورتوں کو خاتون خانہ بنا کر رکھنا چاہتے تھے، نہ کہ سبھا کی پری۔ آج کی تعلیم عورتوں کو شمع محفل بنانے کا کام انجام دے رہی ہے۔ انہیں ان

حقیقی مسلک سے پرے ہٹا رہی ہے جس کی نہایت مکا تبانہ اور مبنی بر حقیقت مثال اکبر نے پیش کی ہے۔ ؎

ان سے بیوی نے فقط اسکول ہی بات کی ۔۔۔ یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

جس امر کی طرف اکبر نے اشارہ کیا ہے، وہ کوئی تمسخر و استہزا نہیں۔ یہ عورتوں کی ذمہ داری سے بھاگنے کا ایک سچا ثبوت ہے۔ آج کی تعلیم کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ عورتوں کے فرض امومت کی انجام دہی میں مانع آتی ہے، نہ صرف یہی بلکہ اس سے پیچھا چھڑانے کی تلقین کرتی ہے۔ اس لئے اہل بصیرت کے سامنے کبھی بھی قابل ستائش نہیں ہو سکتی ؎

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت ۔۔۔ ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ۔۔۔ کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبالؒ عورتوں کو تعلیم دینا بھی چاہتے ہیں، ان کی ترقی بھی چاہتے ہیں، ان کے حقوق کی پاسداری بھی کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں زن مومناں بنا کر بھی رکھنا چاہتے ہیں اور پھر تمام وسائل ترقی سے روکتے بھی ہیں آخر یہ ترقیاں کیونکر ممکن ہو سکتی ہیں۔ بادی النظر میں اقبالؔ کی یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن نگاہ ژرف بیں سے اگر دیکھا جائے، تو اقبال نے عورتوں کے لئے جس راہ کا تعیین کیا ہے، وہی سب سے بہتر ہے۔ اقبال نے حضرت فاطمہ زہراؓ کی سیرت پاک کو عورتوں کے لئے بطور نصب العین پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ کام نسوانیت، قوت، حریت، صدق اور سادگی سے ہو سکتا ہے اور یہ تمام اوصاف حضرت فاطمہ زہراؓ کی ذات میں مجتمع ہیں۔ اس لئے انہوں نے عورتوں کے سامنے ان کے اسوۂ حسنہ کو پیش کیا ہے: ؎

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ ۔۔۔ مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

آں ادب پروردۂ صبر و رضا ۔۔۔ آسیا گرداں و لب قرآں سرا

مسلمان عورتوں کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی گود میں شبیرؓ جیسا در نایاب پالے اور حسینؓ جیسا پھول اس کی شاخ میں پھولے: ؎

اگر پندے ز درویشے پذیری ۔۔۔ ہزار امت بمیرد تو نہ میری

بتولؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر ۔۔۔ کہ در آغوش شبیرے بگیری

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند ۔۔۔ چشم ہوش از اسوۂ زہراؓ مبند

تا حسینے شاخ تو بار آورد ۔۔۔ موسم پیشیں بہ گلزار آورد

اس طرح اقبال نے حضرت فاطمہ زہراؓ کے ان اوصاف کو گنا کر عورتوں کو انہیں کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرنے کی دعوت دی ہے۔ اقبال کے اشعار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے عورتوں کی خودی کو آزادانہ بے راہ روی سے صرف اس لئے روکا ہے کہ وہ ایک مکمل نسوانی خودی کی آفرینش کر سکیں اور یہی عورتوں کا سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

چند تلامذہ حضرت مشرقی منیری

(از جناب بہارستان ابدالی کراچی)

حضرت مشرقی منیری کا کچھ اردو فارسی کلام قارئین المجیب کی خدمت میں گذشتہ دو اشاعتوں (ماہ جولائی و ستمبر ۱۹۶۸ء) میں پیش کیا جا چکا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اسی ضمن میں آپ کے بعض تلامذہ کے حالات بھی پیش کر دیئے جائیں۔ اگرچہ آپ کے تلامذہ کی صحیح تعداد پیش کرنے سے فی الوقت راقم معذور رہے۔

شطّار منیری

حضرت مشرقی کے صاحبزادے جناب حکیم شاہ احترام الدین محمد اسمٰعیل منیری شطّار تخلص کرتے تھے اور اپنے والد سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ ار ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ بعد تعلیم آرہ میں مطب کرتے تھے۔ ۱۶ر جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ روز دوشنبہ کو رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ شادی ہو چکی تھی مگر کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ حضرت منیری کے لئے یہ صدمہ بڑا جانکاہ ثابت ہوا۔ اس صدمہ اور اس کے اثرات مابعد کے تاثرات کی جھلکیاں کلام مشرقی میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ جن کی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔

جناب شطّار کے کلام فارسی و اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

بہر جہ می نگرم حسن یار را بینم — بہ سوے دیر و حرم روے یار را بینم

بتے کافر کہ او از حسن شورے در جہاں دارد — شعاع عشق او جانم بدل اندر نہاں دارد

خدایا کے بود ایں بخت او کیں عاشق مضطر — دہد جاں خود آں ساعت کہ سر بر آستاں دارد

بتا کافرا چہ پرسی حالِ دل شطّار مضطر را

کہ ایں بیچارہ از جورِ تو عزم آں جہاں دارد

ہے مجھ میں جو کچھ یہ حسن ظاہر اسی کا جلوہ چمک رہا ہے — اسی کے جلوہ ہی کی ضیا سے ہر ایک تارہ دمک رہا ہے

شجر میں یہ تو اسی کا ہر سو قمر میں جلوہ اسی کا ظاہر　　تمام آب و ہوا میں ہر جا اسی کا جلوہ جھلک رہا ہے

ہے حسن یار نام خدا سر سے پاؤں تک　　گویا ہے عضو ڈھالا ہوا سر سے پاؤں تک
یہ حسن جو نمایاں ہے ہر سو جہاں میں　　یہ حسن یار کی ہے ضیا سر سے پاؤں تک
شمس و قمر میں نور اگر ہے تو یار کا　　یوسف میں حسن یار کا تھا سر سے پاؤں تک
کہ حسن ظاہری پہ نہ مائل دلوں کو تو　　ہے حسن ظاہری کو فنا سر سے پاؤں تک
آرام چاہتے ہو اگر دو جہاں میں　　ہو جاؤ اس صنم پہ فدا سر سے پاؤں تک

آپ کے شاگردوں کا ترجمہ "تذکرہ مسلم شعرائے بہار" مولفہ جناب مولینا حکیم سید احمد اللہ ندوی صاحب (سابقاً انگلوی گیا دی) مطبوعہ کراچی (پاکستان) میں شائع ہو چکا ہے ـــــ یہ تذکرہ مسلم شعرائے بہار کا جامع و مبسوط تذکرہ ہے۔ ان سطور کی تحریر تک اس کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔ ان تین حصوں میں حرف خا تک کے تخلص کے شعرا کے حالات آئے ہیں اور اب تک کل ۷۴۵ شعرا کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس کا پہلا حصہ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں، دوسرا مئی ۱۹۶۷ء میں اور تیسرا مارچ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔ چوتھا حصہ ان دنوں زیر طبع ہے۔ اندازہ پانچ حصوں میں تکمیل کا ہے ـــ

ان دو تلامذہ مشرقی کا حال تذکرہ مسلم شعرائے بہار سے نقل کیا جاتا ہے۔

احسان رسول پوری[۱]

محمد احسان حسن خاں نام، احسان تخلص ہے۔ مولوی حاجی محمد امیر حسن خاں صاحب کے فرزند اور دیوان مولا بخش خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی رئیس رسول پور ضلع مظفر پور کے نبیرہ ہیں۔ جناب احسان کو عنفوان شباب سے شعر و سخن سے گہری دلچسپی ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ جناب حکیم شاہ احتشام الدین حیدر صاحب مشرقی فردوسی منیری عظیم آبادی سے آپ کو تلمذ ہے۔ جناب احسان زبان اور بندش کا خوب لحاظ فرماتے ہیں۔ کلام میں صفائی ہے، آدمی خلیق، ذکی الطبع، نیک دل اور خوش مزاج ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے :ـــ

خدا کا فضل ہے اس بت کا مہرباں ہونا　　غضب ہے رشک عدو کو مرے مقدر پر

صحت سے زیادہ ہے انہیں موت کی خواہش　　بیمار ترے منہ نہ لگائیں گے دوا کو
ہوتے ہیں بشر اپنے ہی اعمال سے پامال　　بگڑے گی وہی قوم جو بھولے گی خدا کو

---

۱ تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ اول صفحہ ۱۶-۱۷۔ بحوالہ تذکرہ فروغ بزم (مولفہ خلش گیاوی طبع ۱۹۱۸ء)

نہ طوطی ہم نوا میرا نہ بلبل ہمزباں میری
نواسنجانِ گلشن کیا اڑائیں کے فغاں میری

سنی تو کیا سنی بیدرد تو نے یوں فغاں میری
کہ ہنس ہنس کر تو سننے کی نہ تھی یہ داستاں میری

ادھر جاتی ہے تو اتنا کرم مجھ پر بھی کرتی جا
لئے جا بندگی بھی اے نسیم بوستاں میری

سکوں کیسا کہاں کا صبر میں ہوں اور دلِ مضطر
ہوئی چاہت تمہاری دشمنِ آرام جاں میری

خود نہ آئیں وہ یہاں، مجھ کو بلائیں وہاں
دوسری اور ملاقات کی صورت کیا ہے؟

وصل کی رات ہے۔ ہوں وصل کی باتیں باہم
بے محل تذکرۂ غیر کی حاجت کیا ہے

داور رسول پوری

مولوی داور حسین صاحب۔ برادر اصغر جناب احسان بن جناب مولوی حاجی محمد امیر حسن خاں صاحب خلف الصدق دیوان مولا بخش صاحب خان بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ رئیس رسول پور ضلع مظفر پور۔ آپ کا تخلص داور ہے۔ اور جناب حکیم سید شاہ احتشام الدین حیدر صاحب مشرقی فرنگی منیری عظیم آبادی سے تلمذ ہے۔ اردو کی نظم و نثر میں بخوبی دستگاہ رکھتے ہیں۔ حرف نستعلیق آپ کا بہت پاکیزہ ہے ا نکے خوش اخلاق ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

طاقت نہ ضبط کی ہے نہ روز فغاں مجھے
پھر کیوں ستا رہا ہے یہ درد نہاں مجھے

بے جاں جان کے ملک الموت پھر گیا
صدموں نے ہجر کے یہ کیا ناتواں مجھے

داور! شباب میں ہے تمہارا یہ حال کیا
آتے نظر ہو ان دنوں کچھ ناتواں مجھے

اڑائی گرچہ بلبل نے بہت طرز فغاں میری
مگر ارماں کہاں، سوزش کہاں حسرت کہاں میری
یہ کہہ کہہ کر ہر اک غنچہ چمن کا مسکراتا ہے۔
بہت رنگستاں میری، نسیم بوستاں میری[1]

اس کے بعد جن دو تلامذہ کے حالات پیش کئے جا رہے ہیں ان دونوں کی نسبت وطنی خاص منیر شریف سے ہے اور ان کے حالات کی فراہمی کے لئے راقم اپنے عزیز بھائی مولوی شاہ مراد اللہ صاحب خانقاہ منیر شریف ضلع پٹنہ کی توجہ کا بہت ممنون ہے۔

اختر منیری

یہ تخلص ہے جناب محمد حفیظ الدین حسین الملقب بہ خواجہ عبد القدوس۔ المشتہر بہ شاہ مہدی حسین شطاری منیری کے یہ صاحبزادہ تھے جناب شاہ عظیم الدین حسین ابن جناب شاہ امین الدین علی منیری کے

---

[1] تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ دوم صفحہ ۲ بحوالہ تذکرہ فروغ بزم —

آپ کی تعلیم و تربیت پہلے اپنے والد صاحب کی نگرانی میں منیر شریف میں ہوئی۔ حضرت شاہ احتشام الدین حیدر مشرقی منیری ؒ سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ فن خطاطی اور فن شاعری کا اکتساب بھی آپ نے حضرت مشرقی منیری ؒ سے کیا۔ کلکتہ، بمبئی میں مختلف اخبارات میں کتابت وجہ معاش تھی۔ سنہ ۱۹۶۶ء میں بمبئی میں انتقال ہوا۔ بزرگان منیر شریف کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں حالات منظوم کئے ہیں۔ آپ کی دوسری کتاب "توضیح الانساب" ہے۔ جس کے کچھ اشعار نمونے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں ؎

کنہ ذاتش چہ بشر فہم کند — عقل و دانش چو ددد درماند
کرد ادراک ترا کو تو شد — تو سزی او ہمہ تن او تو شد
"ما عرفنا" چو حبیبش گوید — ہمت بندۂ بیچارہ چو بید
غیر "سبحانک لاعلم لنا" — آید از اختر مسکیں چہ ثنا

کن از کرم نگاہے یکبار یا محمد — مائیم در فراقت بیمار یا محمد
یادت بخیر باشد ہر بار یا محمد — در دل بیا کہ گردد گلزار یا محمد
مارا چہ کار باشد از کفر و دین و ایماں — عشقت بس است و باقی بیکار یا محمد
مارا بدہ ز دحدت جامے کہ بیقراریم — داری بدست قدرت ایں کار یا محمد
اختر ز دردِ فرقت تاب الم ندارد — رحم تو ہست اینجا درکار یا محمد

بر ما نظر ز خلق کرم یا یہ یا رسول — بنگر بجان زار مسیحانہ یا رسول
شیدائے تو بہ دشت جنوں ست رہ نوزد — لاہے نما کہ ہست بہ ویرانہ یا رسول
عالم تمام در نظر طالب تو ہست — دیدیم عالمے بہ تو پروانہ یا رسول
از مبتلائے درد چہ پرسی کہ حال چیست — خود شاہد ہست نالۂ روزانہ یا رسول
تاب فراق در دلِ اختر بجاں نیست — امید وصل داشت دلیرانہ یا رسول

مارا منیر آہ دریغ گزاشتی — ما کے گزاشتیم تو مارا گزاشتی

من چہ گویم وصف گلزار منیر — بہتر از باغ جہاں خار منیر
رحمت حق بر طلبگار منیر — بخشش حق بہر میخوار منیر

بہتر از ناجہ گنہگار منیر — بہ ز سلطان کلب دربار منیر
اے خدا رحمے بما از فضل خاص — صدقہ عبد نکوکار منیر
یا خدا حب وطن را جوش دہ — حسرتے دارم بدیدار منیر
من منیری ام چرا از حشر چہ باک — خود خدا باشد مددگار منیر
حرز جان سازم نہ چون نام منیر — از دل ست اختر اسرو کار منیر

اپنی کتاب "توضیح انساب" کی تصنیف کی آغاز کا یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے ؎

شد الحمد جو از کوشش واز محنت این مشت خاک — یافتہ صورت آغاز کتاب نسب قاضی پاک
"یادگار نسب قاضی شطار" ندائے آمد — بہر تاریخ مسیحی بشنید اختر زار از افلاک

صدیق منیری

مولوی محمد صدیق منیری ابن مولوی بدر الدین منیری۔ وطن منیر شریف ضلع پٹنہ۔ حضرت مشرقی منیری کی صحبت میں شاعری کا شوق ہوا اور حضرت مشرقی ہی سے کلام میں اصلاح لیتے۔ آپ کا مجموعہ کلام محفوظ ہے۔ جو ردیف وار غزلوں، نظموں اور منقبت پر مشتمل ہے۔ کلام میں سادگی ہے۔ آپ کا مشغلہ درس و تدریس تھا۔ صبر و قناعت آپ کا خاص وصف تھا اور اپنے عہد میں اپنی اس صفت کے لئے مشہور رہتے۔ ۵۸ سال کی عمر میں ۱۸ رمضان المبارک کو (۱۹۳۴ء میں) منیر شریف میں آپ کا انتقال ہوا۔

انتقال کے دو سال بعد ۱۹۳۶ء میں ایک عجیب واقعہ ہوا۔ یعنی ایک ہاتھی قبرستان سے گزر رہا تھا۔ اس کا ایک پاؤں آپ کی قبر کے اندر چلا گیا جو بڑی مشکلوں سے باہر نکالا گیا۔ اور یہ دیکھ کر دیکھنے والے محو حیرت ہو گئے کہ آپ کا کفن اپنے حال پر تھا۔ لاش میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس عجیب واقعہ کو دیکھنے کے لئے قبرستان میں سینکڑوں آدمی جمع ہو گئے۔ آپ کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

عشق میں ہوتی ہے کیا اب میری قسمت دیکھوں — وصل ہوتا ہے، کہ اب ہوتی ہے فرقت دیکھوں
خوب ہو، آج جو آجاؤ مری بالیں پر — ہے تمنا یہی دل میں دم رخصت دیکھوں
کر دیا عشق کے آزار نے بدتر مجھ کو — موت آجاتی یہی دل میں ہے حسرت دیکھو
کوچۂ عشق میں صدیق! قدم رکھ تو دیا — کیسی اب ہوتی ہے اس میں مری حالت دیکھوں

مدینہ کی تمنا میں نکل جائیگی جاں اپنی — خبر لو یا نبی! ہم پر بڑے صدمے گزرتے ہیں

خبر اس یار کی ملتی نہیں ہے — مرے دل کی کلی کھلتی نہیں ہے

ہے بعد مرگ عاصی صدیق کی دعا — وردِ زباں لحد میں بھی صلِ علیٰ رہے

تلامذۂ وحشت کلکتوی

(از جناب ش ۔ م ۔ عارف ماہر آروی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

آصف :- جناب آصف بنارسی سنہ [illegible] میں بنارس کے محلہ چاہ مہماں میں پیدا ہوئے ۔ نوجوانی میں ہی علامہ وحشت کے شاگرد ہوئے ۔ علامہ وحشت سے پہلے سلسلۂ تلمذ حضرت انسب سے قائم کیا ۔ تقسیم ہند کے بعد ہی پاکستان ہجرت فرما گئے اور ڈھاکہ میں مقیم ہوئے ۔ آپکے شاگرد رشید جناب اختر ماہ پوری بھی تقسیم کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان بسلسلۂ روزگار دلدار نگر جنکشن ایسٹرن ریلوے چلے گئے ۔ جناب اختر ریلوے میں اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر تھے مجھ سے ان کی گاڑھی ملاقات تھی ۔ بڑے ہی خلیق آدمی ہیں ۔ اندنوں غالباً نطور (مشرقی پاکستان) میں اسٹیشن ماسٹر کے عہدے پر فائز ہیں جناب آصف کا ایک شعر ملاحظہ ہو ۔ ؎

اس سادگی کو کہتے ہیں ایماں کی سادگی
کرنے چلے ہیں بت کا گلہ برہمن سے ہم

اسلم :- حافظ محمد حنیف صاحب اسلم کی ولادت سنہ ۱۸۹۴ء میں ہوئی ۔ نعتیہ کلام سرمایۂ شاعری ہے ۔ آپ کو علامہ وحشت سے شرف تلمذ حاصل تھا ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو : ؎

زنار میرے ہاتھ میں تسبیح بن گیا
اب کیا تقاضا اور کریں برہمن سے ہم

اشک :- جناب احسن احمد صاحب اشک کلکتوی کی ولادت جنوری سنہ ۱۹۱۸ء میں مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم کے گھر میں ہوئی ۔ مدرسہ عالیہ سے میٹرک سنہ ۱۹۳۲ء میں کرنے کے بعد اسلامیہ کالج کلکتہ سے بی ۔ اے (آنرز) سنہ ۱۹۳۸ء میں کیا اور غالباً سنہ ۱۹۴۳ء سے اسی کالج کے عہدۂ معلمی پر فائز ہوئے ۔ تقسیم ہند کے بعد ڈھاکہ چلے گئے جہاں موصوف انٹرمیڈیٹ کالج میں اردو فارسی کے لکچرار مقرر ہوئے ۔ آپ نے بہ زمانہ طالب علمی حضرت وحشت سے فیض حاصل کیا ۔ مگر باقاعدہ سلسلۂ تلمذ علامہ جمیل مظہری سے قائم ہوا ۔

امیر :- آنریبل خان بہادر معین الاسلام صاحب انسپکٹر جنرل رجسٹریشن متحدہ بنگال کے فرزند ارجمند امیر الاسلام صاحب المعروف امیر مشرقی کو بھی علامہ وحشت کے حلقہ بگوشوں میں ہونے کا فخر ہے ۔ آپ کی ولادت سنہ [illegible]

بمقام کلکتہ ہوئی۔ آپ نے علم ریاضی میں کلکتہ سے ہی ایم اے کیا۔ تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل ہے۔

بدر :- بدرالزماں بدر چھپرہ کے تھے۔ ۱۹۴۴ء میں رحلت فرمائی، بہت اچھے شاعر اور ناول نگار تھے ناول میں "احسن" آپ ہی کی یادگار ہے۔

بیخود :- جناب عباس علی خاں صاحب بیخود کی ۱۹۰۷ء میں کلکتہ میں ولادت ہوئی۔ دہیں سے اعلیٰ تعلیم مکمل کی آپ فارسی اور اردو دونوں میں ایم اے ہیں۔ تقسیم ہند سے اب تک پریسیڈنسی کالج کلکتہ میں اردو کے لکچرار ہیں۔ مجموعۂ کلام "جام بیخودی" عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے۔ آپ کے بیشمار شاگرد شعر گوئی میں بھی موجود ہیں۔ نمونتہً آپ کا ایک شعر ملاحظہ ہو: ؎

غزل سرائی کی لذت سے دیر پا بیخود　　　مگر یہ دور نہیں بادۂ کہن کے لئے

تاباں :- سید شاہ عنایت نام ہے۔ تاباں تخلص ہے۔ جمالی کے نام سے آپ کی اکثر غزلیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ صرف ۲۷ برس کی عمر میں ۱۹۵۱ء میں آپ کا مجموعۂ کلام "شام روح" شائع ہو چکا ہے۔ نمونتہً ایک شعر ملاحظہ ہو: ؎

مجبور ہو کے ترک تمنا کروں جو میں　　　یہ بات بھی نہیں ہے مرے اختیار کی

تمنّا :- کلکتہ کے رہنے والے منشی مسیح الدین صاحب تمنا جو ۱۲۷۵ھ میں علی پور کی کچہری میں مختاری کرتے تھے، علامہ وحشت کلکتوی ہی کے شاگرد تھے۔ ایک مطلع آپ کا ملاحظہ ہو ؎

جب وہ بیتابی سے رخسار دکھا دیتے ہیں　　　چرخ پر ماہ کو خورشید بنا دیتے ہیں

جمیل :- سید کاظم علی کاظمی المتخلص جمیل مظہری کا وطن حسن پورہ ضلع سارن ہے۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ بچپنے میں ہی اپنے والد مولانا خورشید حسین صاحب کاظمی کے ہمراہ کلکتہ چلے گئے [illegible] ایم اے کیا۔ عصر جدید کلکتہ میں "جہلات" کے عنوان پر عرصہ تک آپکا فکاہیہ مضمون کوچہ گرد کے لقب سے شائع ہوتا رہا [illegible] کے توسط سے فلمی دنیا سے بھی کچھ دنوں کے لئے منسلک رہے۔ سیاست میں حصہ لینے کے سبب قید فرنگ کا مزا بھی چکھا ۱۹۳۰ء [illegible] تعلیمات عامہ بہار کے پبلسٹی افسر بھی ہوئے اور ۱۹۴۷ء میں اسی محکمہ کے ڈپٹی ڈائرکٹر کے عہدہ تک پہنچے۔ ابتدا میں اپنے [illegible] سے پھر علامہ وحشت کلکتوی سے اصلاح سخن اور مشورہ سخن کیا۔ بقول شخصے علامہ وحشت کی خدمت میں جو غزل بغرض اصلاح پیش کی اس کا مقطع یہ تھا۔ ؎

بیچارہ رسم و راہ سخن دیکھ کر جمیل　　　مدت سے آرزو تھی کوئی راہ بر ملے

علامہ جمیل مظہری صاحب بہار کے ان چند لوگوں میں ہیں جن پر ادب کا شیدائی فخر کر سکتا ہے۔ آپ کی [illegible] کا ایک سلسلہ لامتناہی ہے۔

پروفیسر عبدالقیوم صاحب حسرت نعمانی نے ۱۹۵۶ء میں ڈھاکہ میں بہ عمر ۶۴ سال وفات پائی ۔

حسرت :- تقسیم ہند سے پہلے کلکتہ یونیورسٹی میں اردو اور اسلامیہ کالج کلکتہ میں فارسی پڑھاتے تھے تقسیم کے بعد غالباً ۱۹۴۸ء میں ہجرت فرمایا اور ڈھاکہ یونیورسٹی سے منسلک ہوئے ۔ آپ کا ایک شعر ملاحظہ ہو :-

کس کس ادا سے اس نے بڑھایا نظر کا ذوق ‌ ‌ ‌ مطلب یہ تھا کہ کوئی ادا رائیگاں نہ ہو

خلش :- ملاحظہ کیجئے میرا مضمون تلامذہ آرزو ، مطبوعہ المجیب پھلواری شریف ۔

پیرزادہ سید ظفر ہاشمی صاحب سیالکوٹی یکم جنوری ۱۹۰۹ء کو اپنے وطن میں پیدا ہوئے ۔ بذریعہ

ظفر :- ڈاک علامہ وحشت کے تلامذہ میں داخل ہوئے ۔ آپ کا مجموعہ کلام حسن کلام ، حسن خیال اور تنویر نجم مطبوعہ ہے ۔ ماہنامہ عالمگیر کے مدیر اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں ۔ آپ کا ایک شعر ملاحظہ ہو :-

جسے بغیر طلب کے ملا ہو سوز جگر ‌ ‌ ‌ کسی کریم سے وہ التماس کیا جانے

عبدالمعبود نام خلف مولانا حکیم عبدالرؤف صاحب داناپوری ۔ حکیم صاحب موصوف تقریباً

عابد داناپوری :- ۱۹۰۷ء سے ۱۹۴۳ء یعنی تادم مرگ کلکتہ میں ہی رہے ۔ آپ ہی کے ساتھ آپ کے صاحبزادے بھی کلکتہ میں ہی رہتے تھے ۔ اسی تعلق سے علامہ وحشت سے مانوس ہوئے اور انہیں کی شاگردی اختیار کی ۔ غالباً ۱۹۳۶ء میں پہلی غزل کہی تقسیم ہند کے بعد ہجرت فرما گئے اور مشرقی بنگال کی حکومت کے محکمہ نشر و اشاعت سے وابستہ ہوئے ۔ جناب عابد کا ایک شعر ملاحظہ ہو :-

دیکھ کر ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختوں کو مرے ‌ ‌ ‌ مجھ سے کیوں بیزار ہے اللہ بھی ، ملاح بھی

عصری :- قربان علی عصری بھی تلمیذ وحشت ہیں

اسم گرامی ابوالکرام سلیم اللہ ہے ۔ شاعری میں علامہ وحشت کے شاگرد رشید ہیں ۔ بنگلہ سے اردو ترجمہ

فہمی :- میں خاص ملکہ ہے ۔ مشرقی پاکستان کے محکمہ ترقیات اردو کی توسیع میں ڈائرکٹر ہیں ۔ ایک مطلع آپ کا ملاحظہ ہو :-

آب اس کی آب کوثر سے لذیذ ‌ ‌ ‌ قند ہے کیا اس کے خوشہ سے لذیذ

کیپٹن عبدالصمد صاحب قمر صدیقی اردو اور فارسی دونوں میں کلکتہ سے ایم اے تھے ۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء کو

قمر :- ڈھاکہ میں وفات پاگئے ۔ تاریخ گوئی میں اچھی مہارت تھی ۔ ایک مطلع آپ کا ملاحظہ ہو :-

مصائب نے جو دنیا میں اس کو آلیا ہوتا ‌ ‌ ‌ یہ بندہ بھیلتا اتنا کہ عالم کا خدا ہوتا

محمد سلیمان صاحب واصف بنارسی ۱۹۰۰ء میں وطن مالوف میں پیدا ہوئے ۔ مگر طفلی ہی میں والدین

واصف :- کے ہمراہ کلکتہ چلے گئے اور وہیں پروان چڑھے ۔ عصر جدید کلکتہ میں آپ کی نثر نگاری کے نمونے اچھے خاصے نظر آتے ہیں ۔ شاعری میں علامہ وحشت کے شاگرد ہوئے ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو :-

ناظر :- ؎ ڈالی تھی آرزوئے گلستاں کی داغ بیل افسردگیٔ دل نے بیاباں بنا دیا

ناظر الحسینی کے نام سے کون ترقی پسند شاعر واقف نہیں۔ عمر تقریباً ۵۰-۵۵ برس ہوگی۔ مسعود انہ " ہند " کلکتہ میں مستقیم تھے۔ معلوم نہیں اب بھی وہیں ہیں یا نہیں اور شعر و شاعری جاری ہے یا نہیں۔ آپ کو حضرت علامہ وحشت سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

ساجن :- نام عبد الغفور ہے۔ کلکتہ میں ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم کلکتہ ہی میں پائی۔ تقسیم کے بعد ڈھاکہ چلے گئے، پھر کراچی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی سے " غزل " نام کا ایک رسالہ جاری کیا تھا افسانہ نگاری، نثر نگاری اور شاعری کرتے تھے۔ تلمیذ علامہ وحشت کلکتوی کا ہے۔

ساقی :- ؎ فنا کے بعد ضرورت نہ غسل کی ہو گی
رہیں گے اشک ندامت میں ہم نہائے ہوئے

محمود : قاضی محمود حسن محمود :- ؎
ہوئی نہ خاک بھی منتِ کش صباان کی ÷ کچھ ایسے مرمٹے تجھ پر ترے مٹائے ہوئے

آخر الذکر دو حضرات کا پتہ رسالہ بزم سخن گیا جلد ۳ نمبر ۹ بابت ماہ جون ۱۹۱۷ء سے ملتا ہے کہ علامہ وحشت کے تلامذہ تھے

ہوش :- جناب ابراہیم ہوش مدیر " آثار " کلکتہ کو بھی تلامذہ وحشت کا شرف حاصل ہے۔

شاعرات میں حسن زہرہ صاحبہ بھی علامہ موصوف کی تلامذہ ہیں۔ آپ بیگم لقمان حیدر ہیں تقسیم ہند ۱۹۴۹ء سے اپنے شوہر جو اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں منیجر ہیں) کے ہمراہ کراچی، لاہور اور ڈھاکہ میں رہیں۔ شعر گوئی کی طرف ۱۹۴۸ء سے مائل ہوئیں۔ لاہور کے دوران قیام میں چند غزلیں احسان دانش کو دکھائیں اور ڈھاکہ کے دوران قیام میں علامہ موصوف کو کلام دکھایا۔ آپ سجاد حیدر یلدرم کی بھتیجی اور قرۃ العین حیدر کی چچازاد بہن ہیں۔ حسن زہرہ صاحبہ کے والد سید نثار حیدر زیدی صاحب شاعر تھے اور قیصر تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا وطن نہٹور ضلع بجنور یوپی ہے۔ ڈپٹی کلکٹری سے ریٹائرڈ ہو کر علیگڈھ میں سکونت کی۔ محترمہ حسن زہرہ صاحبہ کا دو شعر نمونۃً ملاحظہ ہو۔ ؎

اکثر جو اشک مری آنکھوں سے بہہ گئے سوز نہاں کا راز زمانے سے کہہ گئے

ہم تو قفس میں بند ہیں اب آشیاں سے دور ڈھونڈا کریں چمن میں ہمیں دن بہار کے



ایک رہبر کی تلاش ہے

(قومی زندگی میں ثانیہ فکر)

از: جناب شمیم امین صاحب عمل آبادی (دھنباد)

قوم کے بوڑھے جوان سے ملئے ــــ اچھے خاصے انسانوں سے ملئے، قومی ہمدردی رکھنے والے مسلمان سے ملئے ــــ صاحب ایمان سے ملئے، مفسر قرآن سے ملئے ــــ اور ملی مسائل پر گفتگو کر دیکھئے کہ ملی مسائل پر تبادلۂ خیال ہر مسلمان کا فطرت ثانیہ بن گیا ہے یقین جانیے ہر ایک غور و فکر میں مستغرق ہیں گے۔ بات ہی بات میں جسم ملی کے چند دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھ کر دیکھئے۔ درد سے چیخ اٹھیں گے۔ آنکھوں سے آنسو بہ نکلے گا۔ منہ بسورتے ہوئے ایک لمبی سرد آہ کھینچیں گے اور آپ سے یہ ضرور کہیں گے۔

افسوس! ہمارا کوئی قائد نہیں ہے ...... ورنہ

اور پھر آپ کا ذہن تیزی سے سوچنے لگ جائے گا ــــ ورنہ ... ورنہ ــــ

ع ــــ اگر نم ہو تو یہ مٹی بڑا زرخیز ہے ساقی

مگر اس مٹی کو نم کرنے والا افسوس! ہمارا کوئی قائد نہیں۔

اس طرح لازمی طور پر قومی ٹوپک پر طویل اور اہم بات چیت ختم ہو جائے گی۔ کف افسوس مل کر انہیں صبر آ جائے گا۔ اور آپ مطمئن ہو جائیں گے کہ آپ قومی پستی کے راز دریافت کر چکے ہیں لیکن اگر آپ کا یا ان کا بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے تعلق صحافت سے ہوا تو پھر یہ بیقراری باقی رہ جائے گی۔ دماغ میں کیڑے رینگنے لگیں گے۔ آپ یا وہ جلد از جلد گھر کو لوٹیں گے اور گھر والوں کو جھڑک کر سلا دیں گے یا سو جانے پر مجبور کریں گے ــــ خود لالٹین چارپائی پر رکھ کر ایڈیٹوریل یا مقالہ لکھ مارین گے۔ (کہ اچھوتی ہوئی نثر کی کچھ نہ کچھ تو نعم البدل ہو) ــــ نہایت دور بینی سے قوم و ملت کے ایک ایک مسئلہ گنوائیں گے، ان کے اسباب اور نوعیت کی نشاندہی کریں گے اور آخر جب آپ کا قلم اور دماغ دونوں تھک جائے گا تو وہی رونا رو کر آپ

مطمئن ہو جائیں گے ۔

کہ آہ ہمارا کوئی قائد نہیں .... ورنہ ...... ورنہ

اور ورنہ ورنہ کی رٹ لگاتے ہوئے آپ گہری نیند میں سو جائیں گے کیونکہ آپ ایک سوئی ہوئی قوم کے فرد ہیں جس کی نیند ٹوٹتی ہے پر نہیں ٹوٹتی ۔ یہ نظریہ خواہ کتنا ہی صحیح ہو لیکن وقت اور حالات کی مناسبت سے بالکل دقیانوسی ہے ۔ سوال قائد کا ہے ۔ قائد کی ضرورت بھی مسلم ہے لیکن سوال ختم کہاں ہوتا ہے ۔ یہ تو سوالوں کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے ـــــ سوال یہ بھی تو ہے کہ قائد کہاں سے دستیاب ہوگا ۔ قوم و ملت کے معاشرتی فیکٹری میں تیار کیا جائے گا ۔ آسمان سے ٹپکے گا ۔ کسی غیر ملک سے امپورٹ کیا جائے گا ۔ یا ہماری آنے والی نسل جنے گی ۔ اب ایسے مبارک ہستی جننے والی ماں کی بھی تلاش ہوگی جس میں مریمانہ صفت ہو، آمنہ جیسے اوصاف ہوں ۔ یا پھر وہ اولادِ محمد علی ہوں ۔ ان تمام آلائشوں سے بالا اگر کوئی قائد ہمارے درمیان جب تک آکر معجزہ نمائی نہیں کرے گا ۔ گرجے گا نہیں، برسے گا نہیں اس وقت تک ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے، بس یہی کہیں گے

"ایک راہبر کی تلاش ہے ۔"

میری ناقص فہم و ادراک میں ہماری احساس کمتری اور بےعملی مزاج نے متحرک عمل سے فرار حاصل کرنے یا احساس ذلت سے بچنے کے لئے ایک جواز حاصل کر لیا ہے جو بےحد عبرت انگیز ہے اور نہایت درجہ پرخطر بھی ۔

قبلۂ اول چھن جائے تو غازی صلاح الدین کی تلاش و آرزو میں ہمہ تن مصروف ہو جائیے اور جب تک آپ کے روبرو غازی آنہ جائے ۔ اچھی طرح اپنے آپ کو روشناس نہ کرائے اور آپ اپنے طور پر اسے جانچ نہ لیں ایک لحظہ سے پہچاننے سے انکار کر دیں تھوڑی دیر کے لئے بھی بھروسہ نہ کریں بلکہ اس کے پیچھے ڈنڈے لے کر پھرا کریں ۔ کیا یہ عجیب و غریب ہیجان نہیں ہے ؟

کفر و ضلالت کا سیلاب کعبہ کی مقدس دیواروں سے ٹکرانے لگے تو آپ کو مہدی موعود کی تلاش ہو ۔ آپ کعبہ کے طواف کرتے ہوئے اس شخصیت کی تلاش میں لگ جائیے جن کے ہاتھ گھٹنوں سے نیچے تک دراز ہو کیا عملی زندگی کے یہی تقاضے ہیں ؟

ملک و قوم کی کشتی ڈوبتی ہے نا خدا عرصہ ہوا مر چکا ۔ کوئی بھی شخص اچھی طرح اس فن سے واقف نہیں ہے لیکن سیاسی ... کو موقع نہیں دیا جائے گا اور کشتی کو طوفان کے حوالے کر دیا جائے گا ـــــ ایسی بےاعتباری کیا ؟

یہ بھی ایک اہم سوال ہے جس پر ہمارے ادبا اور ملک و ملت اور ... قوم کو طرز ... کیا ہوگا ...

پچھلے اربع صدی میں ہمارے درمیان متعدد ... [illegible]

حکمرانی کی بھی کوشش کی اور اس طرح انہیں مختلف ... پر دستخط ... [illegible]

ناقابل تردید کہ قوم وملت نے نہ صرف یہ کہ ان کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ اکثر مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر ان کی مخالفت بھی کی۔ ان ہستیوں میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ دست کرم اور نگاہ رحم کے طلب گار ثابت ہوا دیا سیاسیات ملت کا حق ادا نہ روش اختیار کرنا تو خلاف توقع نہ تھا لیکن عام لوگوں کا ان سے متاثر ہو جانا تعجب خیز ضرور رہا ہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا قومی شعور ابتک ابتدائی دور میں ہے۔ جو قوم دار ورسن کے درمیان جی رہی ہو اس پہ بے حسی بڑی شرمناک ہے

ملی صحافی و رہبران قوم نے غوغا آرائی سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اپنے لئے الگ الگ راستے ڈھونڈ رہے ہیں اور اس پر گامزن بھی ہیں۔ عوام الگ الگ راہنما پسند کر کے ان کی شخصیت کے بت پوج رہے ہیں اور انہیں بالش پر چڑھا رہے ہیں جیسے ان کا کوئی مقصد نہیں۔ اور اگر مقصد ہے بھی تو وہ صرف ایک مقصد نہیں بلکہ مختلف مقاصد ہوں۔ بھانت بھانت کی آواز سنتے سنتے ساری قوم سن ہو گئی ہے اور قوت عمل مختلف مقاصد پر ضائع ہو رہی ہے —— ظاہر ہے ایسا کوئی مقصد بار آور نہیں ہو سکتا جس میں اتحاد کام نہ ہو یا جس مقصد کے لئے قوم وملت اتحاد کے سانچے میں ڈھل نہ جائے۔ پھر ایک مقصد کب سینکڑوں مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔

پچھلے دنوں کنونشنوں، کانفرنسوں، مشاورتی مجلسوں کا بھرمار رہا۔ الاور فریدوں، بدر الدجاؤں اور سید محمودوں کے اس ملک میں ملی سطح پر کئی کردار رہبری کے صفحے میں ابھرے۔ قومی وملی شعور تو ضرور کچھ نہ کچھ ابھرا لیکن حیف صد حیف ذہن، یقین، اعتماد یا بھروسے بالکل خالی رہا۔ خالی ڈبے اور خالی بوتل رکھنے والی قوم اگر خالی ذہن بھی ہو جائے تو پھر اس قوم کا اللہ حافظ ہے —— اور پھر انہیں گھوم پھر کر اسی نقطے پر آ جانا باعث حیرت نہیں جہاں وہ گلوگیر آواز میں کہہ اٹھے

افسوس! ہمارا کوئی قائد نہیں۔ .... ورنہ

دوسرا سوال پھر ابھرتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ آخر ایک عظیم الشان قوم کی ذہنی دیوالیہ پن کا کیا علاج ہے —— اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے —— مجھے معلوم نہیں نا میری عقل ناقص معلوم کر سکتی ہے۔ مگر کیا یہ بات ممکن نہیں کہ ہم میں ہی حریت کا جذبہ مفقود ہے یا یہ جذبہ اتنا دب چکا ہے کہ ہم بندوں کے دست [illegible] ہیں۔ بے غیرت کا ہم [illegible] سودا کرتے ہیں [illegible] پھیل چکی ہے۔ اتحاد اور حریت سے فرار حاصل کرنے کے لئے ہم طرح طرح کی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔

اقبال کا [illegible] (Shoal) [illegible]

[illegible]

تو آپ بھی مجھ سے اتفاق کریں گے ؎

زمانے کا بھٹکا سرمایہ ان کا — جہاں بھر کی دھتکار ان کی کمائی

نہ آرام شب کو نہ راحت سویرے
غلاظت میں گھر نالیوں میں بسیرے
جو بگڑیں تو ایک دوسرے کو لڑا دو
ذرا ایک روٹی کا ٹکڑا دکھا دو

یہ مظلوم مخلوق گر سر اٹھائے
تو انسان سب سرکشی بھول جائے
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا بنا لیں
یہ آقاؤں کی ہڈیاں تک چبا لیں

کوئی ان کو احساس ذلت دلا دے — کوئی ان کی سوئی ہوئی دم ہلا دے

قومی غیرت اور حمیت کا شعور ہمارے ذہنوں میں دھندلا پڑ گیا ہے۔ یا پھر لاشعور کے کسی گوشے میں سو چکا ہے جس کا ہمیں احساس تک نہیں ہے۔ اور ہماری سوئی ہوئی دم ہلانے والے کی ضرورت باقی ہے۔ اسی ایک جذبہ کے ماتحت شخصیت پرستی کا بت توڑنے والی قوم نت نئے بت تراش رہی ہے۔ کیا بقول اقبال۔ ابراہیم کی اولاد آذر کے روش پر نہیں چل نکلی؟

کیا کلام ربانی اور اسوہ حسنہ کے بعد بھی کسی عظیم قائد کی تلاش میں سرگرداں رہنا ہماری ذہنی کم مائیگی کا ثبوت نہیں ہے؟

جنہیں اسلام جیسا شاہ راہ، قرآن جیسا سنگ میل اور اسوہ حسنہ کے نقوش پا حاصل ہوں انہیں اس طرح ہر لمحہ قائد کے بت تراشنے کی فکر میں مصروف رہنا ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم اپنے ان معیاروں پر کسی کو پرکھنے کی بجائے اپنے اپنے خود ساختہ راہبروں کی بت کی معیاروں پر (نعوذ باللہ) اسلام، قرآن، اور نبی کو پرکھنے لگے ہیں یہ ہماری الٹی کھوپڑی کا کرشمہ ہے جس نے تمام اصولوں کو الٹ کر رکھ دیا ہے۔

ضرورت اگر ہے تو اجتماعی فکر کی اور اسلام جیسے عالمگیر نظام حیات کا خاصہ بھی یہی ہو سکتا ہے۔ مگر اس کمی کو سینکڑوں سال میں پورا نہ کیا جا سکا۔ ملکی سطح پر یہی صحیح اگر چھوٹی چھوٹی اکائیوں کو منظم کیا جا سکے تو یہ مقصد آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ کون کس اکائی کا قائد ہے اور کس کی صلاحیتیں کس قدر ہیں۔ ہاں یہ جانچ کسی حد تک کرنا غلط نہ ہوگا کہ ان قائدین کے ذہنوں میں اسلام کی ہمہ گیری کے رجحانات پائے جاتے ہیں یا نہیں اور یہ کہ ان میں سے کوئی فرقہ پرستی کا شکار تو نہیں — اس طرح مختلف ٹکڑیوں کو معمولی اصلاح کے بعد ایک ہی کڑی میں جوڑ دی جائے تو پھر ایک منظم قوم، ایک قابل رشک

معاشرہ اور ایک موثر تحریک فوراً ابھر آئے۔ جو موجودہ حالات کی تاریکیوں میں گم ہو چکے ہیں۔

یہ بھی غلط نہیں کہ بغیر امیر کے جماعت نہیں اور بغیر جماعت کے امیر نہیں۔ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں لیکن کیا ہم دونوں کو ایک ساتھ حاصل نہیں کر سکتے۔؟

بہرحال اب تک تو کم از کم یہ فیصلہ ہماری قوم کو کر لینا تھا کہ پہلے لا بہر ضروری ہے یا تنظیم یا دونوں کو حاصل کرنے کیلئے بیک وقت سعی کی جائے ـــ انڈا پہلے پیدا ہوا یا مرغی اس قسم کے فلسفیانہ تحقیق کا اب کوئی وقت نہیں ہے اور اس طرح کی تاویلات کی الجھنیں سلجھاتے ہوئے متعدد قومیں برباد ہو چکی ہیں۔

ملک کے ذہنی طبقے نے ایک مشاورتی انجمن قائم کر رکھا ہے لیکن اتحاد و اتفاق اب بھی دور ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس عنوان کے تحت راہبران ملت سر جوڑ کر بیٹھتے اور اصلاح اور فلاح کی نئی نئی راہیں نکالتے لیکن سچ تو یہ ہے کہ چار کتوں میں اتفاق ممکن ہے لیکن مسلمان کے چار رہنماؤں میں ممکن نہیں اور عوام؟ ـــ تو انہیں تو کوئی جادوگر کا انتظار ہے جو طلسمی چھڑی گھما کر ہر چیز کو ڈالے اور آپ سے آپ ہو جائے۔ انہیں کسی قسم کی قربانی نہ دینا پڑے۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔

بقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ناجی و جنتی ہیں

پہلے ولادت کے بعد اور ولادت کے وقت جو معجزات اور بشارتیں آپ کے مشاہدے میں آئیں وہ اس امر کی متقاضی تھیں کہ وہ شرک و کفر سے کوسوں دور رہیں اور دعوت حق کو قبول کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے قبول کر کے اپنے آپ کو مستحق جنتی ہونے کا بنالیا۔ ہم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ والدین مکرمین جنتی ہیں کیونکہ ابتدا ہی سے دین حنیف ملت ابراہیم پر قائم تھے اور یہ کہ دونوں حضرات نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور یہ ہم قرآن و حدیث و آثار و قرائن قویہ کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں۔ مختلف شبہات و اعتراضات کے مدلل جوابات بھی لکھے جا چکے ہیں۔ الحمد للہ کہ ہم اپنی ادنیٰ کوشش میں ایک حد تک پہنچنے کے بعد تحریر ہذا کو ختم کرتے ہیں اور ان علماء متاخرین کے لئے دست بدعا ہیں کہ جنہوں نے اپنی قلبی بصیرت سے والدین مکرمین کے جنتی ہونے کے دلائل کو ترجیح دی اور ہمارے ایمانی قوی کو شگفتہ کیا۔ ربنا تقبل منا دخلنا مع المتقین بحرمۃ النبی الکریم علیہ

شاہ ایران کی تاجپوشی

(از ڈاسی ۔ اے ۔ بین)

مترجم

(محترمہ شہناز مُہیمن ۔ دارالعزیز ۔ نواب کوٹھی پٹنہ ۱۱)

"میرے لئے یہ بیحد مسرت اور بہت فخر کی بات ہے کہ آج میرے اور میرے وطن کے لوگوں کے درمیان ایک مستحکم رشتہ قائم ہو گیا ہے اور اس طرح قائم ہوا کہ ہم ساتھ ساتھ ملک کو اہمیت اور خوشحالی کے راستہ پر آگے بڑھا رہے ہیں ۔ میری سب سے اہم خواہش ہے کہ میں ملک کی آزادی اور اس کے استحکام کی حفاظت کر سکوں ۔ ایران کو دنیا کے سب سے ترقی یافتہ اور خوشحال ملکوں کے برابر لا سکوں اور اس تاریخی سرزمین کی قدیم شان و شوکت کو نیا نکھار دے سکوں ۔ میری استدعا درحقیقت خداوند کریم سے استدعا ہے کہ ہم ..... ملک کو جب اپنے برسر اقتدار طبقہ کے ہاتھ سونپیں، تو اس کے رہنے والوں کی خوشحالی ترقی اور آرام و آسائش سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہو۔"

تاجپوشی کے موقع پر یہ تھا شہنشاہ ایران کا پیغام

میں جس دن کے انتظار میں تھی وہ دن نزدیک آتا جا رہا تھا ۔ اس دن کے انتظار میں میں نے ایران میں گھوم گھوم کر چھ ماہ گزارے تھے ۔ ان چھ مہینوں میں میں نے ایران کی ہر قابل دید چیزیں دیکھ لی تھیں ۔ ملازمت تہران میں کرتی تھی ۔ لیکن ہر بار جب گھوم گھام کر تہران واپس ہوتی تھی، تو تہران جب تک کچھ اور خوب صورت ہو چکا ہوتا تھا ۔ ہر گلی کوچہ کی صفائی کی جا رہی تھی ہر عمارت پر نیا رنگ و روغن چڑھایا جا رہا تھا، جگمگاہٹ بڑھانے کے لئے ہر سڑک کے پرانے بلب کو بدل کر نیا بلب لگایا جاتا تھا ۔ ہر کسی کو انتظار تھا "چہارم آبان" یعنی ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۷ء کا جس دن شہنشاہ آریہ مہر شاہ محمد رضا شاہ پہلوی اپنے ہاتھوں اس رسم کی ادائیگی کریں گے، جسے وہ پچھلے چھبیس (۲۶) برسوں سے ٹالتے آرہے تھے ۔

دراصل یہ رسم برسوں قبل ادا ہو جانی تھی، لیکن شاہ نے اسے ملتوی کر رکھا تھا کہ غریب رعایا کا راجہ بننے میں کوئی لطف نہیں اور یہی کہتے کہتے شاہ نے ۲۶ برس لگا دیے ۔ "تاجپوشی" اب جبکہ ایران کی آمدنی بڑھ رہی تھی اور ملک خوشحالی کی لہریں لینے لگا تھا ۔ شاہ نے تاجپوشی کے لئے حامی بھر دی ۔ تاجپوشی کا یہ دن شاہ کا انچاسواں (۴۹) یوم پیدائش بھی تھا ۔ خوش نصیبی سے

بھری ایران کی جنتا اپنے شاہ کو لاکھ لاکھ دعائیں پیش کرنا چاہتی تھی۔ خوشی کی ایک وجہ اور تھی۔ کیونکہ ایران کی تاریخ کا ایک باب کھلنے جارہا تھا۔ ملکہ فرح دیبا کی بھی تاجپوشی ہونے جارہی تھی۔ تاریخ ایران میں اب تک کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ جبکہ کسی عورت کو تاج پہنا کر تخت کا حقدار بنایا جارہا تھا۔

تاجپوشی کے لئے جو تیاریاں ہورہی تھیں انہیں دیکھنے کے لئے لوگ روز شام کو نکلتے تھے۔ سڑکوں پر رنگ برنگے بلبوں سے نئی جگمگاہٹ کا انتظام تھا۔ اس کے لئے ساٹھ لاکھ بجلی کے بلب بیرون ملک سے درآمد کئے گئے تھے۔ ایران کی گلی گلی میں محرابوں کی شان دیکھنے کے لائق تھی۔ محلوں پر شاہ اور ملکہ کی تصاویر رونق کو دوبالا کررہی تھی۔ اس جگمگاہٹ کو دیکھنے کے لئے اُن دنوں شام کو تہران میں ٹیکسی کا ملنا مشکل ہوگیا تھا۔ کیونکہ لوگ پہلے سے ہی انہیں محفوظ کر لیتے تھے۔ پرانے محلوں میں دروازوں کے گنبدوں کو سنہرا کیا جارہا تھا "گلستان محل" جہاں تاجپوشی ہونی تھی، اسے نئی دلہن کی طرح سنوارا جارہا تھا۔ خاص طور پر جشن کے موقعہ پر پڑھنے کے لئے ایران کے شاعر عالی جناب لطف علی صورت نگار نے ایک قصیدہ لکھا تھا "شہنشاہ کا تاج و تخت دنیا میں اس طرح چمک اٹھا جیسے سورج اور چاند چمکتے ہیں" اور حقیقت میں تاج و تخت کو کچھ اس قدر چمکایا گیا تھا۔ شاہ کے والد کے ۳۳۹۰ ہیروں، ۳۸۶ موتیوں ۵۰ یونوں اور زمرد سے جڑے تاج کی نئے سرے سے صفائی کی گئی تھی۔ ملکہ کے لئے شاہی خزانے سے ۱۴۶۹ ہیروں، ۳۶ یونوں اور ۱۰۵ موتیوں کا پلیٹنم کا تاج بنوایا گیا تھا۔ ملکہ جسے شاہ بانو کا خطاب عطا کیا ہوا تھا، کے لئے عمدہ ریشم کی پوشاک پیرس سے بن کر آئی تھی۔ جسے چار کاریگروں نے چار ماہ لگاتار محنت و مشقت کرکے تیار کیا تھا۔ جس گاڑی پر شاہی سواری گلستان محل جانے والی تھی۔ اسے ویانا سے ہوائی جہاز کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ اس کی چھت کو خاص طور سے اونچا بنایا گیا تھا۔ اسے کھینچنے والے ۹ سفید گھوڑے ہنگری سے خرید کر آئے تھے۔ گھوڑوں کے لئے سازوسامان برطانیہ سے منگائے گئے تھے۔

تاجپوشی کے ایک دن قبل مکمل ڈریس ریہرسل کو آخری شکل دیدی گئی تھی۔ برسر اقتدار طبقہ کے لئے مشکل یہ تھی کہ تاریخ ایران کے ڈھائی ہزار برسوں میں کسی ملکہ کی تاجپوشی کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ اس کے نئے نئے طور طریقے تیار کرنے تھے۔ اس نئی رسم کی ریہرسل میں روزانہ ۲۰ منٹ صرف ہوتا تھا، جبکہ دراصل یہ رسم صرف آدھ گھنٹہ وقفہ کی تھی۔ شہزادہ رضا کو خاص طور سے ٹریننگ دی گئی تھی۔ چھوٹا سا بچہ کہیں کوئی لغزش نہ کر بیٹھے اس لئے اُسے ۱۹۵۳ میں الیزابیتھ دوم کی تاجپوشی کی فلم دکھائی جاتی تھی۔ جس میں پرنس چارلس نے حصہ لیا تھا۔ تاجپوشی کے دن گلستان محل گھری نارنگی نالین کو مہمانوں کی قدمبوسی کے لئے کھول دیا گیا۔ صبح سات بجے سے سڑک بالکل بھر گئی۔ عوام شاہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کی خاطر اُمڈ پڑی۔ شاہ کی عمر کے ہر دن جوڑ کر ۱۷۵۳۲ گلاب ہوائی جہازوں سے تہران پر برسائے گئے۔ بیرونی نامہ نگاروں کی محفوظ جگہ پر بیٹھ کر میں بھی شاہ کی سواری کا انتظار کرنے لگی۔

جب وقت مقررہ پر (زندہ باد) کے نعروں کے ساتھ شاہ اور ملکہ کی سواری میرے سامنے سے گزری تو میں دم بخود

ہو کر رہ گئی جس انتظار میں ہیں، گذشتہ چھ مہینوں سے تھی۔ ان کی نیلی اور سنہری گاڑی میں جتنے سفید گھوڑے لال اور سنہری وردی میں کوچوان گاڑی کے اندر نیلی پوشاک میں شاہ اور ان کے بائیں جانب سفید لباس دمکتی ۲۹ برس کی عمر والی ملکہ فرح ان کے پشت میں شاہزادہ رضا کی سواری کیا اور کیسا سہانا منظر تھا۔ میں تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ ایک لمحے کے لئے یہ بھی فراموش کر بیٹھی کہ میرے ہاتھ میں فوٹو کیمرہ بھی ہے۔ جب فلم دُھل کر آئی تو کچھ دم میں دم آیا۔ اس میں اس نادر موقع کی کچھ تصاویر بھی تھی، جس کی قیمت میرے نزدیک بہت تھی۔

جب تہران کے امام نے اپنے سیاہ لباس میں شاہ کو اپنی دعائیں پیش کرتے ہوئے کلام پاک کی جلد شاہ کے سامنے پیش کی، تو شاہ نے اسے سر سے لگایا اور اس کے بعد اپنے والد مرحوم کا تاج اپنے سر پر رکھا، تو عوام کے لئے ان پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی تھی اسے ایک بار دہراتے ہوئے فرمایا کہ "اب جبکہ میں نے اپنی تاجپوشی کر لی ہے تو لوگوں سے اپنے آپ کو زیادہ قریب محسوس کرتا ہوں۔ میری زندگی کا اصل مقصد ایران کے عوام کی فلاح و بہبود ہے اور اس پاک مقصد کی تکمیل کے لئے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھوں گا۔ خواہ اس کے لئے مجھے اپنی زندگی بھی قربان کرنی پڑے" ایک مرتبہ وہ جب جہاز کو چلا رہے تھے، وہ اصفہان کے نزدیک حادثہ کا شکار ہو گیا تھا، اور دو بار وہ گولیوں سے زخمی ہونے سے بچے تھے۔

شاہ کے بعد ملکہ فرح اپنے شوہر کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور شاہ نے صنف نازک کا احترام کرتے ہوئے تاریخ ایران میں ایک نئے باب کی ابتدا کی اور انہیں تاج پہنا دیا اور پھر آئے۔ شاہزادہ رضا تربیت کے مطابق انہیں باقاعدہ ولیعہد قرار دیتے ہوئے شاہ کے احترام میں ایکسو ایک توپوں کی گرجیں فضا میں گونج اٹھیں۔ چرچ کی گھنٹیاں بج اٹھیں، مسجدوں میں نمازیں پڑھی گئیں اور اس مخصوص موقعہ کے لئے تیار کی گئی نئی دھنوں نے "گلستان محل" کے کونے کونے کو گنگنا دیا۔

دوسرے دن شروع ہوا دعوتوں کا سلسلہ۔ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے تحفے کو دیکھ کر مہمان دنگ رہ گئے۔ ان تحفوں کے نزدیک ہیچ ایرانی عوام کے لئے منظور کئے گئے تحفوں کی یاد آ جاتی ہے۔ اعلان کیا گیا تھا کہ آج کے دن سے سال ۱۹۶۷ء کو جن لوگوں کی شادی ہوگی، ان کا سارا خرچ شاہی خزانہ برداشت کرے گا۔ ملکہ فرح کے جو بچے اس دن پیدا ہوں گے، اُن کے بیمہ کی رقم حکومت کی جانب سے دی جائے گی۔ اتنا ہی نہیں خوشی میں نہ جانے کتنے قیدی رہا ہوئے کتنے اسپتال کھولے گئے اور کتنے درس گاہوں کی بنیاد ڈالی گئی۔

ایران کی پرانی تاریخ کو لکھنے کی جو رسم کُرد اور دارا نے ڈالی تھی، اسے شاہ ایران نے زندہ رکھنے کے خیال سے "کی نو باتیں" جو سنہ ۱۹۶۲ء میں ایران کا قانون بن چکا ہے، کو اونچی چٹان پر لکھوا دیا ہے۔ تاکہ عرصہ بعد کی نسلیں اس نئے انداز کو ذہن نشیں رکھ سکیں۔

دھرم یگ کے شکریہ کے ساتھ

اَلْوَسِیْلَةُ وَالتَّوَسُّلُ

(۲۱)

(از حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور عالم قادری پھلواروی قدس سرہٗ)

و نزد ہر کسی ظاہر کہ مردہ در زمین طاہر دفن کردہ میشود، نہ در مزبلہ و جائے نجاست کہ برقیاس بیت الخلا حکم امتناع در نہادن شجرہ دادہ شود و ہمیں سبب کہ مقام قبر طاہر دانستہ شدہ ست قرأت سورۂ ملک و سورۂ یٰسین بر میت یعنی وقت دفن بر قبر او در احادیث وارد ست و میت خود ہم در قبر قرآن مجید می خواند روایات دریں مضمون بسیار ست و بعضی از آں ایست جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ در کتاب شرح الصدور آوردہ ست صفحہ ۵۰، مطبوعہ مصر

ترجمہ

(از حضرت مولینا حکیم محمد شعیب نیر قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ)

اور ہر شخص اس کو جانتا ہے کہ مردہ پاک زمین میں دفن کیا جاتا ہے، نہ جائے ناپاک اور مزبلہ میں کہ پائخانہ پر قیاس کرکے امتناعی حکم شجرہ رکھنے میں بھی دیا جاسکے اور اسی وجہ سے کہ قبر کی جگہ پاک سمجھی گئی ہے۔ سورۂ ملک اور سورۂ یٰسین کا مردہ پر یعنی دفن کے وقت اس کے قبر پر پڑھنا حدیثوں میں وارد ہے اور مردہ خود بھی قبر میں قرآن مجید پڑھتا ہے۔ اس مضمون میں بہت سی روایتیں آئی ہیں۔ جن میں سے بعض کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں نقل کی ہے۔ دیکھو ص۵۰ مطبوعہ مصر

اخرج الترمذی وحسنہ والحاکم والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ

ترمذی تخریج حدیث کرد و آں را حدیث حسن گفت و حاکم و بیہقی از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ گفت خیمہ زد بعضے از اصحاب

ترمذی نے تخریج حدیث کرکے اس کو حسن کہا ہے اور حاکم و بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرکے بیان کیا ہے۔ کہ اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی ایک نے ایک ایسے قبر

علیه وسلم خباءه
علی قبر وهو لا یحسب انه
قبر واذا فیه انسان یقرأ
سورة الملک حتی ختمها
فاتی النبی صلی الله علیه وسلم
فاخبره فقال رسول الله
صلی الله علیه وسلم هی المنجیة
هی المانعة تنجیه من عذاب
القبر قال ابو القاسم السعدی
فی کتاب الروح هذا تصدیق
من النبی صلی الله علیه وسلم
بان المیت یقرأ فی قبره
فان عبد الله اخبره بذلک
وصدقه رسول الله صلی الله
علیه وسلم وقد ذکر ابو عبد الله
بن منده حدیث عیسی بن
عبد الرحمن ثنا ابن شهاب
ثنا عامر بن سعد عن اسمٰعیل
بن طلحة بن عبید الله عن
ابیه قال اردت مالی
بالغابة فادرکنی اللیل
فاویت الی قبر عبد الله
بن عمرو بن حرام فسمعت
قراءة من القبر ما سمعت
احسن منها فجئت الی

بنی صلی اللہ علیہ وسلم بر قبرے در
نمیدانست کہ آں قبر است (ناگہاں)
شنید کہ دراں آدمی ست کہ سورۂ
ملک می خواند تا آنکہ سورہ را تمام
کرد آں صحابی نزد نبی صلی اللہ علیہ
وسلم آمدہ خبر داد' حضرت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود آں
سورہ نجات دہ ست آں باز دارندہ
کہ نجات می دہاند از عذاب قبر۔
ابو القاسم السعدی گفت در کتاب
الروح گفت کہ ایں تصدیق است از
حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
باں کہ مردہ در قبر خود می خواند
زیرا کہ عبد اللہ خبر داد' بایں واقعہ
و حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تصدیق فرمود آں را
ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ نیز در
کتاب الروح از جامع ترمذی ایں
حدیث نقل کردہ ست صفحہ ۱۲۹
مطبوعہ دائرۃ المعارف و ہم دریں
کتاب در صفحہ ۱۶۳ می نویسد۔
و تحقیق ذکر کرد ابو عبد اللہ بن مندہ
از حدیث عیسی بن عبد الرحمن گفت
حدیث کرد مرا ابن شہاب گفت حدیث
کرد مرا عامر ابن سعد از اسمٰعیل بن طلحہ

پر جس کو وہ نہیں جانتے تھے کہ قبر ہے' خیمہ نصب کیا' ناگاہ
انہیں اس میں سے ایک آدمی کی آواز سنائی دی
جو سورۂ ملک پڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پوری سورہ
اس نے تمام کی (یہ عجیب ماجرا دیکھ کر) ان صحابی نے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر (یہ واقعہ
عرض کیا) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
وہ سورہ نجات دینے والی اور باز رکھنے والی ہے عذاب
قبر سے نجات اور رہائی دلواتی ہے۔ ابو القاسم
سعدی نے کہا کتاب الروح میں بیان کیا ہے کہ یہ
(واقعہ) گویا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تصدیق
کراتا ہے اس بات کی کہ مردہ اپنے قبر میں بھی
پڑھتا ہے کیونکہ عبد اللہ نے اس واقعہ کی خبر دی اور
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمایا۔
ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الروح میں
جامع ترمذی سے اس حدیث کو نقل کیا ہے (دیکھو
ص ۱۲۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۳
میں لکھتے ہیں ابو عبد اللہ ابن مندہ نے عیسی ابن عبد
کی حدیث بیان کی ہے کہ کہا عیسی نے مجھ سے ابن
شہاب نے حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے
عامر ابن سعد نے حدیث بیان کی اور انہوں نے
مجھ سے اسمٰعیل بن طلحہ نے اور انہوں نے عبید
اور وہ اپنے والد سے حدیث بیان کرتے
اپنا مال موضع غابہ میں لے گیا اور وہیں رات
میں شب بسر کرنے کے خیال سے عبد اللہ بن
حرام کی قبر کے پاس ٹھہر گیا۔ قبر سے قرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ذلک لہ فقال ذلک عبداللہ الحدیث

... ...
... ...
... ...
... ...
... ...

بن عبیداللہ از پدر خود گفت قصد کردم مال خود را بموضع غابہ کہ شب در رسید پس جائے گویم بسوئے قبر عبداللہ بن عمرو بن حرام شنیدم آواز خواندن از قبر کہ نشنیدہ ام خوشتر از آن آمدم بسوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بیان کردم این واقعہ را آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ عبداللہ است تا آخر حدیث

ایسی خوشگوار آواز سنی کہ اس سے پہلے کبھی میں نے اس سے بہتر آواز نہ سنی تھی۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر آپ سے اس واقعہ کو عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عبداللہ ہے۔ آخر حدیث تک

... ...
... ...
... ...
... ...
... ...

این ہر دو حدیث واقعہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است و تصدیق شدہ است و در شرح الصدور آوردہ ست صفحہ ۷۶ مطبوعہ مصر

ان دونوں حدیثوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا واقعہ مذکور ہے۔ جس کی تصدیق بھی ہو چکی ہے اور شرح الصدور میں نقل کیا ہے ص۷۶ مطبوعہ مصر

واخرج ابن جریر فی تھذیب الاثار وابونعیم عن ابراھیم بن الصمۃ المھلبی قال حدثنی الذین کانوا یمرون بالحصن بالاسحار قالوا کنا اذا مررنا بجنبات قبر ثابت البنانی سمعنا قراۃ القران واخرج الخلال فی کتاب السنۃ من طریق ابراھیم بن الحکم بن ابان وفیہ ضعف عن ابیہ عن عکرمۃ قال قال ابن

وتخریج کرد ابن جریر در کتاب تہذیب الآثار و ابونعیم از ابراہیم بن الصمۃ المہلبی گفت بیان کردند مرا کسانیکہ می گذشتند در قلعہ بوقت سحر آنہا گفتند ہرگاہ می گذریم از جانب قبر ثابت بنانی می شنویم (صدائے) خواندن قرآن و خلال تخریج کرد در کتاب السنۃ از طریق ابراہیم بن حکم بن ابان (و در او ضعف است) از پدر خود از عکرمہ گفت کہ حضرت ابن عباس گفت مومن دادہ

ابن جریر نے کتاب تہذیب الآثار میں تخریج کی ہے اور ابونعیم ابراہیم بن الصمۃ المہلبی سے روایت کرتے ہیں کہا کہ مجھ سے ان لوگوں نے بیان کیا، جو صبح کے وقت ایک قلعہ سے گزرا کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ جس وقت کہ ہم لوگ ثابت بنانی کے قبر کے قریب سے گزرتے ہیں، تو قرآن پڑھنے کی آواز سنتے ہیں۔

خلال نے کتاب السنہ میں بطریق ابراہیم بن حکم بن ابان سے (جو ضعیف راوی ہیں) وہ اپنے باپ سے اور انہوں نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہا حضرت ابن عباس نے کہا کہ مومن کو قبر میں قرآن دیا جاتا ہے، تاکہ اس میں پڑھا کرے اور رکھی اسی میں ہے صفحہ ۳۶

عباس المومن یعطی مصحفاً فی قبرہ یقرأ فیہ

ونیز درین است مفوہ،

واخرج ابن ابی الدنیا عن یزید الرقاشی قال بلغنی ان المومن اذا مات وقد بقی علیہ شیء من القرآن لم یتعلمہ بعث اللہ الیہ ملئکۃ یحفظونہ ما بقی علیہ منہ حتی یبعثہ اللہ من قبرہ

می شود قرآن در قبر خود کہ می خواند دراں و تخریج کرد ابن ابی الدنیا از یزید رقاشی کہ مرا (روایت) رسیدہ است آنکہ مومن چوں بمیرد و براو قطعے از قرآن باقی ماندہ باشد کہ آنرا تعلیم نیافتہ است بفرستد اللہ تعالیٰ بسوئے او فرشتگان را کہ یاد کنانند اورا آنچہ باقی ماندہ است بروے از قرآن تا آنکہ برانگیزد اورا اللہ تعالیٰ از قبر وے

ابن ابی الدنیا نے یزید رقاشی سے تخریج کی ہے کہ مجھے ایک روایت پہنچی ہے کہ جب کوئی مومن مرتا ہے اور اس کے قرآن کا کچھ حصہ (تمام ہونے کو دنیاوی زندگی میں) باقی رہ جاتا ہے۔ جس کو وہ پڑھ نہ سکا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کے طرف فرشتوں کو بھیج دیتا ہے تاکہ وہ بقیہ قرآن اس کو یاد کرادیں، یہاں تک کہ اُسے خدا اٹھائے۔

... ...

بقیہ تفسیر سورہ فاتحہ

(پانچواں قول)۔ اہل دوزخ محدود وقت تک اس میں عذاب برداشت کریں گے۔ پھر وہاں سے نکال لئے جائیں گے اور ان کے بجائے دوسری جماعت داخل کی جائے گی۔ یہ وہی قول ہے، جو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہود نے کہا تھا اور آپ نے انہیں جھٹلا دیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں جھٹلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ قل اتخذتم عند اللہ عھدا فلن یخلف اللہ عھدہ ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون ٥ بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون ٥

وہ کہتے ہیں کہ ہم کو چند روز کے سوا دوزخ ہرگز نہ چھو سکیگی۔ آپ فرمادیں کہ کیا تم نے اللہ کے نزدیک کوئی عہد لیا ہے کہ پھر اللہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہ کرے گا، یا تم اللہ پر ایسی بات کہتے ہو، جسے تم نہیں جانتے ہو، کیوں نہیں جس نے بھی گناہ کمایا اور اس کی خطا نے اس کو گھیر لیا، تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے ہیں

... ...

(چھٹا قول) اہل دوزخ اس میں سے نکال لئے جائیں گے اور دوزخ اپنی حالت پر باقی رہے گی۔ حالانکہ اس میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ یہ قول بھی مذکورہ نصوص کی روشنی میں ظاہر البطلان ہے۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جاچکا۔

افادات

مکاتیب حضرت سید العرفا مخدوم شاہ مجا قلندر لاہرپوری قدس سرہ

مکتوب سی و پنجم باسم شیخ جلال جون پوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بآں پسندیدہ افعال مقبول ایزد متعال میاں شیخ جلال ساکن جونپوری جعل اللہ تعالیٰ من المقبولین از ذرہ بے مقدار مجتبیٰ بن مصطفیٰ معروف بمجا لاہرپوری دعا و سلام معروض باد حق تعالیٰ می فرماید ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی نیافریدم جن و انس را مگر بایشاں عبادت کنند یعنی بشناسد مرا بہر انفاس خویش وکمال عبادت اینست کہ عابد خود را فراموش کند در عبادت یعنی محو کند تا بحقیقت عبادت برسد کما قال اللہ تعالیٰ اذکر ربک اذا نسیت یعنی یاد کن پروردگار خود را تا کہ فراموش کنی خود را و حقیقت ذکر فنائے ذاکر در مذکور ذکر و ذاکر محو گردد والتمام ع

جملگی مذکور ماند والسلام

عزیز من فرق میان جلال و جلیل الف است چوں الف جلال نباشد جلال جلیل شد - چوں جلال جلیل شد برہمہ امیر شد برآں شاہد است کلام ربانی کہ صادر است بلا واسطہ بر محبوب سبحانی میر سید عبد القادر جیلانی یا غوث الاعظم

پینتیسواں خط شیخ جلال جونپوری کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - پسندیدہ افعال مقبول ایزد متعال میاں شیخ جلال ساکن جونپور جعل اللہ من المقبولین کو ذرۂ بے مقدار مجتبیٰ ابن مصطفیٰ معروف بمجا لاہرپوری کی طرف سے دعا و سلام پہنچے - حق تعالیٰ فرماتا ہے، ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے نہیں پیدا کیا جن و انس کو مگر اس لئے کہ عبادت کریں۔ یعنی اپنی ہر سانس میں مجھے پہچانیں کمال یہ ہے کہ عبادت کرنیوالا عبادت میں اپنے کو بھلا دے یعنی محو کردے تاکہ عبادت کی حقیقت یعنی اصلیت کو پہنچے قال اللہ تعالیٰ اذکر ربک اذا نسیت یعنی یاد کر اپنے پروردگار کو تاکہ اپنے کو بھول جائے اور ذکر کی اصلیت یہ ہے کہ ذاکر مذکور میں فنا ہو کر ذکر و ذاکر محو ہو جائے، مذکور ہی باقی رہ جائے ؎

جملگی مذکور ماند والسلام

عزیز من جلال اور جلیل میں فرق الف کا ہے۔ اگر جلال کا الف نہ ہو جلیل ہو گیا اور جب جلال جلیل ہوا سب پر حاکم ہوا - اس بات پر کلام ربانی گواہ ہے جو بلا ذریعہ کے محبوب سبحانی حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ پر اترا ہے - یا غوث الاعظم جسم الانسان ونفسہ

جسم الانسان ونفسہ وروحہ وقلبہ
وسمعہ وبصرہ ولسانہ ویدہ ورجلہ
کل ذلک اظہرت لنفسی لاھو الا انا لا
غیری - یعنی اے غوث بزرگ جسم انسان ونفس انسان
وروح انسان ودل انسان وگوش انسان وچشم انسان
وزبان انسان ودست انسان وپائے انسان ہمہ
اینہارا ظاہر کردم بنفس خود از جہت نفس خود نیست
انسان مگر من نہ غیر من - دریں حالت شیخ عبداللہ بلیانی
عاشق سبحانی درحالتیکہ خود را فانی دید حق را باقی یافت
بجانب گفتن ایں ابیات بشتافت ؎

باجملہ خدائے پاک پاکم
نی ز آتش وباد وآب وخاکم
از ہستی و نیستی ہمیشہ
عریاں شدہ ایم جامہ چاکم

وہم از ایشانست حقیقت جز خدا دیدن
روا نیست کہ بیشک در دو عالم جز خدا نیست علم من
علم و فہم من فہم -

وروحہ وقلبہ وسمعہ وبصرہ ولسانہ
ویدہ ورجلہ کل ذلک اظہرت
لنفسی لاھو الا انا لا غیری - (ترجمہ) اے غوث
بزرگ میں نے اپنے نفس سے انسان کا جسم اور نفس اور روح اور قلب اور کان
اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ اور پیر ان سب کو پیدا کیا
اپنے واسطے انسان نہیں ہے - مگر میں ہوں سوائے
میرے یعنی غیر میں نہیں - اسی حالت میں شیخ عبداللہ
بلیانی عاشق سبحانی نے جب اپنے کو فانی دیکھا اور
خدا کو باقی پایا - یہ اشعار تصنیف کئے ؎

باجملہ خدائے پاک پاکم
نی ز آتش وباد وآب وخاکم
از ہستی و نیستی ہمیشہ
عریاں شدہ ایم جامہ پاکم

اور یہ انہیں کا کلام ہے -

حقیقت جز خدا دیدن روا نیست
کہ بیشک در دو عالم جز خدا نیست
علم من علم و فہم من فہم -

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ

(۸۰)

(از جناب مولانا مفتی ابوالقاسم محمد عبداللہ عتیق صاحب بحر العلومی فرنگی محلی لکھنؤ)

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگر تم نے جنت کا اسی طرح معدوم ہونا مراد لیا ہے، جیسے صور پھونکا جانا اور قبروں سے مردوں کا نکلنا اس وقت معدوم ہے، تو یہ امر باطل ہے اور اس کی تردید گزشتہ آیات و احادیث سے بخوبی ہو چکی اور اگر تم نے یہ مراد لیا ہے کہ جنت کی وہ تمام نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے تیار فرما رکھی ہیں ابھی مکمل نہیں ہوئی ہیں۔ اور انھیں اللہ تعالیٰ روز افزوں بڑھاتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں لوگوں کے داخلہ کے وقت بھی کچھ مزید نعمتیں پیدا فرمائے گا، تو یہ بات حق ہے۔ اس کی تردید ممکن نہیں اور تمہاری مذکورہ دلیل کی اسی قدر مقدار ثابت کرتی ہے۔[1]

پس قدریہ و معتزلہ کا یہ مذہب پورے طور پر باطل ہو گیا کہ جنت و دوزخ ابھی پیدا نہیں کی گئی ہیں اور نصوص قطعیہ سے ان کا پیدا ہو چکنا پورے طور پر ثابت ہو گیا۔

جنت و دوزخ کا فنا و بقا

شارح طحاویہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت علماء سلف و خلف کی قائل ہے کہ جنت ہمیشہ باقی رہے گی اور دوزخ آخر کار فنا ہو جائے گی۔ یہ دونوں قول (یعنی جنت و دوزخ مخلوق ہو چکیں اور کبھی فنا نہ ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ جنت باقی رہے گی اور دوزخ فنا ہو جائے گی) اکثر کتب تفسیر وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن فقیر خاکسار کو تفحص و امعان نظر کے باوجود (ہو سکتا ہے کہ اپنے قصور علم کے باعث) مستند مفسرین طبری، بغوی، سیوطی، واحدی، خازن، رازی، شربینی، نیساپوری وغیرہم کی تفاسیر میں اہل سنت کی جانب منسوب یہ قول نہیں ملا کہ دوزخ آخر کار فنا ہو جائے گی بلکہ جمہور مفسرین نے مذہب حق یہی بیان کیا ہے کہ دونوں ہمیشہ برقرار رہیں گی اور اس قول کے سوا دوسرا قول منقول نہیں ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس امر میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا جنت و دوزخ ہمیشہ باقی رہیں گی۔ یا دونوں فنا ہو جائیں گی۔

یا دونوں برقرار تو رہیں گی۔ لیکن جنت کی لذت اور دوزخ کا عذاب آخرکار محسوس نہ کیا جائے گا، یا جنت کی نعمتیں اور احساس لذت برقرار اور صرف دوزخ فنا یا صرف احساس عذاب جاتا رہے گا، چنانچہ جنت و دوزخ دونوں کے فنا ہو جانے میں معتزلہ وغیرہ کے دو قول ہیں۔ ایک جہم بن صفوان امام المعطلہ کا قول ہے کہ آخرکار جنت و دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گی لیکن اس قول میں اس کا کوئی پیشرو نظر نہیں آتا، نہ صحابہ سے، نہ تابعین سے، نہ آئمہ مسلمین سے، نہ عوام اہل سنت سے اور عامۃ المسلمین نے اس پر انکار کیا اور اس کی تکفیر کی اور اس پر بھی اور اس کے تابعین پر بھی (تمام عالم میں) اقطار ارض سے شور مچ گیا[1]۔ اس کی دلیل اور اس کی تردید، جو شارح طحاویہ نے ذکر کی ہے، بخوف طوالت ترک کرتا ہوں۔

علامہ سالمی کہتے ہیں کہ معتزلہ و جہمیہ قائل ہیں کہ جنت و دوزخ لوگوں کو ان کے اعمال کے بقدر ثواب و عذاب پہنچانے کے بعد فنا ہو جائیں گی اور اپنے بسنے والوں کے ساتھ ہمیشہ نہ رہیں گی۔ کیونکہ (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هو الاول والاخر پس جبکہ اللہ تعالیٰ خلقت سے پہلے اس حیثیت سے تھا کہ خلقت میں سے کوئی نہ تھا، تو اسی طرح ضروری ہے کہ آخر میں بھی بغیر خلقت کے باقی رہے۔

(۲) اہل جنت و اہل دوزخ دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے خلدین فیها ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جب تک کہ آسمان و زمین برقرار رہیں۔ مگر جتنا آپ کا رب چاہے) اس استثناء کا فائدہ یہی ہے کہ دونوں علی الدوام باقی نہ رہیں۔

(۳) آنحضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب دوزخ پر ایسا دن آئے گا کہ ہوا اس کے دروازے کھول دیگی اور اس میں کوئی نہ ہوگا۔ لیکن اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ دونوں باقی رہیں گے، ان کو فنا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة (اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض مول لے لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہوگی) پھر جب مول لی ہوئی چیزیں (یعنی ان کی جانیں) علی الدوام باقی ہیں، تو ضروری ہوا کہ عوض بھی دائمی طور پر باقی رہے اور اس پر دلیل اولئک اصحب الجنة هم فیها خلدون (وہ جنت والے ہیں، جو اس میں ہمیشہ رہیں گے) اور اولئک اصحب النار هم فیها خلدون (وہ دوزخ والے ہیں، جو اس میں ہمیشہ رہیں گے) آیات قرآنیہ ہیں۔ رہ گئے ان لوگوں کے دلائل، تو ان کا جواب یہ ہے کہ ہم

(۱) ارشاد الٰہی هو الاول والاخر میں یہ بیان ہے کہ وہ آخر ہے اس میں اس بات کا بیان نہیں ہے کہ اس کا غیر نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی چیز کے ذکر کرنے سے اس کے غیر کی نفی ضروری نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے[2] یہ کہ اللہ تعالیٰ اثبات وجود کے ساتھ اول ہے اور بقا کے ساتھ آخر ہے اور جنت و دوزخ نیز خلق دونوں اللہ کے باقی رکھنے سے باقی رہنے والے ہیں۔ پس ان کے بقا اور بقائے الٰہی کے درمیان فرق متحقق ہو گیا۔

(۲) الا ما شاء ربک کے معنی ہیں۔ فراء کا قول ہے کہ اس کے معنی و قد شاء ہیں۔ یعنی بتحقیق تمہارے رب نے

چاہا اور یہ ویسا ہی ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں فعلت کذا وکذا الا ما شئتُ میں نے ایسا اور ایسا کیا۔ مگر جو میں نے چاہا) یعنی میں نے واقعی چاہا اور ضحاک نے ابوسعید خدری وابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (اہل دوزخ سے متعلق مذکورہ آیت کے بارے میں) فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ وہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں مگر جس کو تیرا رب چاہے، یعنی اہل کبائر (مستثنیٰ کئے گئے ہیں) کہ یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ لیکن جنت کی طرف نکال دیئے جائیں گے اور (اہل جنت سے متعلق مذکورہ آیت کے بارے میں) فرمایا، مگر تیرا پروردگار جتنی مدت چاہے اور (دونوں صحابی کہتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا کی مدت اور قبر کی مدت اور روز قیامت کی مدت ہے۔ جس میں نہ اہل جنت، جنت میں اور نہ اہل دوزخ، دوزخ میں تھے، جب تک یہ لوگ دنیا میں رہتے۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ علماء کے اقوال میں صواب کے ساتھ مشابہ تر قول یہ ہے کہ الا سے استثناء مراد نہیں، بلکہ الا بمعنی سوا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ تجھ پر میرے ایک ہزار درہم ہیں، مگر وہ دو ہزار جو میرے تجھ پر ہیں، یعنی سوا ان دو ہزار کے، اور معنی آیت یہ ہیں کہ وہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ دنیا میں آسمانوں اور زمین کے دوام کی مدت کے بقدر، سوا اس مدت کے، جو آپ کے رب نے چاہی اس مدت پر زیادتی کی، جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور یہی خلود کے معنی ہیں اور آسمانوں اور زمین کی مدت کا ذکر مقدم کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے معلومہ مدت کو ذہنوں سے قریب کر دیا۔ پھر اس کے بعد ایسی مدت کا ذکر کیا جس کا ذہن احاطہ نہیں کر سکتا اور اہل عرب کی عادت جاریہ ہے۔ کہ جب کسی چیز کا دوام اور اس کی ابدیت سے باخبر کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں لا آتیک ما دامت السموات والارض (میں تیرے پاس نہ آؤں گا۔ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں)۔ پس اس آیت سے مقصد دوام و ابدیت جنت و دوزخ بیان کرنا ہے۔

(۳) اس ارشاد رسالت کے معنی یہ ہیں کہ دوزخ پر ایک ایسا دن ضرور آئے گا کہ ہوا اس کے دروازے کھول دے گی اور اس میں کوئی نہ ہوگا، یعنی کوئی مومن نہ ہوگا اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جہنم میں کوئی نہ ہوگا، یعنی دوزخ گناہ کبیرہ کے مرتکب اہل ایمان کا ٹھکانا نہیں ہے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔

دوسرے شیخ المعتزلہ ابوالہذیل العلاف نے جہم ابن صفوان کی دلیل عدم تناہی سے تو اتفاق کیا۔ لیکن اس کا قول ہے کہ یہ دلیل اس بات کو مقتضی ہے کہ اہل جنت و دوزخ کی حرکتیں فنا ہو جائیں گی اور انہیں ایسا دوامی سکون حاصل ہوگا کہ پھر کسی حرکت پر قادر نہ ہوں گے (یہ قول بھی نصوص قطعیہ سے باطل ہو جاتا ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا) اور جنت کی ابدیت اور اس کی فنا و نابید نہ ہونے کی دلیل آیہ قرآنی انّ ھذا لرزقنا مالہ من نفاد (بے شک ہمارا رزق ہے، اسے ختم و خرچ ہو جانا نہیں) اور اُکُلُھَا دائمٌ وّظِلُّھَا (اس کے میوے ہمیشہ رہنے والے ہیں اور اس کا سایہ بھی) جنت کی ہمیشگی و ابدیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح ارشاد الٰہی لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ (پہلی موت کے سوا یہ لوگ اس میں موت کا مزہ نہ چکھیں گے) اہل جنت کی حیات ابدی کا واضح ثبوت ہے اور سنت میں بھی۔ جنت کی ابدیت اور اس کے دوام پر بکثرت دلائل پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ

ادبیات

غزل

جناب عارف عباسی صاحب بلیاوی

جدھر بھی تیرے دیوانے چلے ہیں — قدم لینے کو ویرانے چلے ہیں

ہمیں ہیں رہروانِ جادۂ شوق — ہمارے ساتھ غم خانے چلے ہیں

وہ میکش ہوں ادب سے جس کی جانب — جھکے ہیں خُم تو پیمانے چلے ہیں

چھڑا ہے ذکر جب دار و رسن کا — قد و گیسو کے افسانے چلے ہیں

وہی چشم و چراغِ میکدہ ہیں — وہ جن کے ساتھ میخانے چلے ہیں

رُکی جاتی ہے نبضِ شعلۂ غم — حضورِ شمع پروانے چلے ہیں

جنونِ جبہ سائی ہے کہ عارفؔ
حرم چھوڑا، صنم خانے چلے ہیں

قند پارسی

(از جناب حافظ قاری محمد داؤد صاحب طالب پھلواروی، امام و خطیب مسجد آسنسول)

رشکِ قمر نگارِ من بے تو بسر نمی شود ‏— محبوبِ گلعذارِ من بے تو بسر نمی شود
غمخوار و غمگسارِ من بے تو بسر نمی شود ‏— صبرِ من و قرارِ من بے تو بسر نمی شود
اے جانِ انتظارِ من بے تو بسر نمی شود ‏— چشمے بحالِ زارِ من بے تو بسر نمی شود
کے ایں جہانِ رنگ و بو غنچہ کشائے دل شود ‏— باغِ من و بہارِ من بے تو بسر نمی شود
عمرے بہ باد دادہ ام سوئیت اکنوں فتادہ ام ‏— اے دامنِ غبارِ من بے تو بسر نمی شود
چشم پئے لقائے تو کشورِ دل برائے تو ‏— اے شہر و شہریارِ من بے تو بسر نمی شود

طالبِ اشکبارِ تو دار بسرِ دیارِ تو
نازشِ اعتبارِ من بے تو بسر نمی شود

غزل

(جناب سیف صاحب سہرامی)

ہم اب رازِ بیاں تک آ گئے ہیں ‏— حدیثِ دلبراں تک آ گئے ہیں
الٰہی خیر دیوانے جنوں میں ‏— سوادِ بوستاں تک آ گئے ہیں
فسانے عشق کی مجبوریوں کے ‏— ترے حسنِ جواں تک آ گئے ہیں
جبینِ شوق میں سجدوں کو لے کر ‏— ہم ان کے آستاں تک آ گئے ہیں
مری بربادیوں کے تذکرے اب ‏— شبابِ مہ وشاں تک آ گئے ہیں
جنابِ شیخ بھی مسجد سے اُٹھ کر ‏— مقامِ مئے کشاں تک آ گئے ہیں
یہ کیا کم ہے تری آنکھوں کے ساغر ‏— ترے تشنہ لباں تک آ گئے ہیں
گزر کر سیفؔ ہم دار و رسن سے ‏— وفا کے امتحاں تک آ گئے ہیں

غزل

(از جناب ابو الکلام صبا، مرحوم پھلواری)

سمجھا تھا جسے اپنا بیگانہ نظر آیا
پردے میں حقیقت کے افسانہ نظر آیا

کر بیٹھا ہیں ساغر میں غرق اپنے غم دل کو
جب ہوش میں آیا تو دیوانہ نظر آیا

کچھ رنگ نہیں لایا اے دوست لہو میرا
گلزار محبت بھی ویرانہ نظر آیا

جس دل کو بنایا تھا اللہ کا گھر میں نے
جب غور سے دیکھا تو بتخانہ نظر آیا

کیا عشق کا مقصد ہے یہ سوچ رہا تھا میں
اتنے میں صبا مجھ کو پروانہ نظر آیا

غزل

(از جناب حاذق ضیائی سہسرامی)

نہ اپنی شام ہی ہے اور نہ یاں اپنی سحر ہے
یہاں جینا مرا دشوار تر ہے

چمن کی ہر روش نامعتبر ہے
بہار زندگانی مختصر ہے

بندھا رخت سفر ان کا تو بولے
پہنچنا چاند تک آسان تر ہے

تم ہی اک عاقل و دانا نہیں ہو
جہاں دیدہ ہماری بھی نظر ہے

جو طالب تھے سکوں کے کہہ رہے ہیں
زمیں پر اب سکوں دشوار تر ہے

کلی کا پھول بننا، سوکھ جانا
بہار چند روزہ کی خبر ہے

مرا یہ گوہر اشک محبت
کسی سے دل لگانے کا ثمر ہے

اسی سے چشم پوشی کے ہیں طالب
جو کرتا ہر خطا سے درگزر ہے

بہت کچھ کھو کے ہم اتنا ہی سمجھے
زمانہ کی روش نامعتبر ہے

زباں سے بات نکلی دل میں اتری
یہ حاذق شعرگوئی کا ہنر ہے

کوائف و حالات

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے — نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی — کچھ دوسروں کی

دار العلوم مجیبیہ کے سالانہ امتحانات۔ اور تعطیل کلاں :۔

دار العلوم مجیبیہ کے سالانہ امتحانات کا وقت آگیا ہے ۱۰، ۱۱، ۱۲ر شعبان کی تاریخیں اس کے لئے مقرر کی گئی ہیں مولانا سید صدر الحق صاحب استاد مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ امتحانات کے انچارج ہوں گے۔ ان کی نگرانی میں درجہائے عربی و درجات ابتدائی و حفظ کے امتحانات لئے جائیں گے ممتحنین میں خصوصیت کے ساتھ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے متعدد اساتذہ۔ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب زوح، مولانا ابو القاسم صاحب، مولانا نجم الہدیٰ صاحب اور پرنسپل مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب ہیں۔ اس کے علاوہ چند مقامی علماء بھی ممتحن ہیں۔ امتحانات ختم ہونے کے بعد دار العلوم رمضان المبارک کی طویل چھٹی میں ۱۱ر شوال تک کے لئے بند ہو جائے گا۔

دار العلوم مجیبیہ کے وفد کے مشاغل :۔

توقع کی جاتی ہے کہ ۱۶ر ۱۷ر شعبان مطابق ۸، ۹ر نومبر سے آسنسول، برنپور، اور دھنباد کول فیلڈ علاقوں میں دار العلوم کے معزز اراکین دورہ فرمائیں گے اور اس کا سلسلہ ۲۶، ۲۷ر شعبان تک ختم ہو جائے گا۔ امید ہے کہ ان علاقوں میں ہمدردان و احباب و مخلصین دار العلوم کے کاموں کی انجام دہی میں اور مقاصد کی کامیابی میں پورا حصہ لیں گے۔

چاند کی اطلاع — ماہ شعبان ۱۳۸۸ھ :۔

۲۹ر رجب چہارشنبہ کو چاند دیکھا گیا اس لئے یکم شعبان مطابق ۲۴ر اکتوبر جمعرات ہوئی اور ۱۱ر شعبان مطابق ۳ر نومبر ... ہوگی اور ۱۴، ۱۵ر شعبان ۶، ۷ر نومبر بدھ، جمعرات ہوگی۔

دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف کیلئے ایک باصلاحیت اور تجربہ کار ماسٹر کی ضرورت

دارالعلوم مجیبیہ کا تعلیمی نیا سال ماہ شوال سے شروع ہوگا۔ انگریزی تعلیم اور حساب وغیرہ کے لئے دارالعلوم کو ایک بہت تجربہ کار عمر رسیدہ ماسٹر کی ضرورت ہے۔ ماہ شوال کے پہلے تک مہتمم دارالعلوم کے نام خط لکھ کر یہ خواہش رکھنے والے باتیں طے کر سکتے ہیں۔ مشاہرہ اور قیام و طعام کا معقول نظم رہے گا۔ اور آستانہ مجیبیہ کے مخلصین و معتقدین کو ترجیح دی جائے گی۔

شاہ محمد عمیر صاحب کی مقبول تصنیف تلاش منزل کے بعد دو کتابیں

۱۔ اسلام کا طبقاتی معیار اور سماج واد کا پرفریب نعرہ۔

۲۔ دین محمدی اور کارلائل کا جذبۂ عقیدت۔

شاہ محمد عمیر صاحب بڑے سکون دل کے ساتھ بہتری کتابیں ہزاری باغ اور بھاگل پور جیلوں میں تصنیف کرتے رہے تھے۔

یہ دونوں کتابیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور مہتمم دارالادب عمیر آباد، اردل، ضلع گیا سے براہ راست دستیاب ہو سکتی ہیں۔ قیمت فی جلد صرف دو روپیہ۔

تلاش منزل جو شاہ صاحب موصوف کی پہلی تصنیف ہے ملنا اب نایاب ہو رہا ہے اس لئے دوسرا ایڈیشن پریس میں جا چکا ہے۔

بنام خط و کتابت اس پتہ پر کریں۔

مہتمم دارالادب، عمیر آباد، اردل، ضلع گیا۔

دارالاشاعت کی کتابیں

آثارات پھلواری شریف

موسوم بہ

اعیانِ وطن

پھلواری شریف کے دوسو چوالیس (۲۴۴) علما، صوفیا، محدثین، عہدیداران حکومت، قاضی القضاۃ وغیرہ اور دیگر باشندگان کی سوانح حیات و آثارات و تبرکات و اسناد سلاسل و احادیث اور مقابر و مساجد و خانقاہوں کی جامع تاریخ اور مباحث علمیہ کا بہتر مجموعہ۔ قیمت صر

نعمتِ کبریٰ

انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفاۃ حیات جسمانی کے ثبوت میں ایک محققانہ تصنیف۔ قیمت:- عہ

عِطرالورْدین

شیوخ سلسلۂ مجیبیہ کی دو ذات گرامی کا مجموعۂ کلام (فارسی)

دوبارہ اشاعت قیمت:- ۱۲ر

محی الملّۃ والدّین

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مولانا الحاج شاہ محمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہ، سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ کی مکمل سوانح حیات جس میں اُن کے علمی و عملی کارنامے بالتفصیل درج ہیں اور اکابر پھلواری کے حالات ضمناً مرقوم ہیں۔ اس کے نسخے سب ختم ہوگئے۔ دوبارہ طباعت کی توقع ہے۔

[illegible] 1969] [Regd. No. P. 1074

Phone No : 23289

The ALMUJEEB Monthly

PHULWARI SHARIF, (PATNA)

The Only and most widely Circulated Urdu monthly of Bihar

پرنٹر پبلشر: سید لطف احمد قادری | دفتر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ)